كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ، حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمُ الدَّجَّالُ
جب بھی ان کا کوئی گروہ پیدا ہوگا ختم کردیا جائے گا، یہاں تک کہ انہیں میں سے دجال نکلے گا

الجناية على الإسلام

في كتاب

أسئلة الثورة

تالیف:

د/ فہد بن سلیمان بن ابراهیم الفہید

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

جلد اول

تقدیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

اس وقت کفار اور دیگر اعدائے اسلام عالم اسلام بالخصوص عربوں پر ٹوٹ پڑے ہیں تاکہ انکے ملکوں کو تباہ و برباد کردیں، اور ان کی جماعت کو منتشر کردیں، اور انکے تمام ذرائع اور وسائل کو برباد کردیں، اسکے لئے انہوں نے عرب بہاریہ کا استعمال کیا ہے، جو کہ فی الواقع مغرب کی تخریب پسندی کا شاخسانہ ہے، جنہوں نے عالم اسلام کے اندر بالخصوص عرب ممالک میں خلفشار اور بغاوت پھیلانے کی ذمہ دارلے رکھی ہے، اور اسکے لئے انہوں نے مسلمانوں ہی میں سے بہتوں کو اپنا حمایتی بنا رکھا ہے جو اندرون ملک بغاوت اور انقلاب کی راہ ہموار کرتے ہیں، اسکے حق میں پروپیگنڈہ اور پرچار کرتے ہیں اور اسکے جواز کی راہیں تلاش کرکے عوام کو انہیں کے حکمرانوں کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک کتاب ہے جس کا نام اسئلہ الثورہ یعنی انقلاب و بغاوت کے بارے میں سوالات ہے جس میں فی الواقع بغاوت کرنے اور اطاعت توڑ کر مسلمانوں کی جماعت میں تفریق ڈالنے پر ابھارنے کی طرف دعوت دی گئی ہے، کچھ ایسے شبہات واعتراضات کو بنیاد کر جنہیں اعدائے اسلام کی کتابوں اور انکے مقالات سے حاصل کئے گئے ہیں، ان دلائل سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے جن میں اطاعت اور جماعت کو لازم پکڑنے کی دعوت دی گئی ہے، بلکہ الٹا ان دلائل کی یا تو تاویل کی گئی ہے یا پھر ان میں تحریف سے کام لیا گیا ہے۔

لیکن اللہ تعالی نے اس کی تردید اور جواب کیلئے ایک ایسے غیور شخص کو کھڑا کر دیا جس نے اس کتاب کے تمام شبہات و اعتراضات اور باطل تاویلات کا جواب دیا ہے اس اس کتاب کے خطرات کو مسلمانوں سے دفع کیا ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب بھی دین حنیف کو نگار نے کی کوشش کی جاتی ہے تو اللہ تعالی ضرور کسی نہ کسی کو کھڑا کر دیتا ہے جو ان جاہلوں اور باطل پرستوں کے تاویل اور شبہات کا جواب دیتے ہیں۔

چنانچہ اس کتاب کے پوسٹ مارٹم کیلئے شیخ فہد بن سلیمان بن ابراھیم الفہید تیار ہوئے اور "الجنایہ علی الاسلام فی کتاب اسئلۃ الثورہ" کے نام سے جواب دیا، اللہ آپ کو اس کارعظیم پر جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے عمل و عمل میں برکت دے، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ

صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ

رکن کبار علماء کمیٹی

۱۸/۲/۱۴۳۴ھ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين، وبعد:

یقینا اللہ تعالی نے اس دنیا کو دار الابتلاء اور امتحان گاہ بنایا ہے، فتنوں اور آزمائشوں سے دو چار کرتا ہے تاکہ اچھے بروں کا پتہ چل جائے، کون صبر کرنے والا مومن بندہ ہے اور کون بے صبرا، کون وحی الہی کے مطابق چلنے والا اور کون اس سے اعراض کرنے والا ہے، کون حق پر باقی رہتا ہے اور گمراہیوں اور فتنوں میں گرنے والا، ارشاد باری تعالی ہے: (وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ) ترجمہ: اور ان میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دے دے اور مجھے فتنے میں نہ ڈال۔ سن لو! وہ فتنے ہی میں تو پڑے ہوئے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔ (التوبہ: ۴۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ) ترجمہ: اللہ کبھی ایسا نہیں کہ ایمان والوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ تمھیں غیب پر مطلع کرے اور لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور متقی بنو تو تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ (آل عمران: ۱۷۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا

وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى[124] قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا[125] قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى) ترجمہ: اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ [124] کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا۔ [125] وہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تُو انھیں بھول گیا اور اسی طرح آج تو بھلا یا جائے گا۔ (طہٰ:۱۲۶)۔

اس آزمائش کے ظاہری امور میں سے بعض مسلم میں چل رہے وہ فتنے اور داخلی خلفشار اور بغاوت ہے جسکی وجہ سے قتل وخونریزی کا بازار گرم ہے، حرمتوں کو پامال کیا جارہا ہے، مال و دولت کو لوٹا جارہا ہے، انارکی اور خانہ جنگی کا ماحول ہے، بدامنی اور خوف و ہراس کا دور دورہ ہے، ہر طرف جاہلیت کے نعرے لگائے جارہے ہیں۔

ان فتنوں اور آزمائشوں کا سب سے بڑا سبب خود فتنوں کے داعی اور بغاوت و انقلاب پت ابھارنے والے منافقین ہیں، جو شریعت کا نام لیکر لا دینی مغربی جمہوریت کے دلدادہ ہیں وہ جمہوریت جو گمراہی اور الحاد پر مشتمل ہے، جو قرآن وسنت کا دشمن ہے، انتشار و بغاوت کا محرک ہے، جسکا فساد اور بگاڑ واضح ہو جانے کے باوجود بھی منافقین امت اسے مسلمانوں کے سامنے مزین بنا کر پیش کر رہے ہیں، اور اب بھی مسلمانوں کو وسوسہ میں ڈال رہے ہیں کہ اگر اس جمہوریت پر ایمان لے آؤ گے تو ابدی سعادت سے بہرہ ور ہو جاؤ گے، اس طرح یہ دشمنوں کے آلہ کار بن کر فتنوں کی آگ بھڑکاتے رہے یہاں تک کہ خود اس فتنے کا شکار ہو گئے، اور جانے انجانے شیاطین کے معاون و مددگار بنے رہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا

غُرُورًا) ترجمہ: وہ انھیں وعدے دیتا ہے اور انھیں آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انھیں دھوکے کے سوا کچھ وعدہ نہیں دیتا۔(النساء:۱۲۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ) ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو دشمن بنا دیا، ان کا بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کے لیے دل میں ڈالتا رہتا ہے اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔پس چھوڑ انھیں اور جو وہ جھوٹ گھڑتے ہیں۔ (الانعام:۱۱۲)۔

دکتور سلمان عودہ کی کتاب اسئلۃ الثورہ سے مطلع ہوا جس کا نام ضلالات الثورہ زیادہ مناسب ہے، جس میں پایا کہ بغاوت اور انقلاب کے حق میں دلائل پیش کیئے گئے ہیں، اور اس پر ابھارا گیا ہے، اور اس کے علاوہ بھی دین اسلام اور مسلمانوں پر کئی ایک زیادتیاں میں نے دیکھی جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱-نفاذ شریعت کو ہلکا بنا کر پیش کیا گیا ہے، صرف شریعت کی بالا دستی جیسے الفاظ پر اکتفا کیا گیا ہے، فضول شبہات کو بنیاد بنا کر نفاذ شریعت کو موخر کرنے کیلئے جواز پیش کیا گیا ہے، بلکہ نفاذ شریعت سے لوگوں کو خوفزدہ کیا گیا ہے، بلکہ نفاذ شریعت کو ایک محال شیء کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اسکے مقابلے اور بدلے میں ایسے دستور سازی کی دعوت دی گئی ہے جو ملک کے تمام باشندوں کے موافق ہو، جس میں فاسق و فاجر، اہل بدعت اور کفار سب کیلئے جگہ ہو۔

اسی طرح شبہات کی بنیاد پر حدود ترک کردینے کو دلیل بنا کر شرعی حدود کے عدم نفاذ کی

صراحت کی گئی ہے، اور دعوی کیا گیا کہ ایسے شبہات کبھی کسی فرد کیلئے ہوتے ہیں اور کبھی پورے سماج کیلئے!

اس کتاب میں اس شخص کوطعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے جو زانی اور جادو گر پر حدود کے نفاذ کا مطالبہ کرتا ہے، اور یہ گمان کیا ہے کہ اس وقت جو شریعت کا نفاذ ہو رہا ہے جو حالات وظروف کے مناسب نہیں ہے، اور یہ کماحقہ فقہ اسلامی کے مطابق نہیں ہے۔

۲-اس کتاب میں جمہوری نظام کو بہتر بنا کر دکھایا گیا ہے، اور یہ گمان کیا گیا ہے اس جمہوری نظام کے ذریعے اگر قوم کسی غیر مسلم کو اپنا سربراہ چن لے تو یہ نظام میں کسی خامی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قوم کے اختیار میں خامی ہوئی ہے!!

اسلام کے اصول واحکام کو لوگوں کے آراء واقوال پر پیش کیا ہے، جسے وہ قبول کریں اسے لیا جائے گا اور جسے وہ قبول نہ کریں اسے رد کر دیا جائے گا! اور یہ عذر پیش کر دیا جائے گا کہ اگر قوم شریعت ہی کو اختیار نہ کرے تو اس میں جمہوری نظام کی کوئی غلطی نہیں ہے بلکہ یہ تو قوم کی غلطی ہے!

۳-یورپین مفکر ژاں ژاک روسو کے نظریہ معاہدہ عمرانی social contract کو پسندیدہ نظام بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

(افراد اور ریاست کے درمیان یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں افراد اپنے کچھ اختیارات سے محروم ہو کر اجتماعی حکومت کو قبول کرتے ہیں اور حکومت اس کے بدلے عوام کی بہتری کے کام کرتی ہے۔ژاں ژاک روسو نے معاہدہ عمرانی نامی کتاب میں اس حوالے سے اصول وضع کیے ہیں۔مترجم)۔

یہ ایک فاسد مغربی نظریہ ہے جس کے اندر فساد اور بگاڑ کی بہت ساری قسمیں ہیں جن میں سے

چند کا ذکر درج ذیل ہے:

-اس میں یہ وضاحت ہیکہ حاکم کے انتخاب کیلئے تمام رعایا کی رضامندی ضروری ہے، اس بنیاد پر غلبہ اور تسلط والی حکومت صحیح نہیں ہوگی۔

-اس میں یہ بھی صراحت ہے کہ حاکم کا انتخاب بطور نیابت ہوگا نہ کہ بطور تفویض، اس بنیاد پر یہ انتخاب قابل فسخ ہے، رعایا جب چاہے گی اسے ہٹا دے گی، اور اگر چاہے تو چار یا پانچ سال کی مدت بھی متعین کر دے۔

-اس بات کی وضاحت کہ حکومت شہری ہوگی، اس میں دین کا کوئی دخل نہیں ہوگا، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ دینی حکومت جبری اور استبدادی ہوتی ہے جسے دینی جبر و استبداد کہتے ہیں!

۴-اس کتاب کے اندر دبے لفظوں میں لا دینیت (سیکولرازم) کی تائید کی گئی ہے، اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ کسی ملک کیلئے مناسب ہے اور کسی کیلئے نہیں، اور یہ اس وقت مقبول ہوگا جب اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ حاصل ہو!

سوچنے کی بات ہے کہ مصنف نے دین وعقیدے کے تحفظ کی بات نہیں کی یے بلکہ اقلیتوں کے تحفظ کی بات کی ہے! بلکہ مصنف کے نزدیک واجب ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر پاکیزہ جمہوری سطح پر دستور سازی کی جائے۔ اور مقصد ایک سیکولر جمہوری شہری حکومت کا قیام ہو جس میں وطن اور قوم کو بالا دستی حاصل ہو۔

مصنف نے سیاست کے اندر دینی دخل اندازی کرنے سے روکا ہے، اس طرح مصنف نے کمنسٹوں کو بہترین تحفہ دیا ہے کہ سیاست کے اندر دین کو کوئی دخل نہیں ہے۔

آخر میں مصنف نے اسلام پسندوں کو نصیحت کی ہے کہ حکومت سازی کے اسی منہج کو اختیار کریں،

اس پر غلبہ اور تسلط حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

۵۔مصنف کا دعوی ہے کہ امت کی ترقی میں پورے رعایا کا ہاتھ ہوتا ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، اور اسی بنیاد پر مصنف نے آزادی ادیان واعتقاد کو درست ثابت کیا ہے، اور ببانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ حکومت میں جمہوری قانون کو بالا دستی حاصل ہو جو تمام اقوام کے مطابق ہو، جس میں تعددیت اور اختلاف کو قبول کرنے کی گنجائش ہو، جس میں نصاری، لبرل اور کمنسٹ ،شیعہ اور دیگر اقوام کیلئے جگہ موجود ہو بایں طور کہ ان سب کو سیاست اور حکومت میں جگہ ملے، اور اسلامی حکومت کے اندر سب ملکر امت کی قیادت کریں!

اس کیلئے یہ دلیل دی ہیکہ عہد نبوی میں مدینہ کے اندر متعدد اقوام اور ادیان کے ماننے والے ملک کی قیادت میں شامل تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی قیادت اور ترقی میں منافقین اور اہل کتاب کو ساتھ رکھا تھا، بلکہ کفار ومشرکین اور منافقین سب کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متفقہ حاکم اعلی تصور کئے جاتے تھے اور سب کیلئے انصاف کرتے تھے!

۶۔مصنف نے ایک یہودی مصنف کی کتاب کی تشہیر کی ہے جس میں بغاوت اور انقلاب پر ابھارا گیا ہے اور اسکے وسائل وذرائع سے آگاہی کی گئی ہے، گویا مصنف قارئین سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم کو اپنے ملک میں بغاوت کرنا ہے تو اسکے وسائل سے آگاہی کیلئے یہودی کی اس کتاب کی طرف رجوع کرو۔

ساتھ ہی مصنف نے امامت کبری، حکومت اور ولایت سے متعلق امور میں کافر فلاسفہ کے اقوال وآراء سے بہت ساری جگھوں پر استدلال کیا ہے جبکہ نصوص وحی سے اعراض کیا ہے اور ذکر بھی کیا ہے تو بہت سارے نصوص کے معانی میں تحریف کے ساتھ۔

۷-مصنف نے ضروریات خمسہ کے علاوہ بھی کچھ ضروریات کا اضافہ کیا ہے جبکہ اس طرف آج تک کسی بھی معتبر عالم دین نے اشارہ تک نہیں کیا ہے، جیسے عدل و انصاف، آزادی، حقوق کا تحفظ، زندگی کا خیال کرنا، عزت انسانی اور بشری معاشرے کا تحفظ۔

اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اگر حکومت صرف انہیں ضروریات کو نافذ کردے تو گویا شریعت کی تنفیذ ہوگئی، گرچہ وہ تمام شرعی احکام کو نافذ نہ کرے، گویا حاکم کو یہ اجازت مرحمت کر رہے ہیں کہ تفصیلی احکام کے نافذ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے مزید نئی ضروریات کو پیش کرنے انہیں دین کی طرف منسوب کردیا ہے۔

۸-مصنف نے سنت نبویہ پر زیادتی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ سنت رسول کے اندر خلافت اور حکومت کے مسائل کو نہیں چھیڑا گیا ہے۔ اور جہاں تک عہد نبوی کا تعلق ہے تو اس وقت حکومت لامرکزیت کے زیادہ قریب تھی۔

اسی طرح مصنف نے خلفائے راشدین پر بھی زیادتی کی ہے، یہ کہتے ہوئے کہ اس وقت حکام کو جمہوری طریقے سے منتخب کیا جاتا تھا، اور خلفائے راشدین کے عمل کو ایک تجربہ کہا ہے جس کا تکرار اور اعادہ ممکن نہیں ہے بایں طور کہ انہیں کا منہج اور طریقہ ہر زمانے میں لاگو نہیں کیا جاسکتا!

مصنف نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے والی بغاوت کا بھی ذکر کیا ہے اور اس بغاوت کا سبب یہ بتایا ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دورانیہ لمبا ہوگیا تھا، اسی لئے لوگوں نے انکے خلاف بغاوت کی تھی!

اور مصنف نے کہا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خود یہ پسند کیا تھا کہ انہیں شہید کیا جائے!

اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ آپ نے حالات وظروف کا استغلال کرکے

اموی سلطنت کی بنیاد کیلئے راہ ہموار کر دی اور خلافت راشدہ کے عہد زریں کو ختم کر دیا۔

۹۔مصنف نے منہج سلف پر چلنے والے علمائے امت کی مذمت کی ہے بلکہ انکا مذاق اڑایا ہے کیونکہ انہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں حکومت کے اصول وضوابط کو واضح کیا ہے اور حاکم متغلب کو بھی شرعی حاکم تصور کیا ہے، لیکن مصنف نے اسے فارسی تہذیب سے متاثر بتلایا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ فقہ اسلامی میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اپنی طرف سے فقہ الثورات کی اصطلاح نکالی ہے کہ ایسے حاکم کو انقلاب کے ذریعے ہٹایا جائے۔اور اس طرز کو کسروی طریقہ بتلایا ہے کہ اس طرح کے جتنے مسلم ملوک تھے سب کسروی طریقہ پر تھے۔

۱۰- ایک طرف مصنف نے علمائے اسلام اور فقہائے امت کی مذمت کی ہے اور دوسری طرف کافر فلاسفہ کے آراء واقوال پر بھروسہ کرتے ہوئے انہیں کے ثابت کردہ نظام کا پرچار کیا ہے، اور اس باب میں مصنف نے د/محمد جابری کے فکر وفلسفے پر کلی اعتماد کیا ہے جو کہ ایک کمنسٹ، قوم پرست فلسفی کے طور پر جانا جاتا ہے، اسماعیلی باطنیہ فرقوں کا دفاع کرنے میں معروف ہے!

اس طرح مصنف نے اپنی اس کتاب (أسئلة الثورہ) کے اندر بہت ساری جگہوں پر شرعی مخالفت کی ہے اور بعض شرعی دلیلوں کے معنی میں تحریف بھی کر ڈالی ہے، مثال کے طور پر اللہ کا یہ قول:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ:اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ

اچھا ہے۔(النساء:۵۹)۔

اس آیت کا مفہوم بتلاتے ہوئے کہا کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہیکہ کسی غیر جانبدار قانونی شعبے کی طرف رجوع کیا جائے یا کسی ایسے باہم گفتگو کی طرف جو اختلاف کو ختم کردے!

یہ مصنف کی طرف سے بدترین تحریف ہے جس کا بطلان عنقریب آئے گا۔

کتاب پڑھنے سے لگتا ہے کہ مصنف نفسیاتی طور پر غضبنا کی کا شکار ہے، اسی لئے بغاوت اور انقلاب پر کتاب لکھنے بیٹھ گیا، انقلاب و بغاوت کا خواب دیکھتے ہوئے، اسی لئے کتاب کے اندر جا بجا بلا د اسلام اور علمائے اہل سنت پر طعن و تشنیع کیا ہے اور باغیوں اور انقلابیوں کے خوابوں کو پورا کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب کو بڑے ہی محتاط طور پر شرعی دلائل سے محروم رکھا ہے اور بہت ہی ضرورت کے وقت انکا ذکر کیا ہے، اسی طرح علمائے اہل سنت کے اقوال وآراء سے بھی محروم رکھا ہے۔

سلمان عودہ نے اپنی کتاب کے اندر خطرناک امور کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے مسلمانوں کی جماعت میں انتشار اور خلفشار پیدا ہو اور یہ پوری کوشش کی ہے کہ مسلم ملکوں میں بغاوت اور انقلاب کی راہیں ہموار ہوں، اسکے لئے خوارج اور معتزلہ کے تمام شبہات و اعتراضات کا سہارا لیا ہے، اور ضرورت پڑنے پر شرعی دلائل کے معنی میں تحریف بھی پیدا کر ڈالی ہے تا کہ خروج و بغاوت کیلئے راہ ہموار ہو سکے۔

حالانکہ ایک مسلم کاتب ہونے کے ناطے یہ واجب تھا کہ ماضی کی بغاوتوں اور انقلابوں سے

نصیحت حاصل کر کے اصول وضوابط طے کرتے، خروج و بغاوت سے ہونے والے فتنوں اور تباہیوں سے عبرت پکڑ کر صبر کی تلقین کرتے، مسلمانوں کو گناہوں سے توبہ کرنے کی دعوت دیتے، کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے اور شریعت پر چلنے اور اسے نافذ کرنے کی ہدایت کرتے، اور تمام معاملات زندگی میں سلف امت کے منہج کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے، بغاوت کی دعوت نہ دیکر مسلمانوں کو آپسی نصیحت کرنے اور شرعی طریقے سے رعایا اور حکام کے درمیان حقوق وفرائض کی وضاحت کرتے ہر ایک کو صحیح عقیدہ اور منہج اختیار کرنے پر ابھارتے اور ایسے گناہوں سے دور رہنے کی دعوت دیتے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔

آخر میں اپنے تمام دینی بھائیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان گمراہیوں کے تئیں محتاط رہیں کیونکہ اس وقت ان گمراہیوں کی طرف دعوت دینے والے بہت سے لوگ میدان میں آچکے ہیں، اور یہ کہ اپنے دین وعقیدے اور منہج کی حفاظت کریں، نفس پرستوں کا ہر ممکن طریقے سے مقابلہ کریں اور کسی بھی ایسی بات پر خاموش نہ رہیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہو، حق کو پہچان کر اس پر عمل کریں خواہ وہ خواہشات نفس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، لوگوں کے اقوال وآراء کیلئے کتاب وسنت کو معیار بنائیں نہ کہ کتاب وسنت کیلئے لوگوں کے اقوال وآراء کو۔

چنانچہ انہیں مذکورہ امور اور ان کے علاوہ جب میں نے دیکھا کہ اس کتاب کی خوب پذیرائی ہو رہی ہے جس میں جاہلی بغاوتوں کیلئے راہ ہموار کیا گیا ہے تو مناسب سمجھا کہ اس کے خلاف قلم کو حرکت دی جائے اور لوگوں کو حقیقت حال سے واقف کرایا جائے، بغاوت اور انقلاب کی اصلیت واضح کی جائے، اور لوگوں کو اس تباہ کن راہ سے دور رکھا جائے، کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے اور مسلمانوں کی جماعت اور ان کے حاکم کو لازم پکڑنے کی دعوت دی جائے، اور یہ واضح کیا جائے کہ یہی وہ حق ہے

جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں اور یہی اہل سنت والجماعہ کا منہج ہے، اور اسی میں رعایا اور حکام سب کیلئے خیر خواہی اور بھلائی ہے، تا کہ ممکنہ قتل وخونریزی اور املاک کی تباہی سے ملک کو بچایا جائے۔

ممکن ہے میری اس کوشش سے مصنف کے منہج اور اسکے غیر شرعی مقصد سے لوگ آگاہ ہو جائیں اور اس کتاب کے اندر جو فساد اور بگاڑ پوشیدہ ہے اسکی حقیقت سے متعارف ہو جائیں تا کہ اس سے بچنے میں آسانی ہو، میں نے اس کوشش کا نام (الجنایہ علی الاسلام فی کتاب اسئلۃ الثورہ) رکھا ہے، اور اس کتاب کے اندر میں نے پہلے د۔سلمان عودہ کی کتاب سے کلام کو نقل کیا ہے پھر اس پر میں نے اپنی طرف سے وضاحت پیش کی ہے۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو فتنوں اور شر وفساد سے دور رکھے، ہمارے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرے، شر پسندوں کی کوششوں کو ناکام کرے، ہمیں حق اور ہدایت پر قائم رکھے، انہ سبحانہ جواد کریم، وھو حسبنا ونعم الوکیل، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، والحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ

د/ فہد بن سلیمان بن ابراھیم الفھید

۱۱/ ۱۲/ ۱۴۳۳ھ

مشعر منی، مکہ مکرمہ

اسلام میں انقلاب و بغاوت کا حکم

انقلاب و بغاوت جسکے لئے عربی میں ثورہ کا لفظ مستعمل ہے، یہ لفظ شریعت میں کہیں بھی وارد نہیں ہوا ہے، بلکہ شریعت میں قتال، جہاد، منازعہ، منابذہ بالسیف اور خروج جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

سو یہ "ثورہ" کا لفظ جسے ہم دور حاضر میں بہت سن رہے ہیں دین اسلام کے اندر کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا، بلکہ یہ لفظ فرانسیسی بغاوت کے وقت استعمال کیا گیا ہے، اسی سے متاثر ہو کر ایران میں رافضی مجوسی خمینی بغاوت کیلئے بھی اسی لفظ کا استعمال کیا گیا، اسی طرح ان عربی لا دینی بغاوتوں کیلئے بھی اسی لفظ کا استعمال کیا گیا تھا جو تقریبا پچاس سال پہلے عرب مما لک میں پھوٹ پڑے تھے۔ اسی طرح یہ ایسا لفظ ہے جو متعدد معنوں کا متحمل ہے۔

جب کہ شرعی اعتبار سے ایک مسلم حاکم خواہ وہ نیک ہو یا بد، اسکے خلاف بغاوت اور انقلاب بالکل جائز نہیں ہے، بلکہ غیر معصیت میں سمع وطاعت واجب ہے، اور مشروع طریقے سے اسے نصیحت اور دعوت حق بھی واجب ہے۔

اور اگر حاکم کافر ہے تو اسکے خلاف مشروع طریقے سے جہاد کرنا ہے نہ کہ انارکی اور غیر شرعی طریقے سے بغاوت کرنا، اور یہ جہاد اہل حل وعقد اور اہل علم کی طرف رجوع کر کے ہوگا اور انہیں شروط کی روشنی میں جن پر کتاب وسنت کے دلائل دلالت کرتے ہیں، جیسے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جب تم کفر صریح کو دیکھ لو اور تمہارے پاس اللہ کی طرف سے اس پر حجت و برہان ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۷۰۹)۔

اسی طرح اسے ہٹانے کی قدرت بھی ہو نیز اسکی جگہ اس سے بہتر اور صالح ولائق کوئی شخص بھی

ہو، ساتھ میں مصالح ومفاسد کی رعایت اور نتائج پر نظر بھی رہے۔

اس تعلق سے چند دلائل درج ذیل ہیں:

١-صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَّا ذَلِكَ؟، قَالَ: تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے بعد حق تلفی ہوگی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم برا جانو گے۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر ایسے وقت میں جو رہے اس کو آپ کیا حکم کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ادا کرو اس حق کو جو تم پر ہے (یعنی اطاعت اور فرمانبرداری) اور جو تمہارا حق ہے اس پروردگار سے مانگو (کہ اللہ اس کو ہدایت کرے یا اس کو بدل کر عادل حاکم تم کو دے دے)۔ (صحیح بخاری: ٧٠٥٢، وصحیح مسلم: ١٨٤٣)۔

٢-صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، الَّذِي قُلْتَ لَهُ: إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَدْ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيدًا وَقَدْ مَاتَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّارِ، قَالَ:" فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ

أَنْ يَرْتَابَ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذْ قِيلَ إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ وَلَكِنَّ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدًا، فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ، فَقَالَ:" اللَّهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى بِالنَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق جو اپنے کو مسلمان کہتا تھا' فرمایا کہ یہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو وہ شخص (مسلمانوں کی طرف) بڑی بہادری کے ساتھ لڑا اور وہ زخمی بھی ہو گیا۔ صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ آج تو وہ بڑی بے جگری کے ساتھ لڑا ہے اور (زخمی ہو کر) مر بھی گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی وہی جواب دیا کہ جہنم میں گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا' کہ ممکن تھا کہ بعض لوگوں کے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو جاتا۔ لیکن ابھی لوگ اسی غور و فکر میں تھے کہ کسی نے بتایا کہ ابھی وہ مرا نہیں ہے۔ البتہ زخم کاری ہے۔ پھر جب رات آئی تو اس نے زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' اور انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ مسلمان کے سوا جنت میں کوئی اور داخل نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ کبھی اپنے دین کی امداد کسی فاجر شخص سے بھی کرا لیتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۰۶۲، صحیح مسلم: ۱۱۱)۔

۳- صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ ، قَالَ: " إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي، أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الأَطْرَافِ، وَأَنْ أُصَلِّيَ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، فَإِنْ أَدْرَكْتَ الْقَوْمَ وَقَدْ صَلَّوْا، كُنْتَ قَدْ أَحْرَزْتَ صَلَاتَكَ، وَإِلَّا كَانَتْ لَكَ نَافِلَةً ".

ترجمہ: سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے دوست (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں حاکم کی بات سنوں اور اس کا کہا مانوں اگرچہ ایک ہاتھ پیر کٹا ہوا غلام ہو اور یہ کہ میں اپنے وقت پر نماز پڑھوں پھر اگر لوگوں کو پاؤ کہ وہ نماز پڑھ چکے تو تو نے اپنی نماز پہلے ہی محفوظ کر لی اور نہیں تو وہ تیرے لئے نفل ہو گئی (یعنی جو دوبارہ ان کے ساتھ پڑھی)۔ (صحیح مسلم: ۶۴۸)۔

۴- صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ قال سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ”جو شخص اپنا ہاتھ نکال لے اطاعت سے وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہو گی اور جو شخص مر جائے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہو گی۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۵۱)۔

۵- صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: " مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص حاکم کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دے پھر وہ مرے تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۱۸۴۸)۔

۶- صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا، فَمَاتَ عَلَيْهِ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے حاکم سے بری بات دیکھے وہ صبر کرے کیونکہ جو کوئی بادشاہ سے بالشت بھر جدا ہو پھر مرے اسی حالت میں، اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی۔ (صحیح بخاری: ۷۰۵۳، صحیح مسلم: ۱۸۴۹)۔

۷- صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: " عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان پر سننا اور ماننا واجب ہے (حاکم کی بات کا) خواہ اس کو پسند ہو یا نہ ہو مگر جب حکم کیا جائے گناہ

کا تو نہ سننا چاہیئے نہ ماننا چاہیئے۔"(صحیح بخاری:۲۹۵۵،صحیح مسلم:۱۸۳۹)۔

۸-صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ، وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تجھ پر لازم ہے سننا اور اطاعت کرنا (حاکم کی بات کا) تکلیف اور راحت میں، خوشی اور رنج میں اور جس وقت تیرا حق اور کسی کو دیں (یعنی اگرچہ حاکم تمہاری حق تلفی بھی کریں اور جو شخص تم سے کم حق رکھتا ہو اس کو تمہارے اوپر مقدم کریں تب بھی صبر اور اطاعت کرنی چاہیئے اور فساد کرنا اور فتنہ پھیلانا منع ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا: یہ اطاعت اسی صورت میں ہے جب حاکم کا حکم خلاف شرع نہ ہو اور اگر شرع کے خلاف ہو تو اطاعت نہ کرے)۔(صحیح مسلم:۱۸۳۶)۔

۹-صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: " سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَجَذَبَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ، وَقَالَ: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ".

ترجمہ: علقمہ بن وائل حضرمی سے روایت ہے، انہوں نے سنا اپنے باپ سے کہا کہ سلمیٰ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا نبی اللہ! اگر ہمارے امیر ایسے مقرر ہوں جو

اپنا حق ہم سے طلب کریں اور ہمارا حق نہ دیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا پھر پوچھا: جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا تو اشعث بن قیس نے سلمہ رضی اللہ عنہ کو گھسیٹا اور کہا: "سنو اور اطاعت کرو ان پر ان کے عملوں کا بوجھ ہے اور تم پر تمہارے اعمال کا۔" (صحیح مسلم: ۱۸۴۶)۔

۱۰۔ صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَلَّامٍ، قَالَ: قَالَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ: " قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا بِشَرٍّ فَجَاءَ اللَّهُ بِخَيْرٍ فَنَحْنُ فِيهِ، فَهَلْ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْخَيْرِ شَرٌّ؟، قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: هَلْ وَرَاءَ ذَلِكَ الشَّرِّ خَيْرٌ؟، قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: فَهَلْ وَرَاءَ ذَلِكَ الْخَيْرِ شَرٌّ؟، قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: كَيْفَ؟، قَالَ: يَكُونُ بَعْدِي أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَايَ، وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِي، وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ، قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ؟، قَالَ: تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ ".

ترجمہ: سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم برائی میں تھے پھر اللہ نے بھلائی دی، اب اس کے بعد بھی کچھ برائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" میں نے کہا: پھر اس کے بعد بھلائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" میں نے کہا پھر اس کے بعد برائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" میں نے کہا: کیسے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے بعد وہ لوگ حاکم ہوں گے جو میری راہ پر نہ چلیں گے، میری سنت پر عمل نہیں کریں گے، اور ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطان کے سے اور بدن

آدمیوں کے سے ہوں گے۔" میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس وقت میں کیا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تو ایسے زمانہ میں ہو تو سن اور مان حاکم کی بات کو اگر چہ وہ تیری پیٹھ پھوڑے اور تیرا مال لے لے پر اس کی بات سنے جا اور اس کا حکم مانتا رہ۔" (صحیح مسلم: ۱۸۴۷)۔

۱۱- صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ ".

ترجمہ: سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور برے حاکم تمہارے وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔" لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسے برے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں جب تک وہ نماز کو تم میں قائم کرتے رہیں اور جب تم کوئی بات اپنے حاکموں سے دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔" (یعنی بغاوت نہ کرو)۔ (صحیح مسلم: ۱۸۵۵)۔

۱۲- صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَن أَبي※ رَيرَ※، عَن النَّبيِّ صَلَّ※ اللَّ※ عَلَيِ※ وَسَلَّمَ، قَال: "مَن أَطَاعَني فَقَد أَطَاعَ اللَّ※ وَمَن يَعصِني فَقَد عَصَ※ اللَّ※، وَمَن يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَد أَطَاعَني، وَمَن يَعصِ الأَمِيرَ فَقَد عَصَانِي"،

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو کوئی اطاعت کرے حاکم کی (جس کو میں نے مقرر کیا) اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔" (صحیح بخاری: ۲۹۵۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۵)۔

۱۳- صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی عامل بنایا جائے جس کا سر منقی کی طرح چھوٹا ہو۔" (صحیح بخاری: ۷۱۴۲)۔

۱۴- صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَقُلْنَا حَدِّثْنَا: أَصْلَحَكَ اللَّهُ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللَّهُ بِهِ، سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: دَعَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَايَعْنَاهُ، فَكَانَ

فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا، "أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ".

ترجمہ: جنادہ بن امیہ سے روایت ہے، ہم سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ بیمار تھے۔ ہم نے کہا: بیان کرو ہم سے (اللہ تعالیٰ تم کو اچھا کرے)۔ ایسی کوئی حدیث ہے جس سے اللہ فائدے دے اور جس کو تم نے سنا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ انہوں نے کہا ہم کو بلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہم نے آپ سے بیعت کی اور آپ نے جو عہد لیے ان میں یہ بھی بتایا کہ ہم بیعت کرتے ہیں بات سننے اور اطاعت کرنے پر خوشی اور ناخوشی میں، سختی اور آسانی میں اور ہماری حق تلفیاں ہونے میں اور یہ ہم جھگڑا نہ کریں گے اس شخص کی خلافت میں جو اس کے لائق ہو" مگر جب کھلا کفر دیکھیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس حجت ہو۔" (صحیح بخاری: ۱۷۹۹، صحیح مسلم: ۱۷۰۹)۔

۱۵- صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ، وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا، وَلَا يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص حاکم کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دے پھر وہ مرے تو اس کی موت جاہلیت

کی سی ہو گی اور جو شخص اندھے جھنڈے کے تلے لڑے (جس لڑائی کی درستی شریعت سے صاف صاف ثابت نہ ہو) غصہ ہو قوم کے لحاظ سے یا بلاتا ہو قوم کی طرف یا مدد کرتا ہو قوم کی اور اللہ کی رضامندی مقصود نہ ہو، پھر مارا جائے تو اس کا مارا جانا جاہلیت کے زمانے کا سا ہو گا اور جو شخص میری امت پر دست درازی کرے اور اچھے اور بروں کو ان میں کے قتل کرے اور مؤمن کو بھی نہ چھوڑے اور جس سے عہد ہوا ہو، اس کا عہد پورا نہ کرے تو وہ مجھ سے علاقہ نہیں رکھتا اور میں اس سے تعلق نہیں رکھتا۔" (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے۔) (صحیح مسلم: ۱۸۴۸)۔

۱۶-سنن ترمذی کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْحَارِثَ الْأَشْعَرِيَّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللَّهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ: السَّمْعُ، وَالطَّاعَةُ، وَالْجِهَادُ، وَالْهِجْرَةُ، وَالْجَمَاعَةُ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرْجِعَ، وَمَنِ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ؟ قَالَ: وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ، فَادْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الَّذِي سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ".

ترجمہ: سیدنا حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" میں بھی تمہیں ان پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے (۱) بات سننا (۲) (سننے کے بعد) اطاعت کرنا (۳) جہاد کرنا (۴) ہجرت کرنا (۵) جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹا (علیحدہ ہوا) اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے باہر نکال پھینکا۔ مگر یہ کہ پھر اسلام میں واپس آ جائے۔ اور جس نے جاہلیت کا نعرہ لگایا تو وہ جہنم کے ایندھنوں میں سے ایک

ایندھن ہے۔ (یہ سن کر) ایک شخص نے پوچھا: اللہ کے رسول! اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں۔ اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔ تو تم اللہ کے بندو! اس اللہ کے پکار کی دعوت دو جس نے تمہارا نام مسلم ومومن رکھا"۔ (سنن ترمذی: ۲۸۶۳)۔

۱۷- مسند احمد کے اندر وارد ہوا ہے:

عن فَضَالَةَ بْن عُبَيْدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا تَسْأَلْ عَنْهُمْ رَجُلٌ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَعَصَى إِمَامَهُ وَمَاتَ عَاصِيًا وَأَمَةٌ أَوْ عَبْدٌ أَبَقَ فَمَاتَ وَامْرَأَةٌ غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا قَدْ كَفَاهَا مُؤْنَةَ الدُّنْيَا فَتَبَرَّجَتْ بَعْدَهُ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُمْ۔

ترجمہ: سیدنا فضالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین آدمیوں کے متعلق کچھ نہ پوچھو ایک تو وہ آدمی جو جماعت سے جدا ہو جائے اپنے امام کی نافرمانی کرے اور اسی حال میں فوت ہو جائے دوسرے وہ باندی یا غلام جو اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جائے اور اسی بھگوڑے پن کے زمانے میں مر جائے اور تیسرے وہ عورت جس کا شوہر موجود نہ ہو وہ اس کی تمام دنیوی ضرورت میں اس کی کفایت کرتا ہو اور وہ اس کے پیچھے دور جاہلیت کی طرح اپنی جسمانی نمائش کرنے لگے ان کے متعلق کچھ نہ پوچھو۔ (مسند احمد: ۲۳۹۴۳)۔

۱۸- صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَرْفَجَةَ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ ".

وفی روایة: " إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ، فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ " ۔

ترجمہ: سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ "جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک شخص کے اوپر جمع ہو۔ وہ چاہے تم میں پھوٹ ڈالنا اور جدائی تو اس کو مار ڈالو۔"

اور ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: "قریب ہیں فتنے اور فساد پھر جو کوئی چاہے اس امت کے اتفاق کو بگاڑنا تو اس کو تلوار سے مارو چاہے جو کوئی بھی ہو۔" (صحیح مسلم: ۱۸۵۲)۔

۱۹- صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ ".

ترجمہ: نافع سے مروی ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خادموں اور لڑکوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر غدر کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت، اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے

اور میرے علم میں کوئی غدر اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اس سے جنگ کی جائے اور دیکھو مدینہ والو! تم میں سے جو کوئی یزید کی بیعت کو توڑے اور دوسرے کسی سے بیعت کرے تو مجھ میں اور اس میں کوئی تعلق نہیں رہا، میں اس سے الگ ہوں۔ (صحیح بخاری: ۷۱۱۱، صحیح مسلم: ۱۷۳۵)۔

۲۰۔صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ كَانَ لَهُ فَضْلُ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ فَمَنَعَهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ، وَرَجُلٌ أَقَامَ سِلْعَتَهُ بَعْدَ الْعَصْرِ ". فَقَالَ: وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ، لَقَدْ أَعْطَيْتُ بِهَا كَذَا وَ كَذَا، فَصَدَّقَهُ رَجُلٌ، ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا سورة آل عمران آية ،،.

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین طرح کے لوگ وہ ہوں گے جن کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر بھی نہیں اٹھائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں ضرورت سے زیادہ پانی ہو اور اس نے کسی مسافر کو اس کے استعمال سے روک دیا۔ دوسرا وہ شخص جو کسی حاکم سے بیعت صرف دنیا کے لیے کرے کہ اگر وہ حاکم اسے کچھ دے تو وہ راضی رہے ورنہ خفا ہو جائے۔ تیسرے وہ شخص جو اپنا (بیچنے کا) سامان عصر کے بعد لے کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اس اللہ کی قسم

جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، مجھے اس سامان کی قیمت اتنی اتنی مل رہی تھی، اس پر ایک شخص نے اسے سچ سمجھا (اور اس کی بتائی ہوئی قیمت پر اس سامان کو خرید لیا) پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمنا قليلا) "جو لوگ اللہ کو درمیان میں دے کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر دنیا کا تھوڑا سا مال مول لیتے ہیں" آخر تک۔ (صحیح بخاری: ۲۳۵۸، صحیح مسلم: ۱۰۸)۔



*علمائے امت کے بعض اقوال حکام کی اطاعت کے وجوب پر جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دیں، اور انکے خلاف خروج و بغاوت کی حرمت گرچہ ان سے ظلم وجور صادر ہو:

-امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اہل سنت والجماعہ کے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:
ہمارے نزدیک اصول سنت یہ ہیکہ اسی منہج کو لازم پکڑنا چاہیئے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ قائم تھے اور انہیں کی پیروی کرنا چاہیئے۔

یہاں تک کہ کہا: اسی میں سے یہ بھی ہے کہ حکام اور امیر المومنین کی سمع وطاعت کی جائے خواہ وہ نیک ہو یا بد، چنانچہ جو خلافت پر متمکن ہو جائے اور لوگ اس پر جمع ہو جائیں اور اس سے راضی بھی ہو جائیں، یا طاقت کے بل پر خلیفہ بن جائے اور اسے امیر المومنین کہا جانے لگے تو اس کی بھی اطاعت واجب ہے۔

حکام کے ساتھ جہاد قیامت تک جاری رہے گا، خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اسی طرح مال غنیمت کی تقسیم اور حدود کا قیام بھی اسی کے ذمہ ہے۔

کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان پر طعن و تشنیع کرے یا ان سے لڑائی کرے۔

زکاۃ انہیں کے حوالے کیا جائے گا اور وہ نافذ ہوگا، انکے حوالے کر دینا کافی ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔

جمعہ کی اسی کے پیچھے یا اسکے نائب کے پیچھے ہی پڑھی جائے گی، اور وہی کافی ہے، اعادے کی ضرورت نہیں ہے، جو اعادہ کرتا ہے وہ بدعتی ہے، سنت کا مخالف ہے، اسے جمعہ کی کوئی فضیلت نہیں

ملے گی اگر وہ حکام کے پیچھے جمعہ کو جائز نہیں سمجھے گا خواہ وہ حکام نیک یا ہوں بد۔

ایسے حاکم کے خلاف جس پر مسلمان مجتمع ہو گئے خواہ رضامندی سے یا تسلط کے ذریعے، ایسے حاکم کے خلاف اگر کوئی خروج کرے تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے باہر ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا مخالف ہو گا، اور اگر اسی خروج پر مر جائے تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہو گی، چنانچہ سلطان سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اسکے خلاف خروج کرنا، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ بدعتی سنت رسول اور منہج سلف کا مخالف ہے۔(شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی: ۱/ ۱۶۰)۔

آپ نے مزید کہا کہ یہی اہل علم، اہل اثر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر آج تک تمام اہل سنت کا یہی مذہب ہے، میں نے علمائے شام اور علمائے حجاز سب کو اسی مذہب پر پایا ہے، چنانچہ جو اسکی مخالف کرے یا از پر طعن و تشنیع کرے یا اسکے قائلین پر نقطہ چینی کرے وہ بدعتی اور جماعت سے خارج ہے، منہج سنت اور راہ حق سے دور ہے۔

اور آگے مزید کہا کہ سلطان کی سمع وطاعت کرو، اسکی بیعت نہ توڑو، کیونکہ ایسا کرنے والا بدعتی، سنت کا مخالف اور جماعت کا توڑنے والا ہے، اور اگر حاکم تمہیں معصیت کا حکم دے تو اسکی اطاعت نہ کرو مگر اسکے خلاف خروج بھی نہ کرو اور نہ ہی اسکا حق روکو۔(طبقات الحنابلہ لابی یعلی: ۱/ ۲۴)۔

* امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ حجاز، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، واسط، بغداد، شام اور مصر کے ہزاروں اہل علم سے میری ملاقات ہوئی ہے، بہتوں سے بار بار ملاقات ہوئی ہے، کسی نے ان میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت نہیں کی ہے، پھر آپ نے کچھ چیزوں کا ذکر کیا جن میں سے یہ بھی تھا کہ ہم حکام کی مخالفت نہ کریں کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ

عَلَيْهِنَّ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ وَطَاعَةُ ذَوِي الْأَمْرِ وَلُزُومُ الْجَمَاعَةِ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تَكُونُ مِنْ وَرَائِهِ) ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کر سکتا۔(۱) عمل میں اخلاص، (۲) حکمرانوں کے لئے خیر خواہی (۳) جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا کیونکہ جماعت کی دعا اسے پیچھے سے گھیر لیتی ہے۔

مزید اسکی تاکید اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔(النساء:۵۹)۔

اور وہ امت مسلمہ پر تلوار اٹھانے کا قائل نہ ہو۔

اور امام فضیل رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ فلاں دعا میری مقبول ہے تو میں اسے حاکم کیلئے خاص کر دوں گا، اسلئے کہ جب حاکم کی اصلاح ہوگی تو اس سے وطن اور اللہ کے بندے سب امن سے رہیں گے۔(شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی:۱/ ۱۷۲)۔

* ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے والد اور ابو زرعہ سے اصول دین سے متعلق اہل سنت والجماعہ کے بارے میں سوال کیا اور یہ کہ ان دونوں نے علماء کو کیسے پایا اور یہ کہ ان دونوں کا کیا اعتقاد ہے؟ تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم نے حجاز، عراق، شام اور یمن کے تمام علماء کو پایا، ان کا مذہب یہی تھا۔۔۔۔ پھر انہوں نے کچھ چیزوں کو گنایا پھر کہا: جہاد اور حج فرض ہے مسلمانوں کے حکام کے ساتھ ہر جگہ اور ہر زمانے میں، اور یہ کہ ہم حکام کے خلاف خروج کے قائل نہیں ہیں، اور نہ ہی فتنوں کے وقت قتال کے قائل ہیں، اور اللہ جسے ہمارا حاکم بنا دے اسکی ہم سمع

وطاعت کریں گے، طاعت سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے، سنت اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑیں گے، شذوذ، اختلاف اور گروہ بندی سے اجتناب کریں گے، اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر قیامت تک مسلم حکام کے ساتھ جہاد جاری رہے گا، اسے کوئی چیز باطل نہیں کرسکتی، اسی طرح حج بھی جاری رہے گا، اسی طرح زکاۃ بھی حاکم کے پاس جمع کیا جائے گا۔ (اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی: ۱ / ۱۷۶)۔

* سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آدمی کو کیسے ہو کہ وہ اہل سنت والجماعہ میں سے ہے؟ تو کہا کہ جب وہ اپنے اندر دس خصلتیں دیکھ لے: وہ جماعت کو ترک نہ کرے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی پر سب وشتم نہ کرے، اس امت پر تلوار لیکر خروج نہ کرے، نہ ہی تقدیر جھٹلائے اور نہ ہی ایمان میں شک کرے، نہ ہی دین میں جھگڑا کرے گناہوں کی بنیاد پر مسلمانوں کا جنازہ ترک نہ کرے، اور نہ ہی موزے پر مسح کرنے کو ترک کرے، اور نہ ہی حاکم کے پیچھے جماعت کو ترک کرے خواہ وہ نیک ہو ظالم ہو یا عادل۔ (شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی: ۱ / ۱۸۳)۔

* ابو محمد عبداللہ بن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ نے کہا کہ مسلمانوں کے اولو الامر علماء اور امراء کی اطاعت واجب ہے۔ (قطف الجنی الدانی شرح مقدمۃ ابن ابی زید القیروانی ص ۱۶۷)۔

* حرب کرمانی نے کہا کہ اگر سلطان آپ کو کسی معصیت کا حکم دے تو ایسی صورت میں اسکی اطاعت نہیں ہے، لیکن اسکے خلاف خروج بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی اسکا حق روک سکتے ہیں۔ (السنہ فی مسائل حرب، ص ۳۴)۔

* امام مزنی رحمہ اللہ نے کہا کہ حاکم کی اطاعت واجب ہے ان امور میں جن سے اللہ راضی ہو،

اور اجتناب کیا جائے گا ان امور سے جن سے اللہ ناراض ہو، حکام کے ظلم و زیادتی کے وقت خروج و بغاوت نہیں کیا جائے گا بلکہ اللہ کی رجوع کیا جائے گا اور اس سے اصلاح کی دعا کی جائے گی تا کہ حاکم رعایا کیلئے نرم گوشہ اختیار کرے۔(شرح السنہ للمزنی ص ۸۶)۔

* امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرنا ہمارا عقیدہ نہیں ہے، گرچہ وہ ظلم و زیادتی کریں، ان کی اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے، انکی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کا حصہ سمجھ کر فرض مانتے ہیں جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں، اور انکے لئے ہم اصلاح و عافیت کی دعا کریں گے۔(شرح العقیدہ الطحاویہ ص ۳۸۶)۔

* امام تیمی اصفہانی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ سنت میں سے ہے کہ حکام سلاطین کی اطاعت کی جائے بایں طور کہ انکے خلاف بغاوت نہ کی جائے گرچہ وہ ظلم و زیادتی کریں، انکی سمع وطاعت کی جائے گرچہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، انکے ساتھ حج اور جہاد کیا جائے، جمعہ جماعت اور عیدین ہر حاکم کے پیچھے ادا کی جائے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔

اور آخر میں کہا کہ ان باتوں پر بہت سارے علمائے اہل سنت کی کتابیں دلالت کرتی ہیں جیسے: کتاب السنہ لعبد اللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ، کتاب السنہ لابی مسعود وابی زرعہ وابی حاتم، کتاب السنہ لعبد اللہ بن محمد بن نعمان، کتاب السنہ لابی عبد اللہ بن محمد بن یوسف البنا الصوفی، انکے اور دیگر لوگوں کی کتابیں جیسے ابو احمد العسال، ابو اسحق ابراہیم بن حمزہ الطبرانی، ابو الشیخ۔(

مزید کہا کہ یہ فصل اہل سنت والجماعہ کے اعتقاد سے کے بارے میں ہے، حاکم کی اطاعت

واجب ہے، بلکہ تاکیدی احکام میں سے ہے، کتاب وسنت میں اسکا ذکر وارد ہوا ہے، البتہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔

* امام ابو اسماعیل صابونی رحمہ اللہ نے کہا کہ اصحاب الحدیث کے نزدیک جمعہ اور جماعت ادا عیدین وغیرہ ہر مسلم حاکم کے پیچھے جائز ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد، انکے ساتھ کفار سے جہاد کرنا جائز ہے، انکے لئے اصلاح اور توفیق کی دعا کریں گے، خروج و بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، گرچہ وہ انکی طرف سے ظلم وزیادتی دیکھیں، باغی گروہ سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ حاکم عادل کی طرف رجوع کرلے۔(عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث،ص ۹۲)۔

* ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے کہا کہ اہل سنت والجماعہ کا اتفاق ہیکہ مسلم حکام کی اطاعت واجب ہے۔(رسالہ لاھل الثغر،ص ۲۹۶)۔

* امام نووی نے کہا کہ علماء کا اتفاق ہے کہ حکام کی اطاعت معصیت کے علاوہ میں واجب ہے۔(شرح صحیح مسلم: ۱۲ / ۲۲۲)۔

* شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ علمائے اہل سنت والجماعہ کے یہاں بالکل جائز نہیں ہے کہ حکام کے خلاف خروج و بغاوت کی جائے، انکی نافرمانی کی جائے اور انکے ساتھ خیانت کی جائے۔(۳۵ / ۱۲)۔

مزید کہا کہ اسی لئے اہل سنت والجماعہ کے اصول میں شامل ہیکہ جماعت کو لازم پکڑی جائے، حکام سے قتال نہ کیا جائے، فتنوں میں قتال سے باز رہا جائے، جبکہ معتزلہ وخوارج جیسے نفس پرستوں کے یہاں حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرنا جائز ہے، معتزلہ کے یہاں دین کے پانچ اصول ہیں: توحید جس سے مراد صفات کی نفی ہے، عدل جس سے مراد تقدیر کی نفی ہے، منزلہ بین المنزلتین، وعید کی

تنفیذ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جس سے مراد حکام سے قتال کرنا ہے۔(الاستقامہ:۲/۲۱۵)۔

* ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ امراء وحکام کے خلاف خروج و بغاوت کر کے نکیر کرنا ہر برائی اور فتنے کی جڑ ہے، صحابہ نے ان حکام کے خلاف قتال کرنے کی اجازت مانگی تھی جو نماز کو ان کے اوقات سے موخر کر دیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر دیا یہ کہہ کر کہ جب تک وہ نماز قائم کریں اس وقت تک انکے خلاف قتال نہیں کر سکتے ہیں، اور مزید کہا کہ اگر کوئی اپنے حاکم کی طرف سے کوئی مکروہ چیز صادر ہوتے ہوئے دیکھے تو اس پر صبر کرے اور اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔

ماضی میں جو کچھ مسلمانوں پر اندورنی طور سے فتنے پیدا ہوئے اور انکی وجہ سے انہیں تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا وہ اسی اصول کے نہ اپنانے اور منکر پر صبر نہ کرنے کی وجہ سے ہوا، کہ اس منکر کو ختم کرنے کیلئے نکلے تو اس سے بھی بڑا منکر اور فتنہ پیدا ہوگیا، آپ غور کریں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے اندر بڑے بڑے منکرات دیکھتے تھے مگر انکے بدلنے اور ان پر نکیر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، لیکن جب مکہ فتح ہوگیا اور وہ دارالاسلام میں شامل ہوگیا تو پورے بیت اللہ ہی کو نئے سرے سے تعمیر کا ارادہ کرلیا مگر قدرت کے باوجود آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ لوگوں کے نئے نئے اسلام میں آنے کی وجہ سے بڑے منکرات کا احتمال تھا، یہی وجہ ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام کی برائیوں پر ہاتھ سے نکیر کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، کیوں کہ اس سے پہلے کے مقابلے کہیں بڑے منکرات کا خدشہ ہے۔(اعلام الموقعین:۳/۴)۔

* حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ ابن بطال نے کہا کہ فقہاء کا اتفاق ہیکہ سلطان متغلب کی اطاعت بھی واجب ہے، اسکے ساتھ بھی جہاد کیا جائے گا، اس کی اطاعت اسکے خلاف خروج و بغاوت کرنے سے بہتر ہے، کیوں کہ اس میں مسلمانوں کے خون کی حفاظت ہے۔(فتح الباری:۱۳/۷)۔

*علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ نے کہا کہ جو حاکم کی اطاعت سے روکے وہ سخت سزا کا مستحق ہے، کیوں کہ یہ بڑے حرام کا مرتکب ہے، فتنوں کے بھڑکانے کا داعی ہے، اسکی وجہ سے معصوم جانوں کا ضیاع ہے، حرمتوں کی پامالی ہے، حاکم کی اطاعت سے ہاتھ کھینچنا ہے، جب کہ صحیح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے حاکم کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی، اور جو اس حال میں مرجائے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ رہ رہا ہو تو اسکی وہ موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (السیل الجرار المتدفق علی حدائق الازھار: ۴ / ۵۱۴)۔



*بعض معاصر علمائے ربانیین کے اقوال:

* شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگوں کا گمان ہیکہ جو حکام معاصی اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں وہ انکے خلاف بغاوت اور خروج کا موجب ہے، تاکہ حکومت میں تبدیلی لائی جائے، گرچہ اس سے ملک میں مسلمانوں کو کچھ نقصان اٹھانا پڑے، اور عالم اسلام کے اندر مسلمانوں پر ویسے بھی پریشانیوں کی کمی نہیں ہے، اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔ (النساء: ۵۹)۔

یہ آیت حکام کی اطاعت پر نص قاطع ہے، کیونکہ اولو الامر سے مراد علماء اور امراء ہیں، اور سنت رسول کے اندر اسکی وضاحت وارد ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہیکہ یہ وطاعت واجب ہے، بلکہ یہ بھی ایک فریضہ ہے، معروف کاموں میں انکی اطاعت واجب ہے معاصی میں نہیں، چنانچہ جب وہ معاصی کا حکم کریں گے تو اس وقت انکی اطاعت نہیں کی جائے گی، البتہ انکے خلاف خروج و بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے: (مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ") ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "جو شخص اپنا ہاتھ نکال لے اطاعت سے وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہوگی اور جو شخص مر جائے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی۔" (صحیح مسلم: ۱۸۵۱)۔

صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: " مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص حاکم کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دے پھر وہ مرے تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۱۸۴۸)۔

صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا، فَمَاتَ عَلَيْهِ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے حاکم سے بری بات دیکھے وہ صبر کرے کیونکہ جو کوئی بادشاہ سے بالشت بھر جدا ہو پھر مرے اسی حالت میں، اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی۔ (صحیح بخاری: ۷۰۵۳، صحیح مسلم: ۱۸۴۹)۔

صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: " عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان پر سننا اور ماننا واجب ہے (حاکم کی بات کا) خواہ اس کو پسند ہو یا نہ ہو مگر جب حکم کیا جائے گناہ کا تو نہ سننا چاہیئے نہ ماننا چاہیئے۔" (صحیح بخاری: ۲۹۵۵، صحیح مسلم: ۱۸۳۹)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے حکام آئیں گے جو معروف و منکر ہر قسم کے افعال انجام دیں گے تو صحابہ نے عرض کیا کہ اس وقت ہم کیا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم انکے حقوق ادا کرتے رہنا اور اپنے حقوق اللہ سے طلب کرنا۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا أَصْلَحَكَ اللَّهُ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللَّهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ قَالَ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ

ترجمہ: سیدنا جنادہ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عبادہ بن صامت کے پاس حاضر ہوئے اور وہ بیمار تھے ہم نے کہا اللہ آپ کو تندرست کرے ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کریں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور اللہ اس کے ذریعہ نفع عطا فرمائے تو انہوں نے کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور جن امور کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے بیعت کی وہ یہ تھے ہم نے بات سننے اور اطاعت کرنے کی بیعت کی کہ اپنی خوشی اور ناخوشی میں تنگی اور آسانی میں اور ہم پر ترجیح دیئے جانے پر اور اس بات پر کہ ہم حکام سے جھگڑا نہ کریں گے سوائے اس کے کہ ہم واضح دیکھیں اور تمہارے پاس اس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکام سے قتال کرنا اور انکے خلاف خروج و بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ کفر صریح کا ارتکاب کریں، کیونکہ خروج و بغاوت سے فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور بدامنی اور خوف و ہراس کا دور دورہ ہوتا ہے، لوگوں کے حقوق ضائع ہوجاتے ہیں، نہ ظلم کو روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی مظلوم کی مدد ہوتی ہے۔

اسی لئے علماء نے کفر صریح کے ارتکاب کے وقت بھی خروج پر یہ شرط لگائی ہے کہ اسے ہٹانے کی طاقت ہو، اور خروج سے مزید منکر اور فساد لازم نہ آئے اور جس میں مصلحت عامہ کی رعایت ہو، کیونکہ یہ قاعدہ ہیکہ کسی ایسے منکر کو مٹانا جائز نہیں ہے جس کی وجہ سے اس سے بھی بڑے منکر کے پیدا ہونے کا احتمال ہو، اس لئے کہ کسی شر کو اس سے بڑے شر کے ذریعے ختم کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں واجب ہیکہ صبر کریں، اور معروف ہیں سمع وطاعت کریں، حکام کو مشروع طریقے سے نصیحت کریں، انکے لئے دعائے خیر کریں، شر کو کم کرنے اور اسے ختم کرنے کی کوشش کریں، خیر

کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، اسی میں مسلمانوں کی مصلحتیں ہیں، اللہ سے توفیق اور ہدایت کی درخواست ہے۔

اسکے بعد آپ سے سوال کیا گیا کہ شیخ یہ تو اسلامی اصول ہے،لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں مسلمانوں کی رسوائی اور فکری شکست ہے،اسی لئے وہ نوجوانان امت کو بغاوت پر اکساتے ہیں؟

شیخ نے جواب دیا کہ ایسا سوچنے والے کی قلت فہم اور جہالت پر دلالت کرتا ہے، یہ دراصل غیرت اور حماس میں کہہ رہا ہے اسے انجام اور نتائج کا علم نہیں ہے جس طرح خوارج نے کیا، کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر گناہ کبیرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر کردی اور انکے خون کو حلال کردیا یہ بھی حق سے محبت اور نصرت کی چاہت میں ہے مگر یہ غلط ہے، بلکہ گمراہی ہے، کیونکہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ اسے حلال نہ سمجھے، یہاں تک کہ وہ اپنے اسی غیرت اور غلو کی وجہ سے گمراہ اور منحرف ہو گئے بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے بارے میں کہا کہ وہ دین سے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتی ہے، اسی طرح فرمایا کہ یہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

اسلئے نوجوانوں کو چاہئے کہ ان خوارج کی تقلید نہ کریں، بلکہ واجب ہیکہ وہ اہل سنت والجماعہ کے منہج پر قائم رہیں، اور نصوص کے ساتھ باقی رہیں، لہذا معصیت کی وجہ سے خروج و بغاوت بالکل جائز نہیں ہے، ہاں انہیں شرعی طریقے سے نصیحت کی جائے گی، خواہ یہ آمنے سامنے ہو یا خط وکتابت کے ذریعے ہو تاکہ برائیاں کم ہوں اور خیر کے کام زیادہ ہوں۔ حکام کیلئے دعائے خیر کریں کہ اللہ انہیں ترک معاصی اور اقامت حق کی توفیق عطا فرمائے اور استقامت پر قائم رکھے۔ (المعلوم فی واجب العلاقة بین الحاکم والمحکوم، ابن باز، ص ۷)۔

*علامہ عبداللہ بن محمد بن حمید (ت ۱۴۰۲ھ) رحمہ اللہ نے ولی عہد فیصل بن عبدالعزیز کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جولوگ اپنے حکمرانوں کے خلاف ہوتے ہیں وہ دراصل دین کے خلاف ہوتے ہیں گرچہ وہ بظاہر دین پسندی کا مظاہرہ کریں، اسلئے کہ فی الواقع انہیں امور کا ارتکاب کررہے ہوتے ہیں جن سے انہیں اسلام منع کرتا ہے، کیونکہ شارع نے کہا کہ جومسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت بھی نکل جائے اوراسی حال میں مرجائے تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔مزید فرمایا کہ جس نے مسلمانوں کے حاکم کی تذلیل کی اللہ اسکی تذلیل کرے گا۔مزید فرمایا کہ سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

چنانچہ جواسلام کی مدد ونصرت کا بہانہ بنا کر حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرے وہ جھوٹا ہے، اگروہ سچاہوتا تو اسے جاکرنصیحت کرتا تاکہ انکے اندر اصلاح ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ تم پر کچھ ایسے حاکم حکومت کریں گے جومعروف اور منکرسب کا ارتکاب کریں گے، اس پر صحابہ نے کہا کہ کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز قائم کریں۔

یہی دراصل حکام اور رعایا کے درمیان اسلامی سیاست ہے، کیونکہ خروج و بغاوت سے مزید فتنے پیدا ہوتے ہیں، خوف و ہراس اور قتل وخونریزی کا بازار گرم ہوتا ہے، املاک کی تباہی اور بدامنی کا دور دورہ ہوتا ہے، دشمن مسلط ہوجاتے ہیں، جیسا کہ بہت سارے عرب ملکوں میں دیکھا گیا کہ ہر انقلاب و بغاوت کے بعد دسیوں ہزارلوگوں کی جانیں گئیں جیسا کہ مصر، عراق، سیریا، یمن اور جزائر میں ہوا۔

اور چونکہ حکومت اور دین دونوں کا ایک دوسرے سے گہرا ربط ہے، ایک کی کمزور ہونے سے

دوسرے کی کمزوری لازم آتی ہے، اور ایک کے طاقتور ہونے سے دوسرے کی مضبوطی لازم آتی ہے، اس لئے حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ دین کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، اسکی حفاظت اور ہر باطل سے محفوظ رکھیں، بطور خاص آپ جیسے لوگ کہ اس وقت سرزمین پر آپ کے خاندان کے سوا کوئی ایسا حکمراں خاندان نہیں ہے جس سے دین کی نصرت اور مدد کی امید کی جا سکے، اور عالم اسلام کے مسلمانوں کے مطمح نظر بھی آپ ہی لوگ ہیں، اور کیوں نہ ہوں جبکہ آپ ہی لوگ حرمین شریفین کے محافظ ہیں، جو کہ تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے، امید ہیکہ جیسے آپ کے اسلاف دین وتوحید کی حفاظت کے محافظ تھے اور توحید کے جھنڈے کو ہمیشہ بلند رکھا اسی طرح آپ بھی ہوں گے۔ (الدرر السنیہ فی الاجوبۃ النجدیہ: ۱۵/ ۲۷)۔

یہ چند اہل علم کے اقوال تھے، تمام اقوال کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔



* ایک اہم تنبیہ:

اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہیکہ حکام کو نصیحت کرنا واجب ہے، اسی طرح ان پر نکیر کرنا بھی واجب ہے مگر اسکے درجات ہیں، کبھی حاکم کے سامنے نکیر کی جاتی ہے، جیسا کہ ترمذی کی روایت کے اندر وارد ہوا ہے، اور کبھی چپکے سے نکیر کی، اور اسی میں خیر کی امید زیادہ ہے۔ بطور خاص ان لوگوں پر زیادہ واجب ہے جو حکام کے ساتھ رہتے ہیں۔

اسی طرح اہل سنت والجماعہ کا یہ بھی عقیدہ ہیکہ حکام کیلئے خیر و اصلاح کی دعا کی جائے، اور یہ بھی انکے لئے نصیحت کے باب سے ہے۔

اس کے مقابلے میں حکام پر بھی واجب ہیکہ وہ نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو سنیں اور اگر وہ حق کے موافق ہو تو اسے قبول کریں، اور اگر کوئی جہالت، غلطی یا تاویل کی وجہ سے بے محل اور بیجا نصیحت کرے تو اسکے ساتھ نرمی کا سلوک کریں۔

اسی طرح اہل سنت والجماعہ کا یہ بھی عقیدہ ہیکہ حکام کے ساتھ جھوٹ نہ بولا جائے، انکے ساتھ خیانت نہ کی جائے اور اسی طرح انکے ظلم کو جائز نہ ٹھہرایا جائے، جیسا کہ اکثر وہ لوگ کرتے ہیں جن کا مقصد سوائے دنیا کے کچھ نہیں ہوتا۔

اسی لئے حکام پر واجب ہیکہ وہ ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ رکھیں جو خیر خواہ اور سچے ہوں، جو توحید اور کتاب وسنت کے علم میں معروف ہوں، عقل و دانشمندی اور حکمت کا پیکر ہوں، اور ایسے لوگوں کو دور رکھیں جو شر و فساد کا مرقع ہوں، جو آخرت کے بدلے دنیا کو ترجیح دیتے ہوں۔



کتاب کے ہدیہ کرنے میں مصنف کی نئی ایجاد!

مصنف نے ص ۹ پر کہا:

(یہ ہدیہ ہے جنت کے سبز پرندوں کی خدمت میں،،شہداء کی روحوں کی خدمت میں،،جن کیلئے کوئی محفل قائم نہیں کی گئی کیونکہ انہوں نے اپنی جانوں کو نچھاور کردیا،،اوران مجاہدین کی خدمت میں جوشہادت کے منتظر ہیں جوعدل وانصاف کے نظاموں پر فکرمند ہیں اورانقلاب پسندوں کے خوابوں کو پورا کرنے کے فراق میں ہیں)۔

تبصرہ:

کتاب کے آغاز میں مصنف نے اپنے عمل اور کتاب کوشہداء کی روحوں اور دوسروں کی خدمت میں پیش کیاہے جن میں جنت کے سبز پرندے بھی شامل ہیں!

نیک عمل وہی ہے جو خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو،اورساتھ میں سنت رسول کے موافق بھی ہو، نیکیوں اوراچھے اعمال کو مردوں کو ہدیہ کرنااورانہیں بخشنے کولیکر کافی اختلاف ہے،جس میں راجح یہی ہے کہ صرف انہیں اعمال پر اکتفا کیا جائے جن کی سنت رسول کے اندرصراحت وارد ہوئی ہے، جیسے دعاء،صدقہ،حج وعمرہ،اوراس وقت جب کوئی نیک عمل ہو،لیکن جہاں تک اس کتاب" أسئلۃ الثورہ" کا تعلق ہے تو یہ کوئی نیک عمل نہیں ہے؛ کیونکہ یہ کتاب قرآن وسنت کے خلاف ہے،صحابہ اورتابعین کے منہج کے مخالف ہے،جسکی تفصیلی وضاحت اگلے صفحات میں آئے گی ان شاءاللہ۔

اورجہاں تک جنت کے سبز پرندوں کا تعلق ہے تو انکے حق میں کسی عمل کو ہدیہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں۔

اور جہاں تک شہداء کی روحوں کا تعلق ہے تو اگر ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں شرعی جھنڈے تلے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوتے ہیں، تو وہ خیر ورحمت میں ہیں، اس طرح کے بدعتی اور غیر شرعی اعمال سے وہ بے نیاز ہیں۔

اور اگر ان شہداء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کرتے ہیں اور ملک کے اندر فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کرتے ہوئے یا تو خود کو ہلاک کر لیتے ہیں یا ہلاک کر دیئے جاتے ہیں تو ایسے شر پسندوں اور فسادیوں کو شہداء کہا ہی نہیں جائے گا کیونکہ ان کا عمل ہی نہیں صحیح ہے۔

اور اگر ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مظلومانہ طور پر قتل کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ جو اپنی جان بچانے کی خاطر قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے۔ (سنن ابی داود: ۴۷۷۳) ۔تو ایسے لوگوں کو بھی یہ سنت مخالف بدعتی عمل کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ (اور ان مجاہدین کی خدمت میں جو شہادت کے منتظر ہیں جو عدل و انصاف کے نظاموں پر فکرمند ہیں اور انقلاب پسندوں کے خوابوں کو پورا کرنے کے فراق میں ہیں)۔

تو قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ انقلاب پسندوں کے کئی درجات ہیں: یہ انقلابی اور باغیانہ ذہن والے کافر اور منافق بھی ہوتے ہیں، یا فاجر و فاسق ہوتے ہیں، یا بڑے بڑے مجرمین ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے خوابوں کو پورا کرنے کیلئے وہی شخص بیتاب ہوسکتا ہے جس کا ایمان کمزور ہو یا جو خارجی ذہنیت والا دین سے نکلا ہوا ہو، ایک مومن بندہ اللہ کے ان دشمنوں کے مجرمانہ خوابوں اور شر پسندانہ آرزوؤں کو پورا کرنے کیلئے بالکل کوشاں نہیں ہوسکتا۔

دراصل کتاب کے آغاز میں قارئین کے سامنے اس طرح کے جذباتی بیانیے اور تحریکی کلام کو رکھ کر ان کے عاطفہ اور انسانی جذبات کو گرم کرنا مقصود ہے تاکہ قتل وخونریزی اور فتنہ وفساد کو بھی آدمی نیک عمل، جہاد اور شہادت کے روپ میں دیکھنے لگے، حالانکہ ایسے سنگین امور میں جذبات سے کھیلنے کی نہیں بلکہ دلائل و براہین کی ضرورت ہوتی ہے۔



*کتاب کے افتتاحی کلمات میں مغالطے:

مصنف نے ص ۱۱ پر کہا:

(افتتاحیہ: ایسی کوئی چیز پائی نہیں جاتی جو انقلاب و بغاوت پر ابھارنے والی ہو، یہ تو خود خطرات سے گھرا ہوا ہے، بلکہ یہ امر مقدر کی طرح ایک وقت آ کر رہتا ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا، یہ وہ وقت ہوتا ہے جب سنجیدہ بنیادی اصلاح کی ساری کوششیں مشکل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح انقلاب و بغاوت کا کوئی داعی نہیں ہوتا، ظلم وستم، فساد، پچھڑا پن اور فقر ومحتاجگی ہی انقلاب و بغاوت کیلئے کافی ہوتی ہے، انقلاب و بغاوت کا کوئی مرتب ومدبر نہیں ہوتا، اور نہ ہی لوگ اسکی پلاننگ کرتے ہیں، بلکہ یہ اچانک پھوٹ پڑتا ہے، جب کہ اصلاح کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، اور عدل وانصاف کی تمام کارروائیاں ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہیں، سختی وزیادتی کو روا رکھا جاتا ہے، سنجیدہ اصلاح کا ز قربانی کا محتاج ہے، نہ کہ محض خسارہ، کیونکہ یہی وہ افضل ترین راہ ہے جس کی خاطر انقلاب و بغاوت کیلئے کوششیں ہوتی ہیں)۔

تبصرہ:

یہ افتتاحیہ مغالطے اور بدیہی امور کے انکار پر مشتمل ہے، کیونکہ انقلاب و بغاوت کے باقاعدہ معلوم داعی اور مدبر و پلانر ہوتے ہیں جو مالی طور پر انقلابیوں کی مدد کرتے ہیں، کچھ داعی ہوتے ہیں جو انہیں اکساتے اور ابھارتے ہیں۔

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ (یہ امر مقدر کی طرح ایک وقت آ کر رہتا ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا) تو اسکا جواب یہی ہے کہ ایسے حالات میں مومنوں کو شرعی طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے رب

سے دعا کریں کیوں کہ صرف دعا ہی تقدیر کو ٹال سکتی ہے، اور تقدیر کی وجہ سے ایک مومن ایسے مشروع اعمال و اسباب کو ترک نہیں کرے گا جن سے شر و رو فتن دور ہوں۔

اور مصنف کا یہ کہنا کہ (اس طرح انقلاب و بغاوت کا کوئی داعی نہیں ہوتا) تو یہ ایک مغالطہ اور واضح امور کا صریح انکار ہے، کیونکہ سب یہ جانتے ہیں کہ انقلابات و بغاوت کیلئے باقاعدہ مالی امداد کرنے والے اور ابھارنے والے داعی ہوتے ہیں، اور بہت سے اسکی تائید کرنے والے بھی ہوتے ہیں، اور انقلاب و بغاوت کے داعی یہی چاہتے بھی ہیں، کہ اس بغاوت کو پہلے ایک عوامی تحریک کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور جب اسکی وجہ سے ملکی نظام تہس نہس ہو کر ختم ہو جاتا ہے تو یہی داعی اپنے اپنے سوراخوں سے نکلتے ہیں، تاکہ اقتدار پر قبضہ کریں۔

اور مصنف کا جہاں تک یہ کہنا کہ (ظلم وستم، فساد، پچھڑاپن اور فقر و محتاجگی ہی انقلاب و بغاوت کیلئے کافی ہوتی ہے) تو یہ بالکل غلط ہے، بلکہ یہ ایسی مجمل اور عام بات ہے جو بالکل غیر مقبول ہے، کیونکہ جہاں تک فقر و محتاجگی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (فَوَاللَّهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ) ترجمہ: اللہ کی قسم! فقیری کا مجھے تم پر ڈر نہیں لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ کہیں دنیا تم پر کشادہ ہو جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی پھر ایک دوسرے سے حسد کرنے لگو جیسے پہلے لوگوں نے حسد کیا تھا اور ہلاک کر دے تم کو جیسے ان کو ہلاک کیا تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۶۱)۔

آپ دیکھیں گے کہ اس حدیث کے اندر فقر و محتاجگی کو مسائل کی بنیاد نہیں بنایا گیا ہے بلکہ دنیا

طلبی میں کشادگی اور اسکی لذتوں میں ڈوبنے اور شہوات نفسانی کی پیروی کو بنیاد بنایا گیا ہے، اور واقع حال اس پر گواہ ہے۔

اور جہاں تک ظلم وستم کا تعلق ہے تو اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ " أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَلَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي كَمَا اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا؟، فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ ".

ترجمہ: سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک انصاری نے علیحدہ ہو کر کہا مجھ کو حاکم کر دیجئے جیسے آپ نے فلاں شخص کو حکومت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے بعد تمہاری حق تلفی ہوگی تو صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے ملو حوض کوثر پر۔" (صحیح مسلم: ۱۸۴۵)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم وزیادتی اور حق تلفی کو خروج و بغاوت کا سبب نہیں بتایا بلکہ ایسے حالات میں صبر کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس نبی کا حکم ہے جو اپنی امت پر حد درجہ شفیق و رحیم ہے۔

اور جہاں تک پچھڑے پن کی بات ہے تو اگر اس سے مراد دنیاوی امور ہیں اور کتاب سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے تو دنیاوی امور کی وجہ سے خروج و بغاوت کرنا حرام ہے، جیسا کہ اس تعلق سے دلائل گزر چکے کہ ایسے حالات میں صبر کیا جائے گا۔

اور اگر اس سے مراد اخروی امور ہیں گرچہ یہ کتاب کی عبارت کی روشنی میں بعید لگتا ہے، تو بھی

مصنف کو معلوم ہونا چاہئے کہ صلاح وتقوی اور اصلاح معاشرہ کی کوئی بھی صورت سنت ہی کی روشنی میں ممکن ہے۔فلاسفہ، قوم پرست، لادینی سیکولر، اور یہود ونصاری نیز دیگر اعدائے اسلام کے کلام اور موشگافیوں سے ممکن نہیں ہے، جن کے اقوال وآراء کو حد درجہ پسندیدگی کے ساتھ مصنف نے پیش کیا ہے۔

میں کہوں گا کہ میرے اور مصنف کے درمیان کتاب اللہ اس سنت رسول ہے، نیز سلف امت کا طریقہ اور منہج ہے، جیسا کہ ایسے امور پر ردومناقشہ کے دوران آئے گا۔

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ (سختی وزیادتی کو روا رکھا جاتا ہے) تو اس میں تفصیل ہے: چنانچہ جہاں تک زنادقہ، ملحدین، شرک وبدعات کے داعی، جادوگر اور شعبدہ باز، فساق وفجار، خوارج اور چور ڈاکوؤں کا تعلق ہے تو ان پر سختی کرنا ضروری ہے، بلکہ مسلمانوں کے حکمرانوں پر واجب ہیکہ وہ باطل اور ان باطل پرستوں کے قلع قمع کیلئے شرعی حدود کو نافذ کریں، اسی ضمن میں چھوٹے بڑے مجرمین بھی شامل ہوں گے۔

اور کبھی یہ سختی اور زیادتی ایسے لوگوں کے ساتھ بھی کی جاتی ہے جو اسکے مستحق نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں اگر یہ اجتہاد کی بنا پر ہو تو پھر اجتہاد کی بنا پر اسکی غلطی معفو عنہ ہوگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے: (إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ) ترجمہ: جب حاکم سوچ کر حکم دے پھر صحیح کرے تو اس کو دو اجر ہیں اور جو سوچ کر حکم دے اور غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۷۱۶)۔

اور اگر یہ سختی اور ظلم وزیادتی کسی ایسے شخص کی طرف سے ہوئی ہو جو اہل اجتہاد میں سے نہیں ہے تو یہ یقینا حرام ہوگا جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ

أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ) ترجمہ: خبردار نہ لینا انکے عمدہ مال، اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں۔ (صحیح مسلم:۱۹)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: " إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ، فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس روپیہ اور اسباب نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مفلس میری امت میں قیامت کے دن وہ ہوگا جو نماز لائے گا، روزہ اور زکوٰۃ لیکن اس نے دنیا میں ایک کو گالی دی ہوگی، دوسرے کو بدکاری کی تہمت لگائی ہوگی، تیسرے کا مال کھالیا ہوگا، چوتھے کا خون کیا ہوگا، پانچویں کو مارا ہوگا، پھر ان لوگوں کو (یعنی جن کو اس نے دنیا میں ستایا) اس کی نیکیاں مل جائیں گی اور جو اس کی نیکیاں اس کے گناہ ادا ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کی برائیاں اس پر ڈالی جائیں گی آخر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔" (صحیح مسلم:۲۵۸۱)۔

اسی طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:(كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ، حَرَامٌ دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ) ترجمہ: مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت اور آبرو۔ (صحیح مسلم:٢٥٤٦)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:(فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ) ترجمہ: تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں (عزتیں) حرام ہیں تم پر جیسے یہ دن حرام ہے، اس شہر میں، اس مہینے میں (جس کی حرمت میں کسی کو شک نہیں ایسے ہی مسلمان کو جان، عزت، دولت بھی حرام ہے اس کا لینا بلاوجہ شرعی درست نہیں) اور قریب تم ملو گے اپنے پروردگار سے وہ پوچھے گا تمہارے عملوں کو۔ (صحیح مسلم:١٦٧٩)۔

یہاں پر تعجب خیز امر یہ ہیکہ مصنف نے ایک طرف سختی اور ظلم وزیادتی کی مذمت کی ہے پھر اسی کو بغاوت اور انقلاب کیلئے جواز کا سبب بنایا ہے، بلکہ اسی کے اندر ایک دوسری جگہ ص ٢٠٦ پر اسی سختی اور ظلم وزیادتی کی تائید کی ہے بلکہ اس کا مطالبہ کیا ہے!! اور یہ اس صورت میں جب کوئی گروہ یا فرد مصنف کے تشکیل کردہ جمہوری پروگرام کی مخالفت کرے، گویا یہی سختی اور ظلم وزیادتی اگر مصنف کے تشکیل کردہ جمہوری پروگرام اور سیکولرازم کے خلاف ہو تو جائز ہے اور اسکے علاوہ وہی سختی استبداد اور مشق ستم ہے!



* پرسکون اور غیر جانبداری کا گمان!

مصنف نے ص ۱۳ پر کہا:

(تمہید: پرسکون اور غیر جانبداری: میں یہ موضوع لکھ رہا ہوں اس ملک یا کسی بھی دوسرے ملک کے خاص وضع قطع سے الگ تھلگ ہو کر؛ اس لئے کہ میں راحت وسکون اور آزادی کی تلاش میں ہوں اور تا کہ کسی بھی مخصوص علاقائی حالات کے بندھنوں سے آزاد رہ سکوں، اور میں کسی ایسے احتساب کے نتائج کا متحمل یا جوابدہ نہیں ہونا چاہتا جسکی بنیاد ایک علمی گفتگو کو کسی خاص حالات وظروف پر محمول کرلیا گیا ہو۔

تبصرہ:

مصنف نے جس غیر جانبداری کا مطلق طور پر دعوی کیا ہے یہ کئی وجوہات سے صحیح نہیں ہے:

پہلی وجہ:

ایک مومن پر واجب ہے کہ وہ حق کے ساتھ رہے، اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے اور وہ منہج ہے جس پر صحابہ اور تابعین قائم تھے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا) ترجمہ: اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقینا وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔ (الاحزاب:۳۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا) ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ (النساء: ۱۱۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (التوبہ: ۱۱۹)۔

چنانچہ ایک مومن حق و باطل دونوں سے الگ تھلگ ہو کر ہمیشہ غیر جانبدار نہیں رہتا ہے بلکہ اسکا جھکاؤ اللہ اور اسکے رسول کے فیصلے کی طرف ہوتا ہے، گرچہ مخالفت کرنے والے اسکی مخالفت کریں اور دشمنی کرنے والے اس سے دشمنی کریں۔

دوسری وجہ:

اہل ایمان مصنف سے نہ تو یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی مخصوص علاقائی حالات کے بندھنوں سے بندھ کر رہے اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ کسی ایسے احتساب کے نتائج کا متحمل یا جوابدہ ہو جسکی بنیاد ایک علمی گفتگو کو کسی خاص حالات وظروف پر محمول کر لیا گیا ہو۔ بلکہ انکا مطالبہ ہیکہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے دلائل نیز سلف امت کے منہج کے تابع رہے، کیوں کہ یہی برحق مذہب ہے اور مملکت سعودی عرب کے اندر یہی مذہب رائج ہے۔

اور مصنف کی جہاں تک یہ چاہت اور خواہش کہ وہ کسی مخصوص علاقائی حالات کے بندھنوں سے

آزاد ہوکر راحت وسکون اور آزادی کے ساتھ رہے،تو مصنف کو معلوم ہونا چاہئے کہ مملکت سعودی عرب کے رہنے والے مسلمانوں کیلئے ایک خاص وضع ہے اور وہ ادکدم ہے جو اہل سنت والجماعہ کے مذہب اور سلف صالح کے منہج پر ہے، لہذا کسی اعتبار سے بھی مصنف کیلئے یہ چھوٹ اور مناسب نہیں ہیکہ نہ تو دین واخلاق کے اعتبار سے اور نہ ہی عقل و منطق کے اعتبار سے کہ وہ اس منہج حق سے آزاد ہو جائے۔

تیسری وجہ:

مصنف کو خود کو اس طور پر پیش کیا ہے کہ وہ پرسکون اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنے والا ہے، جبکہ یہ سراسر دکھاوا اور جعل سازی ہے،اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، أَنَّ امْرَأَةً، قالت: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَقُولُ إِنَّ زَوْجِي أَعْطَانِي مَا لَمْ يُعْطِنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ ".

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ایک عورت نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں (سوتن سے) کہوں کہ خاوند نے مجھے وہ دیا جو اس نے نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو کہے فلاں چیز میرے پاس ہے (لوگوں میں اپنی بڑائی ظاہر کرنے کو غرور سے) اور وہ اس کے پاس نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فریب کے دو کپڑے پہن لے۔“ (صحیح مسلم:۲۱۲۹)۔

کیونکہ جو بھی اس کتاب سے باخبر ہے اسے معلوم ہیکہ کتاب کا مصنف انقلاب و بغاوت کا داعی ہے، حتی کہ خود بندے نے اس کا اقرار کیا ہے۔

چوتھی وجہ:

اعدائے اسلام اور دیگر ملاحدہ کے یہاں یہ مشہور ہیکہ وہ لوگوں سے تلبیس کاری کرتے ہوئے ہمیشہ ہر مسئلے میں غیر جانبداری کا مطالبہ کرتے ہیں یعنی کسی ایک جانب نہ میلان رکھا جائے اور نہ ہی جم کر کسی ایک گروہ کا ساتھ دیا جائے، اس میں دراصل فیصل عقل کو تسلیم کیا جاتا ہے اور وحی و رسالت کو پرے کر دیا جاتا ہے، ملاحدہ نے اس اصول کو اسقدر پروان چڑھایا کہ اسی اصول کی بنیاد پر قرآن وسنت کے اندر تک شکوک وشبہات پیدا کر دیئے۔

لہذا مطلق طور پر ہمیشہ غیر جانبداری کا مطالبہ ایک جھوٹا دعوی اور اعدائے اسلام کا ایک مغالطہ ہے جس کا اکثر منحرف افکار ونظریات کے حاملین کرتے رہتے ہیں۔

جبکہ صحیح بات یہ ہیکہ ایک آدمی ہمیشہ مطلق طور پر غیر جانبدار نہیں رہ سکتا بلکہ اسے یا تو حق کے ساتھ ہونا ہے یا باطل کے ساتھ، اور ایک مومن ہمیشہ حق کے ساتھ ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: پھر اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص: ۵۰)۔

چنانچہ ایک مومن کو اس جھوٹ اور مغالطے سے دھوکے میں نہیں رہنا چاہئے اور یہ جان لے کہ حق متعدد نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف ایک ہے اور وہ وحی الہی کے اندر ہے، جسے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، یہ حق وحی سے تجاوز نہیں کر سکتا، اگر کوئی اسکے برخلاف کہے تو وہ جھوٹا بہتان باز ہے۔

مصنف کا اہل علم وایمان اور سلف امت پر زیادتی

مصنف نے ص ۱۴/ پر کہا:

(منبروں سے کچھ مخصوص نصوص اور اجماعی مسائل پر خوب روشنی ڈالی جاتی ہے مگر دوسرے نصوص اور اجماعی مسائل کو بالکل نظرانداز کردیا جاتا ہے، اپنے اسی اعتقاد کے مطابق جو استدلال سے پہلے ہی بنالیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرشیت کی شرط اور اطاعت حاکم کا مفہوم: چنانچہ جب آپ شروح حدیث میں سے شرح النووی اور فتح الباری کا مطالعہ کریں گے تو وہاں پر ابواب الامامہ کے اندر پائیں گے،،،،،

پھر کچھ اہل علم کے بعد اقوال کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ یہاں جو بھی اجماع نقل کیا گیا ہے وہ اختلاف سے خالی نہیں ہے، چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر ابو حذیفہ کا غلام سالم باحیات ہوتا تو میں اسی کو اپنا جانشین بنادیتا۔

اور سقیفہ کے دن انصار کے موقف سے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان میں سے کچھ لوگوں کی رائے الگ تھی، اور نسب کی شرط تاریخی اعتبار سے زیادہ قریب تر ہے، بایں طور کہ اس وقت عرب قریش کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، بہرحال اہم یہی ہے کہ مناسب اور موضوعی شروط کا اعتبار کیا جائے جیسے کہ عدل وانصاف اور شورائیت کے ساتھ حکمرانی کرنا، اس طرح قاضی عیاض اور نووی وغیرہ کے سابقہ اقوال پس پردہ چلے گئے، شاید کہ کوئی منبر پر یا مقالے میں انہیں ذکر کرتا ہو، وقت جب بات سمع وطاعت سے متعلق کسی مسئلے میں اتفاق اور اجماع کی ہوتی ہے تو کچھ لوگ اسے دہرانے سے نہیں تھکتے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو بدعات کی پیروی کرنے کا طعنہ دیتے ہیں

کہ یہ خوارج اور معتزلہ کے موافق ہیں، اور عام مسلمانوں کے خلاف ہیں، اور یہی کچھ امام نووی نے ایک نص کے ساتھ کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرنے کی بات ہے تو یہ مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ حرام ہے، گرچہ حکام فاسق وفاجر ہوں۔اور اس کی تائید میں بہت ساری حدیثیں موجود ہیں، اور اہل سنت کا اجماع ہے کہ فسق وفجور کی بنیاد پر حاکم معزول نہیں ہوگا،،،،)۔

تبصرہ:

مصنف کے ان دعووں کو درج ذیل نقاط میں رد سکتے ہیں:

پہلا نقطہ:

مصنف نے کہا: (منبروں سے کچھ مخصوص نصوص اور اجماعی مسائل پر خوب روشنی ڈالی جاتی ہے)۔

مصنف نے اپنے اس قول کے ذریعے سلف صالح کے مذہب کو بدنما کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ بالکل مناسب نہیں ہے، کیوں کہ جن لوگوں نے ان حدیثوں کی تخریج کی ہے وہ امت کے امین اور دین کے محافظ ہیں، جیسے کہ امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر اصحاب سنن ومسانید، اسی طرح ائمہ سلف نے بھی ان نصوص کو اعتقاد وسنت کی کتابیں میں نقل کیا ہے، اور انکے معانی کو واضح کیا ہے، اور انہیں نصوص کو بنیاد بنا کر معتزلہ، خوارج اور مرجئہ پر رد کیا ہے۔

چنانچہ سلف صالح اور علمائے راسخین نصوص کے درمیان جمع وتطبیق پیدا کرتے ہیں، ان نصوص کو رد نہیں کرتے، بلکہ تمام نصوص کو ایمان وتصدیق اور علم وعمل کے تئیں کما حقہ ان کا مقام عطا کرتے

ہیں، اس طرح وہ پوری کتاب پر ایمان لاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ) ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے، حالانکہ ان کی اصل مراد نہیں جانتا مگر اللہ اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر جو عقلوں والے ہیں۔ (آل عمران: ۷)۔

تناقض اور یقینی تعارض کج رو اہل باطل کے کلام میں ہوتا ہے، اللہ اور اسکے رسول کے کلام میں نہیں ہوتا، بلکہ ایسا انسان کی کم فہمی یا غلط مقصد کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، یعنی وہ کلام کو یا تو ٹھیک ڈھنگ سے سمجھ نہیں پاتا یا پھر اپنی خواہشات ہی کے مطابق اسے سمجھنا چاہتا ہو، پھر اضطراب اور تناقض کو شرعی دلائل میں ثابت کر دے، تو یہ بہت بڑا ظلم اور زیادتی اور افترا پردازی ہے، چنانچہ وہ نصوص جو بالکل محکم واضح اور صریح ہوتے ہیں جن کے اندر ایک معنی کے سوا کسی بھی دوسرے معنی کا کوئی احتمال نہیں ہوتا انہیں یہ ترک کر دیتے ہیں، اور وہ نصوص جو محتمل اور متشابہ ہوں انہیں کو پکڑ لیتے ہیں، گرچہ وہ انکی مراد کے خلاف ہوں، ایسے ہی لوگوں سے اللہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلا أُولُو الأَلْبَابِ سورة آل عمران آية 7، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكِ الَّذِينَ سَمَّى اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ ".

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی:(هو الذى أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأخر متشابهات فأما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تأويله) یعنی "وہ وہی اللہ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری ہے، اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل دارومدار ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں ۔سو وہ لوگ جن کے دلوں میں چرٹپن ہے ۔وہ اس کے اسی حصے کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو متشابہ ہیں، فتنے کی تلاش میں اور اس کی غلط تاویل کی تلاش میں ۔" آخر آیت (أولو الألباب) تک ۔عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہوں تو یاد رکھو کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے (آیت بالا میں) ذکر فرمایا ہے ۔اس لیے ان سے بچتے رہو ۔(صحیح بخاری: ۴۵۴۷) ۔

خلاصہ یہ کہ سلف صالح کا مذہب ہی حق ہے جسے علمائے امت نے ثابت کیا ہے، اور اس منہج

کے ماننے والوں کو مصنف کے طعن وتشنیع اوراس عیب جوئی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ وہ چند مخصوص نصوص ہی پر روشنی ڈالتے ہیں اور دوسرے نصوص سے پہلوتہی برتتے ہیں، کیوں کہ یہ سلف امت کے یہاں یہ چیز نہیں پائی جاتی ہے، بلکہ ایسی حرکت وہ نفس پرست خواہشات کے بندے کرتے ہیں جومحکم نصوص کوترک کرکے متشابہ نصوص کے پیچھے پڑتے ہیں۔

دوسرانقطہ:

مصنف کا منہج سلف کے بارے میں یہ کہنا کہ (اپنے اسی اعتقاد کے مطابق جو استدلال سے پہلے ہی بنالیا جاتا ہے) تو یہ سراسر بہتان اورالزام ہے،گویا علمائے امت استدلال سے پہلے ہی کسی چیز کااعتقاد کرلیتے ہیں، یقینا یہ ایک باطل الزام ہے، کاتب کے پاس اس دعوے پرکوئی دلیل وبرہان نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہیکہ مصنف نے جس چیز کاالزام علمائے امت پر لگایا ہے وہ خود اس کے زیادہ مستحق ہیں، بلکہ مصنف ہرواجب تھا کہ وہ علمائے امت پر اس طرح کی اوچھی تہمت لگانے سے باز رہتے۔

آخرمصنف جس موضوعیت اورغیر جانبداری کاڈھنڈھورا پیٹتے ہیں وہ سارے دعوے کہاں چلے گئے؟!

حقیقت یہ ہے کہ امامت اور دیگر سارے اعتقادی مسائل میں سلف امت نے بلا دلیل کوئی بات نہیں کہی ہے، بلکہ یہ الزام خود مصنف پر منطبق ہورہی ہے، جنہوں نے مغربی جمہوریت پسندوں کے طرز پر پہلے ہی انقلاب وبغاوت پراعتقاد کرلیا، اور جب اسے نصوص صریحہ کے خلاف پایا تو اپنے اس باطل اعتقاد کوتقویت دینے کیلئے نصوص کے اندر کچھ تحریف ہی کرڈالی جیسا کہ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے مصنف کے بارے میں کہا ہے کہ دکتورسلمان نے جب دیکھا کہ صحیح احادیث سمع وطاعت کو

واجب کہتی ہیں اور مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کو حرام ٹھہراتی ہیں، یعنی جب اب نصوص کو اپنی راہ میں رکاوٹ سمجھنے لگے تو ان کے اندر تاویل کرنے لگے اور انہیں انکے اصل مدلول ومفہوم سے پھیرنے لگے، جیسا کہ گمراہ فرقوں کا منہج اور وطیرہ رہا ہے۔ (کشف ابرز شبہ أسئلة الثورہ للشیخ علی البابطین کا مقدمہ)۔

حتی کہ مصنف نے خود جن بعض مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے کہ قرشیت کی شرط اور طاعت کا مفہوم، تو اس میں بھی مصنف نے کئی جگہوں پر غلطیاں کی ہیں:

غلطی کی پہلی جگہ:

مصنف کا یہ گمان کہ جس نے حاکم یا خلیفہ کے اندر قرشیت کی شرط لگائی ہے اس نے اس شرط کم سے متعلق حدیث سے غفلت برتی ہے اور اسے بے وقعت کر رکھا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہیکہ اگر آپ علمائے امت کی کتابوں کو دیکھیں گے کہ انہوں نے اس مسئلے پر بھرپور کلام کیا ہے اور بڑی وضاحت سے اسے قلم بند کیا ہے، پھر مصنف نے یہ کیسے دعوی کر دیا کہ علمائے امت نے اس مسئلے سے غفلت برتی ہے اور اسے واضح نہیں کیا؟!

اس مسئلے میں اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے کہ دوسروں کے مقابلے قرشی کو مقدم اس وقت کہا جائے گا جب معاملہ اختیاری اور مسابقت کا ہو۔

اور جب یہ صورت حال نہ ہو تو پھر اہل حل وعقد جس پر بھی متفق ہو جائیں اسکی امامت صحیح ہوگی، اسکے آف خروج کرنا جائز نہیں ہوگا، گرچہ وہ قریش سے نہ ہو، یہی صحیح قول ہے کہ جس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول: (اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ) ترجمہ: سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر کسی ایسے حبشی

غلام کو ہی عامل بنایا جائے جس کا سر منقیٰ کی طرح چھوٹا ہو۔" (صحیح بخاری: ۷۱۴۲)۔

اور اسی پر مسلمانوں کا عمل بھی رہا ہے۔

علامہ شنقیطی نے کہا کہ حاکم کے شرائط کے تعلق سے امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ پہلی شرط یہ ہیکہ وہ خالص قرشی ہو، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ائمہ قریش سے ہوں گے۔ مگر اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

علامہ شنقیطی کہتے ہیں کہ امام قرطبی نے حاکم کیلئے قرشیت کی شرط کے تعلق سے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ کمزور ہے، کیونکہ صحیح حدیثوں کے اندر حاکم کے مسئلے میں قرشی کو غیر قرشی ہر مقدم کیا گیا ہے، اور جمہور کا اسی پر اتفاق ہے، کئی لوگوں نے اس اجماع کو نقل کیا ہے، اور اس اجماع کے دعوی کیلئے ضروری ہیکہ ان احادیث کی تاویل کی جائے جن کے اندر اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، جیسے کہ مسند احمد کی یہ روایت:

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ وَرَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ وَغَيْرِهِمَا قَالُوا لَمَّا بَلَغَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَرْغَ حُدِّثَ أَنَّ بِالشَّامِ وَبَاءً شَدِيدًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ شِدَّةَ الْوَبَاءِ فِي الشَّامِ فَقُلْتُ إِنْ أَدْرَكَنِي أَجَلِي وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ حَيٌّ اسْتَخْلَفْتُهُ فَإِنْ سَأَلَنِي اللَّهُ لِمَ اسْتَخْلَفْتَهُ عَلَى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ أَمِينًا وَأَمِينِي أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَأَنْكَرَ الْقَوْمُ ذَلِكَ وَقَالُوا مَا بَالُ عُلْيَا قُرَيْشٍ يَعْنُونَ بَنِي فِهْرٍ ثُمَّ قَالَ فَإِنْ أَدْرَكَنِي أَجَلِي وَقَدْ تُوُفِّيَ أَبُو عُبَيْدَةَ اسْتَخْلَفْتُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فَإِنْ سَأَلَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ لِمَ اسْتَخْلَفْتَهُ قُلْتُ سَمِعْتُ رَسُولَكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ نَبْذَةً۔

ترجمہ: شریح بن عبید اور راشد بن سعید وغیرہ کہتے ہیں کہ سفر شام میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سرغ نامی مقام پر پہنچے تو آپ کو خبر ملی کہ شام میں طاعون کی بڑی سخت وباء پھیلی ہوئی ہے، یہ خبر سن کر انہوں نے فرمایا کہ مجھے شام میں طاعون کی وباء پھیلنے کی خبر ملی ہے، میری رائے یہ ہے کہ اگر میرا آخری وقت آپہنچا اور ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوئے تو میں انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دوں گا اور اگر اللہ نے مجھ سے اس کے متعلق باز پرس کی کہ تو نے امت مسلمہ پر انہیں اپنا خلیفہ کیوں مقرر کیا؟ تو میں کہہ دوں گا کہ میں نے آپ ہی کے پیغمبر کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا ہر نبی کا ایک امین ہوتا ہے اور میرا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے۔ لوگوں کو یہ بات اچھی نہ لگی اور وہ کہنے لگے کہ اس صورت میں قریش کے بڑے لوگوں یعنی بنی فہر کا کیا بنے گا؟ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اگر میری موت سے پہلے ابوعبیدہ فوت ہو گئے تو میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کر دوں گا اور اگر اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں خلیفہ مقرر کیا؟ تو میں کہہ دوں گا کہ میں نے آپ کے پیغمبر کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ وہ قیامت کے دن علماء کے درمیان ایک جماعت کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔ (مسند احمد: ۱۰۸)۔

اور یہ معلوم ہیکہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قریشی نہیں تھے، اور امام قرطبی کا عمر کے بعد اجماع ہونے کے دعوی کی تاویل کرنا یا یہ کہنا کہ آپ نے اپنی رائے جمہور کے موافق بدل لی تھی، اور یہ کہ قرشی کی شرط لگانا ہی حق ہے، لیکن درست بات یہی ہیکہ نصوص شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرشی کو حاکم ہونے میں اسی وقت مقدم کیا جائے گا جب وہ دین کو قائم کریں اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریں، لیکن اگر یہ شرط ان کے یہاں نہ پائی جائے تو پھر ان لوگوں کو مقدم کیا جائے گا جو اس

شرط پر پورا اترتے ہوں یعنی جو دین کو قائم کرنے والے ہوں اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہوں۔اور اللہ کے فیصلوں کو نافذ کرتے ہوں۔(اضواء البیان للشنقیطی: ۱/ ۲۴)۔

غلطی کی دوسری جگہ:

عاجزی یا کسی دوسرے سبب سے اس شرط کے پورا نہ ہو پانے کی وجہ سے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ اس کو بنیاد بنا کر احادیث کی تردید کرنے کی بدعت اور گمراہی کا شکار ہوا جائے، یا پھر علمائے راسخین پر بری نیت اور غلط مقصد کا الزام لگا دیا جائے، بلکہ وہ شخص بدعتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کرے اور یہ گمان کرے کہ اس پر عمل نہ ہو رہا ہے، اور اسی لئے مصنف نے سمع وطاعت کے باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کر دیا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کو بنیاد بنا کر یہ کہتے ہوئے کہ (اور نسب کی شرط تاریخی اعتبار سے زیادہ قریب تر ہے، بایں طور کہ اس وقت عرب قریش کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، بہر حال اہم یہی ہے کہ مناسب اور موضوعی شروط کا اعتبار کیا جائے جیسے کہ عدل وانصاف اور شورائیت کے ساتھ حکمرانی کرنا)۔

تو یہ سلف امت کے منہج کے خلاف ہے، کیونکہ علمائے امت انہیں شروط کو معتبر مانتے ہیں جن کا ذکر احادیث میں وارد ہوا ہے جیسے کہ حاکم قرشی اور عالم ہو، اور یہ کہ وہ بااخلاق ہو، نواقض عدالت سے پاک ہو، فسق وفجور سے دور ہو، مگر یہ شرائط اختیاری ولایت میں ہے، مگر جہاں تک حاکم متغلب کی بات ہے تو اسے تسلیم کیا جائے گا فتنوں سے بچنے کی خاطر، ایسے صورت میں تو اگر ایک حبشی غلام بھی ہوگا تو اسکی ولایت بھی تسلیم کی جائے گی جیسا کہ صحیح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ) ترجمہ: سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی عامل بنایا جائے جس کا سر منقیٰ کی طرح چھوٹا ہو۔" (صحیح بخاری: ۷۱۴۲)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: (إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ حَسِبْتُهَا قَالَتْ: أَسْوَدُ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ تَعَالَى، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا) ترجمہ: اگر تمہارے اوپر ایک غلام کن کٹا حاکم کیا جائے میں خیال کرتا ہوں کہ ام حصین نے یہ بھی کہا کہ کالا غلام ہو اور کہا کہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو بھی اس کی بات سنو اور اس کا کہنا مانو۔ (صحیح مسلم: ۱۲۹۸)۔

اور اہل سنت والجماعہ کے نزدیک اختیاری اور متغلب دونوں ولایت ثابت ہے، حاکم کے حقوق کو دونوں صورت میں پورا کیا جائے گا۔

اور اس تعلق سے جتنے بھی نصوص کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں سب کے اندر حاکم کی اطاعت کو غیر معصیت میں واجب بتلایا گیا ہے، اور اسکے لئے عادل اور فاجر حاکم اسی طرح قرشی اور غیر غیر قرشی کے درمیان کوئی تفریق نہیں بتلائی گئی ہے، بلکہ یہ اطاعت ہر اس حاکم کیلئے عام ہے جو ولایت عامہ کا ذمیدار ہو جائے، اسی لئے علمائے امت نے عقائد کی کتابیں میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلم حاکم کی اطاعت واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اور بہت سارے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

غلطی کی تیسری جگہ:

اہل علم نے حکام کی اطاعت کے وجوب کے بارے میں جو کلام پیش کیا ہے وہ خلیفہ کے قرشی ہونے سے متعارض نہیں ہے کیونکہ یہ اطاعت مطلق نہیں غیر معاصی میں ہے، چنانچہ حاکم گرچہ قرشی نہ ہو اطاعت واجب ہے، اسی پر نصوص دلالت کرتے ہیں، اور اسی پر سلف امت کا اجماع ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر اگر حاکم قرشی نہ بھی ہو تو بھی سمع وطاعت کے نصوص کی روشنی میں عمل (ولایت) معطل نہیں

ہو گا۔

اور جہاں تک یہ قول کہ سمع وطاعت صرف قرشی حکام ہی کیلئے ہے تو یہ قول شیعہ روافض بہت مذہب کے مشابہ ہے جن کا عقیدہ ہیکہ خلافت وحکومت اس وقت تک معطل رہے گی جب تک کہ مہدی منتظر نہیں آجاتے،اور یہ کہ بارہ اماموں کے سوااورکسی کی سمع وطاعت واجب نہیں ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حج اور جہاد دونوں قیامت تک مسلم حکام کے ساتھ جاری رہیں گے خواہ وہ نیک ہوں یا بد،انہیں کوئی چیز باطل نہیں کرسکتی۔

اسکی شرح میں ابن ابی العزالحنفی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے شیخ دراصل روافض پر رد کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ جہاد اس وقت نہیں ہے جب تک آل محمد سے الرضا نکل کرنہیں آجاتے، جو آسمان سے پکاریں گے کہ میری پیروی کرو!

یہ باطل قول اس قدر غیر معقول ہیکہ اس پر کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ان لوگوں نے حاکم کے اندر معصوم ہونے کی شرط لگائی ہے جسکی کوئی دلیل نہیں ہے،بلکہ صحیح مسلم کے اندر اسکے برعکس وارد ہوا ہے:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ ".

ترجمہ: سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور برے حاکم تمہارے وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔" لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسے برے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں جب تک وہ نماز کو تم میں قائم کرتے رہیں اور جب تم کوئی بات اپنے حاکموں سے دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔" (یعنی بغاوت نہ کرو)۔ (صحیح مسلم: ۱۸۵۵)۔

یہاں پر ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ حاکم معصوم ہو، اور روافض اس مسئلے میں سب سے زیادہ گھاٹے میں ہیں، کیونکہ انہوں نے اماں معصوم کو معدوم امام بنا دیا ہے جو انہیں نہ تو دنیاوی کوئی فائدہ پہونچا سکتا اور نہ ہی اخروی۔

اور جہاں تک حاکم کے اندر نیک اور بد دونوں کو عام کر دیا ہے تو دراصل حج اور جہاد کا تعلق سفر سے ہے اور اس میں کسی انسان کا ہونا ضروری ہے جو سفر میں انکی رہبری کرے اور دشمن کا مقابلہ کرے اور یہ چیز جس طرح ایک نیک رہبر سے حاصل ہے اسی طرح ایک برے رہبر سے بھی حاصل ہے۔ (شرح العقیدہ الطحاویہ، ص ۵۵۵)۔

غلطی کی چوتھی جگہ:

یہاں پر متنبہ ہونے کی ضرورت ہے کیوں کہ مصنف نے قارئین کے سامنے یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ وہ قرشی کے شرط کا داعی ہے بلکہ مصنف صاف صاف کہتا ہے کہ اور نسب کی شرط تاریخی اعتبار سے زیادہ قریب تر ہے، بایں طور کہ اس وقت عرب قریش کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، بہرحال

اہم یہی ہے کہ مناسب اور موضوعی شروط کا اعتبار کیا جائے جیسے کہ عدل و انصاف اور شورائیت کے ساتھ حکمرانی کرنا۔

چنانچہ مصنف یہاں پر بھی فی الواقع نصوص کی طرف رجوع کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس سے پیچھے کچھ اور ہی مراد ہے۔

ورنہ مصنف کے نزدیک ان نصوص کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اسی طرح ان اجماعات کا کوئی فائدہ نہیں ہے جنہیں لیکر مصنف نے منہج حق کے پیروکاروں پر الزام لگایا ہے، جب کہ اس وقت مصنف نے سب کو پس پشت ڈال دیا ہے، اور انہیں مطلق لائق عمل نہیں سمجھا، اس طرح مصنف نے اہل علم کے کلام کو آپس میں ایک دوسرے متعارض دکھا کر پیش کیا ہے اور یہی حال نصوص کے ساتھ کیا ہے کہ ان تمام سے رخ پھیرلیا ہے، اور یہ بہت ہی قبیح طریقہ ہے جو کہ اہل بدعت کی پہچان ہے کہ جو محکم نصوص کو ترک کر کے متشابہ نصوص کے پیچھے پڑتے ہیں۔

جب کہ مصنف کا حال یہ ہے کہ یہ کسی بھی نص کو لائق اعتناء نہیں سمجھا ہے، بلکہ سمع وطاعت کے نصوص پر کلام کرنے اور ان پر تفصیلی روشنی ڈالنے کو قابل نفرت تصور کیا ہے، اور سلف امت پر دوسرے نصوص کو پس پشت ڈال دینے کا الزام لگایا ہے۔ اس طرح قاری کے نزدیک نشو وشرعیہ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی ہے، از تناقض اور تعارض کی وجہ سے جسے مصنف نے قاری کے سامنے پیش کرنے کی مذموم کوشش کی ہے، اور نصوص وحی کو آپس میں متعارض اور متناقض دکھانا اسی کو کہتے ہیں جو کہ بہت ہی مذموم حرکت ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ لَقَدْ جَلَسْتُ أَنَا وَأَخِي مَجْلِسًا مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهِ حُمْرَ النَّعَمِ أَقْبَلْتُ أَنَا وَأَخِي وَإِذَا مَشْيَخَةٌ مِنْ صَحَابَةِ رَسُولِ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُلُوسٌ عِنْدَ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِهِ فَكَرِهْنَا أَنْ نُفَرِّقَ بَيْنَهُمْ فَجَلَسْنَا حَجْرَةً إِذْ ذَكَرُوا آيَةً مِنْ الْقُرْآنِ فَتَمَارَوْا فِيهَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمْ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا قَدْ احْمَرَّ وَجْهُهُ يَرْمِيهِمْ بِالتُّرَابِ وَيَقُولُ مَهْلًا يَا قَوْمِ بِهَذَا أُهْلِكَتْ الْأُمَمُ مِنْ قَبْلِكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ وَضَرْبِهِمْ الْكُتُبَ بَعْضَهَا بِبَعْضٍ إِنَّ الْقُرْآنَ لَمْ يَنْزِلْ يُكَذِّبُ بَعْضُهُ بَعْضًا بَلْ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوا بِهِ وَمَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ فَرُدُّوهُ إِلَى عَالِمِهِ

ترجمہ: سیدنا ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اور میرا بھائی ایسی مجلس میں بیٹھے ہیں کہ اس کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی ملنا پسند نہیں ہے ایک دفعہ میں اپنے بھائی کے ساتھ آیا تو کچھ بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی کے کسی دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ہم نے ان کے درمیان گھس کر تفریق کرنے کو اچھا نہیں سمجھا اس لئے ایک کونے میں بیٹھ گئے اس دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کی ایک آیت کا تذکرہ چھیڑا اور اس کی تفسیر میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو کر باہر نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی پھینک رہے تھے اور فرما رہے تھے لوگو! رک جاؤ تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے سامنے اختلاف کیا اور اپنی کتابوں کے ایک حصے کو دوسرے حصے پر مارا قرآن اس طرح نازل نہیں ہوا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تکذیب کرتا ہو بلکہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اس لئے تمہیں جتنی بات کا علم ہو اس پر عمل کر لو اور جو معلوم نہ ہو تو اسے اس کے عالم سے معلوم کر لو۔ (مسند احمد:

٦٧٠٢)۔

پتہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو متشابہ کے پیچھے پڑتا ہے اور اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صبیغ بن عسل کی پٹائی کی تھی جب اس نے متشابہ کے بارے میں سوال کیا تھا۔

اسلئے ہر مومن مرد اور عورت پر واجب ہیکہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر ایمان لائے اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی نہ کرے۔

-غلطی کی پانچویں جگہ:

مصنف نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرکے دراصل حاکم کے اندر قرشیت کی شرط کو باطل کرنا چاہا ہے، چنانچہ مصنف نے کہا: (یہاں جو بھی اجماع نقل کیا گیا ہے وہ اختلاف سے خالی نہیں ہے، چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر ابو حذیفہ کا غلام سالم باحیات ہوتا تو میں اسی کو اپنا جانشین بنا دیتا)۔

اس کا جواب درج ذیل ہے:

دراصل یہاں پر خلیفہ بنانا مقصود نہیں ہے کیونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ مخفی نہیں تھا کہ خلافت قریش میں ہوگی، چنانچہ یہاں مراد یہ ہیکہ آپ انہیں کوئی عہدہ دے دیتے یا خلیفہ چننے میں مشیر بنا دیتے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ کے اندر رافضی ابن مطہر کے رد میں لکھا ہے کہ جہاں تک ابو حذیفہ کے غلام سالم کا مسئلہ ہے تو صحابہ کو یہ علم تھا خواہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں یا کوئی دوسرا کہ خلافت قریش میں ہوگی، جیسا کہ اس تعلق سے احادیث مشہور ہیں، اور صحیحین میں بھی مروی ہیں:

عَنِ ابن عمر، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کام یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی یہاں تک کہ دنیا میں دو ہی آدمی رہ جائیں۔" (صحیح مسلم: ۱۸۲۰)۔

اسی طرح کی حدیثوں سے سقیفہ کے دن انصار کے خلاف حجت بنائی گئی تھی، پھر کیسے یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کسی غیر قرشی کو خلیفہ نامزد کر دیں گے؟! بلکہ یہی کہیں گے کہ ممکن ہے کوئی عہدہ دے دیتے یا خلیفہ چننے میں مشیر بنا دیتے، یا کسی ایسی جگہ متعین کر دیتے جو انکے لئے مناسب ہوتی، کیوں کہ سالم رضی اللہ عنہ خیار صحابہ میں سے تھے، اور جس وقت مدینہ میں مہاجرین آئے تھے اس وقت سالم انصار کی امامت کرا رہے تھے۔ (منہاج السنہ: ۶ / ۱۵۱)۔

دوسرے یہ کہ مصنف نے اس طرح کے آثار کو نقل تو کر دیا مگر انکی صحت وضعف کی تحقیق نہیں کی؛ کیونکہ یہ آثار مصنف کی خواہشات نفس کے موافق ہیں، اسی لئے ان آثار کے بالکل مخالف جو صحیح احادیث ثابت ہیں انہیں مصنف ضعیف بنانے کی کوشش کی ہے، کیونکہ یہ نصوص مصنف کی خواہشات نفس کے خلاف ہیں، یہی کام اہل بدعت کا ہے جو محکم نصوص کو ترک کر کے متشابہ نصوص کے پیچھے پڑتے ہیں، یہ کام علمائے راسخین کا نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ

رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ) ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ران کی اصل مراد کی تلاش کے لیے، حالانکہ ان کی اصل مراد نہیں جانتا مگر اللہ اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر جو عقلوں والے ہیں۔ (آل عمران: ۷)۔

-غلطی کی چھٹی جگہ:

مصنف نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایک دوسرے اثر سے استدلال کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر میرا آخری وقت آپہنچا اور ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوئے تو میں انہیں اپنا خلیفہ نامزد کردوں گا اور اگر اللہ نے مجھ سے اس کے متعلق باز پرس کی کہ تو نے امت مسلمہ پر انہیں اپنا خلیفہ کیوں مقرر کیا؟ تو میں کہہ دوں گا کہ میں نے آپ ہی کے پیغمبر کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا ہر نبی کا ایک امین ہوتا ہے اور میرا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے۔

یہ روایت دراصل ثابت ہی نہیں ہے، اسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند کے اندر مرسل روایت کیا ہے، جسکی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ وَرَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ وَغَيْرِهِمَا قَالُوا لَمَّا بَلَغَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَرْغَ حُدِّثَ أَنَّ بِالشَّامِ وَبَاءً شَدِيدًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ شِدَّةَ الْوَبَاءِ فِي الشَّامِ فَقُلْتُ إِنْ أَدْرَكَنِي أَجَلِي وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ حَيٌّ اسْتَخْلَفْتُهُ فَإِنْ سَأَلَنِي اللَّهُ لِمَ اسْتَخْلَفْتَهُ عَلَى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ إِنِّي

سَمِعْتُ رَسُولَكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ أَمِينًا وَأَمِينِي أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَأَنْكَرَ الْقَوْمُ ذَلِكَ وَقَالُوا مَا بَالُ عُلْيَا قُرَيْشٍ يَعْنُونَ بَنِي فِهْرٍ ثُمَّ قَالَ فَإِنْ أَدْرَكَنِي أَجَلِي وَقَدْ تُوُفِّيَ أَبُو عُبَيْدَةَ اسْتَخْلَفْتُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فَإِنْ سَأَلَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ لِمَ اسْتَخْلَفْتَهُ قُلْتُ سَمِعْتُ رَسُولَكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ نَبْذَةً۔

ترجمہ: شریح بن عبید اور راشد بن سعید وغیرہ کہتے ہیں کہ سفر شام میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سرغ نامی مقام پر پہنچے تو آپ کو خبر ملی کہ شام میں طاعون کی بڑی سخت وباء پھیلی ہوئی ہے، یہ خبر سن کر انہوں نے فرمایا کہ مجھے شام میں طاعون کی وباء پھیلنے کی خبر ملی ہے، میری رائے یہ ہے کہ اگر میرا آخری وقت آپہنچا اور ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوئے تو میں انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دوں گا اور اگر اللہ نے مجھ سے اس کے متعلق باز پرس کی کہ تو نے امت مسلمہ پر انہیں اپنا خلیفہ کیوں مقرر کیا؟ تو میں کہہ دوں گا کہ میں نے آپ ہی کے پیغمبر کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا ہر نبی کا ایک امین ہوتا ہے اور میرا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے۔ لوگوں کو یہ بات اچھی نہ لگی اور وہ کہنے لگے کہ اس صورت میں قریش کے بڑے لوگوں یعنی بنی فہر کا کیا بنے گا؟ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اگر میری موت سے پہلے ابوعبیدہ فوت ہو گئے تو میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کر دوں گا اور اگر اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں خلیفہ مقرر کیا؟ تو میں کہہ دوں گا کہ میں نے آپ کے پیغمبر کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ وہ قیامت کے دن علماء کے درمیان ایک جماعت کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔ (مسند احمد: ۱۰۸)۔

امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/ ۲۳۳) کے اندر کہا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے

مرسل روایت کیا ہے، راشد اور شریح کی ملاقات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

اور اسی طرح احمد شاکر نے مسند کی تحقیق میں کہا کہ اسکی سند ضعیف ہے، انقطاع کی وجہ سے، کیونکہ شریح اور راشد بن سعد حمصی کی ملاقات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ (مسند احمد: ۱/ ۱۰۴)۔

ابن قتیبہ نے اس اثر کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دراصل کہنا چاہتے ہیں کہ میں لوگوں کو نماز کی امامت کیلئے سالم کو آگے بڑھا دوں گا جب تک کہ اصحاب شوری کسی خلیفہ کا انتخاب نہ کرلیں۔ (تاویل مختلف الحدیث، ص ۳۰۶)۔

یہ تاویل بالکل شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تاویل کے مشابہ ہے، اسی طرح اس روایت کی تاویل میں علامہ شنقیطی کا قول بھی گزر چکا ہے۔

-غلطی کی ساتویں جگہ:

مصنف نے کہا: (اور سقیفہ کے دن انصار کے موقف سے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان میں سے کچھ لوگوں کی رائے الگ تھی، اور نسب کی شرط تاریخی اعتبار سے زیادہ قریب تر ہے، بایں طور کہ اس وقت عرب قریش کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، بہر حال اہم یہی ہے کہ مناسب اور موضوعی شروط کا اعتبار کیا جائے جیسے کہ عدل و انصاف اور شورائیت کے ساتھ حکمرانی کرنا، اس طرح قاضی عیاض اور نووی وغیرہ کے سابقہ اقوال پس پردہ چلے گئے، شاید کہ کوئی منبر پر یا مقالے میں انہیں ذکر کرتا ہو، وقت جب بات سمع وطاعت سے متعلق کسی مسئلے میں اتفاق اور اجماع کی ہوتی ہے تو کچھ لوگ اسے دہرانے سے نہیں تھکتے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو بدعات کی پیروی کرنے کا طعنہ دیتے ہیں کہ یہ خوارج اور معتزلہ کے موافق ہیں، اور عام مسلمانوں کے خلاف ہیں، اور یہی کچھ امام

نووی نے ایک نص کے ساتھ کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرنے کی بات ہے تو یہ مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ حرام ہے، گرچہ حکام فاسق و فاجر ہوں۔اوراس کی تائید میں بہت ساری حدیثیں موجود ہیں، اور اہل سنت کا اجماع ہے کہ فسق وفجور کی بنیاد پر حاکم معزول نہیں ہوگا،،،،)۔

حقیقت یہ ہیکہ سقیفہ کے دن بعض انصار صحابہ سے جو بھی اقوال مروی ہیں وہ سب ان تک انتخاب خلیفہ کے تعلق سے صحیح خبر ملنے سے پہلے کے ہیں،لیکن جب انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث پہوچی ہیں تو انہیں قبول کرلیااور اپنی باتوں سے رجوع کرلیا۔

اسلئے مصنف کیلئے مناسب یہی تھا کہ وہ صحابہ کی جانب کوئی ایسا قول یا عقیدہ منسوب نہ کرتے جو احادیث کے مخالف ہو،جیسا کہ نفس پرست بدعتی علماء ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک انصاری صحابی نے کہا تھا کہ ایک امیر ہماری طرف سے ہوگااور دوسرا امیر آپ کی طرف سے ہوگا،تو یہ کوئی اعتقاد نہیں تھا جو شریعت مخالف ہو بلکہ یہ مشورہ اور آپسی گفتگو کے باب سے تھا،اس طرح کی آپسی گفتگو کا یہ مفہوم نہیں نکالا جاسکتا کہ حاکم اور خلیفہ کے تئیں بعض انصار کا یہ قول یا یہ اعتقاد تھا، کیونکہ بالاتفاق سب لوگوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی تھی۔اس لئے کہ جب ان کے پاس حق بات پہوچ گئی تو سب نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔رضی اللہ عنہم وارضاھم۔

یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کا گمان کس قدر غلط ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فورا بعد صحابہ کے اندر اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔

علامہ بکر بن عبداللہ ابوزید رحمہ اللہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل واضح

اور صریح دلائل کی روشنی میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا تھا، چنانچہ نص صریح اور اجماع کے ساتھ آپ کی بیعت عمل میں آئی تھی، یہ ضرور ہے کہ کچھ اقوال سامنے آئے تھے؛ بعض ہاشمیوں کی طرف سے، بعض اوس وخزرج کی طرف سے اور بعض مہاجرین کی طرف سے لیکن سارے اقوال وآراء نص واجماع کے سامنے دب کر رہ گئے، اور تمام صحابہ نے نصوص اور اجماع کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور کتاب وسنت کی روشنی میں شرعی احکام کے سامنے جھک جانا ہی صحابہ کی ایک بڑی پہچان ہے، اسی لئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے سب نے اپنی گردن جھکا دی، اور تمام لوگوں میں اتحاد پیدا ہوگیا، اور کسی طرح کی کوئی ابتری پیدا نہیں ہوئی، کیونکہ اس وقت لوگوں کے دل ایمان صادق سے معمور تھے۔ (حکم الانتماء للاحزاب والفرق والجماعات، ص ۲۵)۔

-غلطی کی آٹھویں جگہ:

مصنف نے ص ۱۶ پر یہ گمان کیا ہے کہ ظالم اور فاسق حاکم کے خلاف خروج کرنا کوئی بدعت نہیں ہے! اور مصنف کا یہ اعتقاد بالکل عیاں ہے مصنف کے اس مذمتی بیانیے کی روشنی میں جس میں مصنف نے ان اہل علم کی مذمت کی ہے جنہوں نے حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرنے کو جائز نہیں کہا ہے بلکہ اس سے ڈرایا ہے اور خوارج کی مذمت کی ہے اور انکے باطل منہج سے آگاہ کیا ہے، اسی سے مصنف کا سینہ تنگ ہوگیا۔ مقدمہ ہی کے اندر میں نے اس مسئلے پر اہل علم کے بہت سارے اقوال کو ذکر کر دیا ہے۔

یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ علمائے امت نے قرشیت کی شرط پر زیادہ گفتگو نہ کرکے سمع وطاعت پر زیادہ گفتگو کی ہے جس کا مقصد اور حکمت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ امت کی مصلحت اسی میں پوری ہوں گی اور اسے استقرار بھی اسی سے حاصل ہوگا نیز دشمنوں کے شر سے بھی بچا جائے گا، اور یہی

واقع حال کا سب سے عظیم ادراک اور فقہ ہے جس سے فقہ الواقع کی معرفت کا دعوی کرنے والے محروم ہیں!

اسی عظیم فقہ کو گول کرتے ہوئے مصنف نے ص ۱۶ پر لکھا ہے کہ (یہ بھی معلوم رہے کہ متقدمین سلف، ائمہ اور شراح حدیث کی ایک بڑی تعداد کی ایک الگ رائے ہے، جو فسق وفجور اور ظلم کی وجہ سے خروج و بغاوت کو جائز ٹھہراتی ہے، جیسا کہ آپ ابن حزم غزالی، ایجی اور دوسرے علماء کے نصوص میں دیکھ سکتے ہیں۔

ان دونوں کا جب آپ موازنہ کریں گے تو پائیں گے کہ ان میں سے ایک کی ترویج اس شدت سے کی جاتی ہے گویا اس کے مخالف کوئی رائے ہی نہ ہو، اور دوسرے سے بالکل تجاہل برتا جاتا ہے۔ بلکہ اسکے مخالف باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

اس طرح کی تحقیقات میں غیر جانبداری ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جو کہتے یا لکھتے ہیں اس حال میں کہ وہ کسی مخصوص صورتحال کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں یا معروضی اور موضوعی معیارات پر عمل کیے بغیر دفاع کرنا چاہتے ہیں)۔

یہاں پر مصنف نے گمان کیا ہے کہ متقدمین سلف، ائمہ اور شراح حدیث کی ایک بڑی تعداد کی ایک الگ رائے ہے، جو فسق وفجور اور ظلم کی وجہ سے خروج و بغاوت کو جائز ٹھہراتی ہے۔

یہاں اہم یہ ہیکہ مصنف نے اس قول کو سلف صالح کی طرف منسوب کیا ہے جو کہ بالکل غلط ہے، ہاں کچھ شراح حدیث اور کچھ اہل کلام کے اقوال مروی ہیں جن کا کوئی شمار نہیں ہے، اور ان کے اقوال کو سلف صالح کے قول پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ سلف صالح کا عقیدہ ایک ہی تھا متعدد نہیں، ہاں بعض متقدمین سے اس مسئلے میں ایک الگ رائے مروی ہے جو اس عقیدہ کے مخالف ہے، جو کہ

ایک اجتہاد ہے جو نصوص کے صریح خلاف ہے، اور اسی طرح سلف امت کے بھی خلاف ہے، چنانچہ اسے اجتہادی غلطی پر محمول کیا جائے گا۔

اور جہاں تک یہ کہنا کہ حکام کے خلاف خروج کو لیکر سلف کے یہاں دو قول ہے، پھر اختلاف اور ترجیح کو بیان کیا جاتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس تعلق سے نصوص صراحت کے ساتھ حکام کے خلاف خروج و بغاوت کو حرام کرتے ہیں گرچہ وہ ظالم ہوں، اور سلف صالح اسی قول پر قائم تھے، انکی مخالفت میں کوئی صریح اور صحیح قول نہیں ہے۔

بعض شراح حدیث نے اسی شاذ قول کو علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آنے والے واقعات پر بھی محمول کرلیا ہے، جب کہ یہ واضح غفلت ہے، اور بعض نے خروج کے مسئلے میں متقدمین کی طرف توقف کا ایک قول بھی منسوب کیا ہے، صحابہ کے مابین پیش آنے والے واقعات کے تعلق سے توقف اختیار کرنے پر قیاس کرتے ہوئے۔ جبکہ اس کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔(النقض علی مجوزی المظاہرات والاعتصامات، تالیف: د۔عبدالعزیز السعید، ص ۸۱)۔

اسکے بعد مصنف نے ص ۱۶ ہی پر غیر جانبداری ہی سے متعلق لکھا یہ کہتے ہوئے کہ یہ صفت حاکم پرستوں کے یہاں نہیں پائی جاتی ہے: (یہ حاکم پرستوں کی جاگیر نہیں ہے، بلکہ آپ دوسری طرف دیکھیں گے کہ انقلاب و بغاوت کو حق و درستگی اور درجہ بندی و ترتیب کا معیار بنایا گیا ہے، یا آپ پائیں گے ایسے لوگوں کو جو کلی طور پر مسترد کرتے ہیں تمام طرح کے ظلم و زیادتی کو خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی)۔

یہاں یہ کہا جائے گا کہ مصنف نے لوگوں کو دو فریق میں بانٹ دیا ہے: ایک حاکم پرست لوگ اور دوسرے حاکم دشمن لوگ، یا حاکم مخالف لوگ۔

جبکہ صحیح یہ ہیکہ دونوں فریق میں تفصیل ہے: مصنف نے جسے حاکم پرست کہا ہے ان میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرنے والے ہیں تو یہ خیر و ہدایت پر قائم ہیں، اگر حاکم کی اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اطاعت میں، نہ کہ اسکی معصیت میں، گر چہ اسکے دین میں کچھ نقص ہو، اور جو اسکی اطاعت سے خارج ہوگا اسکی ولایت کے ہوتے ہوئے تو وہ بھی اسی حدیث کے حکم میں شامل ہوگا جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو طاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے اور مر جائے تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کافر حاکم کی پیروی کرتے ہیں، چنانچہ اگر وہ اسکے کفر میں اطاعت کرتے ہیں تو وہ بھی اسی کی طرح ہو جائیں گے، اور اگر معصیت میں اطاعت کرتے ہیں تو پھر ان کی گمراہی کا خطرہ ہے، لیکن اگر وہ حاکم اہل ایمان میں سے ہے اور یہ معصیت میں اس کی موافقت نہیں کرتے ہیں بلکہ صبر کرتے ہیں تو بھی یہ خیر و ہدایت پر ہیں۔

ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ظالم اور فاجر حاکم کی اطاعت کرتے ہیں چنانچہ یہ لوگ اگر اسکے ظلم کی موافقت کرتے ہیں اور اس سے راضی ہیں، تو اس ظلم اور معصیت میں یک بھی شریک ہوں گے، لیکن اگر یہ لوگ اس ظلم کو ناپسند کرتے ہیں اور اسکی موافقت نہیں کرتے ہیں، اسکی اطاعت صرف غیر معصیت میں کرتے ہیں، تو پھر ایسی صورت میں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " سَتَكُونُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ "، وَتَابَعَ، قَالُوا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ، قَالَ: لَا مَا صَلَّوْا ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قریب ہے کہ تم پر امیر مقرر ہوں تم ان کے اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے کام بھی پھر جو کوئی برے کام کو پہچان لے وہ بری ہوا (اگر اس کو روکے ہاتھ یا زبان یا دل سے) اور جس نے برے کام کو برا جانا وہ بھی بچ گیا لیکن جو راضی ہوا برے کام سے اور پیروی کی اس کی (تباہ ہوا)۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم ایسے امیروں سے لڑائی نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں جب تک وہ نماز پڑھا کریں۔“ (اور نماز بھی چھوڑ دیں تو ان کو مارو اور امارت سے موقوف کر دو۔) (صحیح مسلم: ۱۸۵۴)۔

مصنف نے جس دوسرے گروہ کا ذکر کیا ہے اس سے مراد حاکم کی مخالفت کرنے والے، حکومت کے دشمن اور مخالف، جسے جمہوری زبان میں معارض جماعت یا حزب مخالف کہا جاتا ہے۔

یہ مخالفت دو طرح کی ہوتی ہے:

پہلی قسم: ایسے حاکم کی مخالفت جو صریح کفر کا مرتکب ہو، تو ایسے حاکم کی مخالفت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ واجب ہے، مگر بغیر طاقت کے اسکے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے قتل وخونریزی اور املاک کی تباہی نیز شر و رو فتن کے پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم: ایسے حاکم کی مخالفت کرنا جو مسلمان ہو، تو ایسی صورت میں مخالفت یا تو قولی ہوگی یا فعلی، دونوں میں سے ایک بھی مخالفت جائز نہیں ہے، گرچہ وہ ظلم و زیادتی کرے یا وہ بدعتی ہو، بلکہ اسے شرعی طریقے سے نصیحت کی جائے گی، اور کتاب وسنت کی روشنی میں حق کی وضاحت کی جائے گی۔

اسکے علاوہ دیگر تمام طرح کی مخالفتیں جن سے آپسی دشمنی، اختلاف و انتشار اور گروپ بندی کا نیز قتل وخونریزی کا خدشہ ہو سب حرام ہے۔

مصنف کی پختہ وژن

مصنف نے ص ١٧/ پر کہا:

(جائز سیاست، حکمران اور رعایا کے درمیان تعلق، انقلاب اور جمہوریت کے مسائل پر ایک پختہ نقطہ نظر اور وژن تک پہنچنے کے لیے، ہمیں کسی قدر نفسیاتی اور فکری سکون، اسی طرح غیر جانبداری اور فرد یا خاندان یا قبائلی مفادات سے بالاتر ہونے کی ضرورت ہے، ساتھ ہی معاشرے کے مختلف ثقافتوں، اس کی ساخت اور اس کے معاشی اور سماجی حالات کے کسی خاص طرز و اسلوب کو عام کئے بغیر۔

تبصرہ:

اسے ہم درج ذیل نقاط میں رد کر سکتے ہیں:

پہلا نقطہ:

مصنف نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کی ضرورت ہے، بلکہ یہ کہا کہ (ہمیں کسی قدر نفسیاتی اور فکری سکون، اسی طرح غیر جانبداری اور فرد یا خاندان یا قبائلی مفادات سے بالاتر ہونے کی ضرورت ہے)۔

جبکہ واجب تو یہ تھا کہ مصنف کہتے کہ ہمیں اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت اور صحابہ کے منہج کی ضرورت ہے، کیوں کہ اسی میں سلامتی اور ہدایت ہے، اور شرعی سیاست اور تمام دیگر مسائل میں صحیح اور بالغ نقطہ نظر سب اسی میں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى [123] وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً

ضَنكًا وَنَحشُرُهُ يَومَ القِيَامَةِ أَعمَى) ترجمہ: پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پوری طرح پیروی کی تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔ [123] اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔(طہ: ۱۲۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِذَا جَاءَهُم أَمرٌ مِنَ الأَمنِ أَوِ الخَوفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَو رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الأَمرِ مِنهُم لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَستَنبِطُونَهُ مِنهُم وَلَولَا فَضلُ اللَّهِ عَلَيكُم وَرَحمَتُهُ لَاتَّبَعتُمُ الشَّيطَانَ إِلَّا قَلِيلًا) ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔(النساء: ۸۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(كِتَابٌ أُنزِلَ إِلَيكَ فَلَا يَكُن فِي صَدرِكَ حَرَجٌ مِنهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكرَى لِلمُؤمِنِينَ[2] اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيكُم مِن رَبِّكُم وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَولِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ) ترجمہ: ایک عظیم کتاب ہے جو تیری طرف نازل کی گئی ہے، تو تیرے سینے میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے اور ایمان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ [2] اس کے پیچھے چلو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو۔ بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔(الاعراف: ۳)۔

اسی طرح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تركتُ فيكم شيئَينِ، لن تضِلوا بعدهما: كتابَ اللهِ، وسُنَّتي، ولن يتفرَّقا حتى يَرِدا عليَّ الحوضَ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے درمیان میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں انہیں جب تک تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت، اور یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے جب تک کہ حوض پر نہ آجائیں۔ (مستدرک حاکم: ۳۱۹)۔

دوسرا نقطہ:

سوال یہ ہیکہ کیا اس وقت امت مسلمہ کو انقلاب و بغاوت اور جمہوریت کی ضرورت ہے جیسا کہ مصنف کا دعوی ہے؟

آخر مصنف کو انقلاب اور مغربی سیکرلر جمہوریت سے اتنی رغبت کیوں ہے؟!

اس جمہوریت کا بانی کون ہے جسکی آپ دعوت دیتے پھر رہے ہیں، اس کا دفاع کر رہے ہیں اور اسکے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کو واجب ٹھہرا رہے ہیں؟!

واقعی یہ افسوس ناک بات ہے کہ آج ہم کتاب وسنت اور منہج سلف کو چھوڑ کر انقلاب و بغاوت اور جمہوریت کی دعوت دے رہے ہیں! یقینا جو بھی تھوڑا عقل اور ہوش وحواس والا ہوگا وہ ایسے لوگوں کی دعوت سے دور رہے گا اور سیکولر داعیوں سے عبرت پکڑے گا!

مصنف اور دیگر تمام اہل اسلام پر واجب ہیکہ وہ وحی الہی کتاب وسنت میں غور وفکر اور تدبر

کریں، اسی پر عمل کریں اور اسی کی طرف دعوت دیں، اور انکے سوا دوسرے افکار ونظریات کو ترک کردیں، بروز قیامت ہر چیز کے بارے میں سوال ہوگا۔

تیسرا نقطہ:

مصنف نے کہا: (ساتھ ہی معاشرے کے مختلف ثقافتوں، اس کی ساخت اور اس کے معاشی اور سماجی حالات کے کسی خاص طرز واسلوب کو عام کئے بغیر)۔

مصنف سے کہا جائے گا کہ تمام معاشروں پر کتاب وسنت کو عام کرنا ضروری ہے، اور مصنف نے جو تعبیر استعمال کی ہے وہ فاسد معنوں پر مشتمل ہے، سیاست شرعیہ پر جو بھی کلام کرے اس پر واجب ہیکہ وہ شریعت اسلامیہ کے کمال وشمول پر بات کرے اور ہر زمان ومکان کیلئے اسے بہتر اور لائق ومناسب بتائے، اور جو لوگ شریعت کو ترک کرکے غیر اللہ کی طرف فیصلے کیلئے جاتے ہیں انہیں آگاہ کرے، اسی طرح ان لوگوں کو بھی آگاہ کرے جو دستور سازی اور قانون سازی محض قرآن و سنت کو ترک کرکے انسانی آراء واقوال کا شکار لیتے ہیں۔



مصنف کی حیرانگی

مصنف کی حیرانگی اور بے چینی اسکے لفظ لفظ سے ظاہر ہوتی ہے، یہ دراصل نفسیاتی تضاد کا نتیجہ ہے کیوں کہ مصنف نے علوم وثقافت کو جس طرح علمائے توحید سے حاصل کیا ہے اسی طرح دوسری جانب افکار منحرف کے حاملین سے بھی بہت کچھ سیکھا اور اپنایا ہے۔

جیسے کہ مصنف نے ص ۱۷/ پر کہا:

(دانشور اور فقیہ کی حیرانگی: دوسری عالمی جنگ کے بعد فرانسوفوریہ François Furet نے ایک مضمون لکھا کہ جس کا عنوان تھا:" دوسری عالمی جنگ کے بعد دانشوروں کی حیرانگی"، اسی طرح سامراج کے خلاف جزائری انقلاب و بغاوت کے بعد مالک بن نبی نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا:" انقلاب کے بعد جزائری دانشوروں کی حیرانگی"، اور اس وقت ہم عرب انقلاب کے بہار سے گزر رہے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ یہاں بھی ایک وقت آئے گا کہ اسی طرح ایل مضمون لکھا جائے جس کا عنوان ہو؛" عرب انقلاب کے بعد دانشوروں کی حیرانگی"، یہ حیرانگی اس سے نکلنے کی ہوگی، تعمیر مفاہیم کے اعادے کی حیرانگی، انقلاب کی حقیقت کے تصور کی حیرانگی، تعلقات، حلیفوں، دوستوں اور دشمنوں کی ترتیب سازی کی حیرانگی)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا: (اور اس وقت ہم عرب انقلاب کے بہار سے گزر رہے ہیں)۔

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے کہا کہ (جو لوگ حالیہ بغاوتوں اور انقلابوں کو عرب بہار یہ کا نام

دے رہے ہیں وہ دراصل وہ کفار ہیں جنہوں نے اسکی آگ بھڑکائی ہے، یہ انہیں کفار کیلئے بہار ہے، مسلمانوں کیلئے بہار نہیں بلکہ فتنہ وفساد اور ضلالت وگمراہی ہے جس نے خود انہیں کے ممالک کو تہ و بالا کر دیا، انہیں منتشر اور بکھیر کر رکھ دیا، انکے گھروں کو تباہ کر دیا، انکی اقتصاد ومعیشت برباد ہوگئی انہیں خود ان کے دیار سے نکل کر در در کی ٹھوکر کھانا پڑا)۔

حقیقت یہ ہیکہ مصنف خود ان بغاوتوں کے ذمہ داروں میں شامل ہے جنہوں نے مذکورہ فساد کے بعد مسلمانوں کو اس حالت تک پہونچایا، اور آج اسی لئے مصنف ہر طرح کی حیرانگی کا شکار ہے حتی کہ نصوص شرعیہ اور اہل علم کے کلام کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ نہیں کرسکا۔

جو شخص ہدایت اور منہج ربانی پر قائم رہتا ہے اور علمائے راسخین کے طریقے پر گامزن ہوتا ہے وہ کبھی بھی حیرانگی کا شکار نہیں ہوتا، وہ مومن کبھی بھی حیران اور بے چین نہیں ہوتا جو قرآن حدیث سے روشنی حاصل کرتا ہے، حیران و بے چین وہ شخص ہوتا ہے جو وحی الہی سے اعراض کرکے ملاحدہ وکفار کے اقوال وآراء کے پیچ سرگرداں رہتا ہے؛ ارشاد باری تعالی ہے:(فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى) ترجمہ: جس نے میری ہدایت کی پوری طرح پیروی کی تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔(طہ:۱۲۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى[2] وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى[3] إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى) ترجمہ: تمہارا ساتھی (رسول) نہ راہ بھولا ہے اور نہ غلط راستے پر چلا ہے۔[2] اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔[3] وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔(النجم:۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ

لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) ترجمہ: اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ کسی قوم کو اس کے بعد گمراہ کردے کہ انھیں ہدایت دے چکا ہو، یہاں تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح کردے جن سے وہ بچیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (التوبہ: ۱۱۵)۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کی اس حیرانگی کے بعد پھر اس سے کسی چیز ہی توقع ہو کی جا سکتی ہے؟

جواب: اپنی اس کتاب کے اندر جس حیرانگی اور بے چینی کو ثابت کیا ہے اسے بڑی چالاکی اور عیارری کے ساتھ قاری تک منتقل کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی مصنف کا اصل مقصود ہے، تاکہ مصنف کو راحت اور سکون مل سکے۔

اسی لئے جب مذکورہ بے چینی کو ثابت کر کے اور تعلقات کو ترتیب دینے کے بعد مصنف نے ص ۱۸ اپر کہا:

(پھر عرب بہاریہ کی تبدیلی کے سائے میں ہمیں ضرورت ہوگی کہ منصہ شہود پر ایسے فقہاء ظہور پذیر ہوں جو دقیق نظر و فکر اور جدید ثقافت کے حامل ہوں، ساتھ میں عدل وانصاف اور اخلاقی کردار کے بھی پیکر ہوں، اسی طرح ملکوں، معاشروں اور اداروں کا فریضہ ہیکہ وہ اقتدار پر قبضہ کرنے پر توجہ دینے سے زیادہ عدل وانصاف پر مبنی انتظامیہ کی تشکیل دیں۔

ہمیں اس وقت ایسے فقیہ کہ ضرورت ہے جو واقع حال سے زیادہ نصوص کے ساتھ تعامل برتے، اسی طرح ہمیں ایسے مفکر کی بھی ضرورت ہے جو نصوص سے زیادہ واقع حال کے ساتھ تعامل برتے)۔

میں کہتا ہوں کہ مصنف کے اس بیانیے سے درج ذیل امور کا پتہ چلتا ہے:

۱-مصنف اور اس طرح کے لوگوں کو حیرانگی اور بے چینی کے ساتھ عجلت کے ساتھ پینترا بازی کرنے اور رنگ بدلنے کا احساس ہے، اور اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہو جائے گا جو اس طرح کے لوگوں کے حالات سے آگاہ ہو گا جو وحی الہی سے اعراض کرتے ہیں، سلاطین کے جور وظلم کو نفس پر بھاری سمجھ کر سنت سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس باب میں جو بھی وحی الہی اور نصوص نبویہ کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتا ہے اسکا قدم ضرور پھسلتا ہے۔

۲- اس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک موجودہ علمائے ربانیین جو علوم دین اور امامت میں راسخ ہیں وہ کافی نہیں ہیں، اور مصنف نے اپنے اس احساس کو کئی موقعوں پر بیان بھی کیا ہے، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے رد کیا جا سکتا ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ".

ترجمہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا کوئی ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آئے (یعنی قیامت) اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔" (صحیح مسلم: ۱۹۲۰)۔

۳-مصنف نے فقیہ کے اندر چار شرطیں لگائی ہیں، جن میں ایک بھی شرط ایسی نہیں جس سے پتہ چلے کہ وہ کتاب اللہ کی معرفت رکھتا ہو۔

۴-مصنف کا سلفی منہج سے دور ہونا ہی اسکی حیرانگی اور بے چینی کا سبب ہے، اور یہ معاملہ فتنوں اور آزمائشوں کے اوقات کے علاوہ کا ہے، اور جب فتنوں اور آزمائشوں کا وقت ہوتا ہے تو معاملہ

مزید سخت ہوجاتا ہے، اوراسی لئے فتنوں کو فتنہ کہا جاتا ہے، اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ فتنے حلیم اور بردبارلوگوں کو حیران کردیتے ہیں، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ فتنوں کے وقت قتال کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ سے قتل کررہا ہے اور نہ ہی یہ پتہ ہوتا ہے کہ مقتول کو کیوں قتل کیا گیا۔(صحیح مسلم:۲۹۰۸)۔

یہ فتنوں کے وقت کی حالت ہے کہ ایک مومن اس وقت اس خوف میں رہتا ہے کہ کہیں کتاب وسنت کی ڈگر سے ہٹ نہ جائے اور پھر حیران وششدر ہوجائے۔ پھر اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو کتاب وسنت دونوں سے اعراض کرکے فلاسفہ،کفاراور منحرف افکارونظریات کے حاملین کی کتابوں پر بھروسہ کرے؟!

مصنف کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح بدعتی فلاسفہ اور انقلابیوں کی کتابوں کا دلدادہ ہے، بلکہ کفار کی کتابوں سے بھی بیحد محبت ہے، جن سے اس کتاب کے اندر بے شمار جگہوں پر نقل کیا ہے، جن سے اپنے بعض اقوال اور آراء کی تائید کی ہے!

۵-مصنف نے کہا کہ میں کوئی واعظ نہیں ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ وعظ ونصیحت کب سے باعث مذمت ہوگیا کہ اس وصف سے چھٹکارا لیا جائے؟ ہاں یہ درست ہی ہے کہ مصنف واعظ نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے قرآن وسنت سے اعراض کرکے فاسد آراء واقوال پر بھروسہ کرلیا ہے، دنیا کو بڑا سمجھ لیا کہ جس کی وجہ سے انقلاب وبغاوت تک کا قصد کرلیا ہے، جب کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) ترجمہ:اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلااوران سے

اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔ بے شک تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔(النحل:١٢٥)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:(فَقَالَ الْعِرْبَاضُ" صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ) ترجمہ: عرباض رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں دل موہ لینے والی نصیحت کی جس سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں، اور دل کانپ گئے، پھر ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تو کسی رخصت کرنے والے کی سی نصیحت ہے۔(سنن ابی داود:٤٦٠٧)۔

٦-اسی طرح مصنف نے اپنے کلام کی تائید میں اللہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:(إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ[201] وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ) ترجمہ: یقیناً جو لوگ ڈر گئے، جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی (برا) خیال چھوتا ہے وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں، پھر اچانک وہ بصیرت والے ہوتے ہیں۔ [201] اور جو ان (شیطانوں) کے بھائی ہیں وہ انھیں گمراہی میں بڑھاتے رہتے ہیں، پھر وہ کمی نہیں کرتے۔(الاعراف:٢٠٢)۔

یہ آیت کریمہ کسی طور بھی مصنف کے مراد پر دلالت نہیں کرتی ہے درج ذیل وجوہات کی روشنی میں:

پہلی وجہ: مصنف نے کتاب کے مقدمے میں اہل علم پر یہ اتہام لگایا ہے کہ وہ کچھ نصوص پر تو خوب

روشنی ڈالتے ہیں مگر کچھ نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور یہ صریح اتہام ہے اہل علم پر، اور ساتھ ہی اس میں خود پسندی چھائی ہوئی ہے۔

چنانچہ جو علماء فقہاء موجود ہیں ان سے مصنف خوش نہیں ہے بلکہ نئے سرے سے علماء وفقہاء کے لانے کا خواہش مند ہے کچھ ایسے اوصاف کے ساتھ جن سے مصنف راضی ہو۔

دوسری وجہ: اللہ کے قول (إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا) سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل تقوی ہوں گے، اور تقوی میں سے یہ بھی ہیکہ ان مسائل میں حق بیانی سے کام لیا جائے جنکی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے، انہیں میں انقلاب و بغاوت کا مسئلہ بھی ہے۔



اصلاح وتبدیلی جیسے اصطلاح کے ساتھ کھلواڑ کرنا

مصنف نے ص ۲۳ / پر کہا:

(پہلا: انقلاب سے پہلے کی اصلاح: معاشرے کیلئے بہتر آپشن یہی ہے کہ وہ تبدیلی کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہے، اور جدید تقاضوں کے قدم سے قدم ملا کر چلے، اور یقینا انسان نے بہت سارے ملکوں میں ایسے آلات ایجاد کر لئے ہیں جو معاشرے کی نبض کی پیمائش کر لیتے ہیں، اور مناسب ردعمل کا خاکہ بنا دیتے ہیں، گویا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں خیال آتا ہے اور ان کی نجی گفتگو اور ان کی بند مجلسوں میں بے ساختہ پیش آتا ہے، وہی سچی تعبیر ہے جسے فی الواقع پیش آنا چاہیے، اور یہ ترقی یافتہ مما لک میں واقع ان مراکز کا کام ہے جو ریسرچ اور تحقیق کیلئے مختص ہیں، اور جو فیصلہ سازوں کو مشورہ اور نصیحت فراہم کرنے کے ذمہ دار ہیں)۔

تبصرہ:

پہلا: "اصلاح اور تبدیلی" یہ ان رائج اصطلاحات میں سے ہیں جنہیں غیر شرعی مفہوم میں کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ اسکے بالکل برعکس معانی میں مستعمل ہوتے ہیں جس میں فساد فی الارض بھی شامل ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا) ترجمہ: اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ اور اسے خوف اور طمع سے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ (الاعراف: ۵۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ) ترجمہ: بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے، یہاں تک کہ وہ اسے بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرلے تو اسے ہٹانے کی کوئی صورت نہیں اور اس کے علاوہ ان کا کوئی مددگار نہیں ۔(الرعد:۱۱)۔

یہ اصلاح اور تغییر کے الفاظ قرآن کریم میں بھی وارد ہوئے ہیں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پر عمل بھی کیا ہے، اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بھی اس پر عمل کیا ہے، اور بعد میں آنے والے ان لوگوں نے بھی جو اسی منہج پر قائم ہیں، اور اسی صحیح معنی میں بہت سارے نصوص وارد ہوئے ہیں ۔

ان سب کے باوجود نفس پرست بدعتی اور اہل ضلالت محکم نصوص کو ترک کرکے متشابہ نصوص کے پیچھے پڑتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کر رہے ہیں، چنانچہ اصلاح کے دعوے بہت ہیں مگر اہداف و کردار مختلف ہیں، اور انکی نظر سے یہ بات اوجھل ہیکہ حقیقی اصلاح کتاب وسنت کی تطبیق اور انکی پابندی کرنے میں ہے، حقیقی اصلاح یہ ہیکہ صرف ایک ہی اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اور یہ کہ سب اسی کی شریعت کے تابع ہو جائیں، اسی کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے متبع ہو جائیں، اور کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کئے جائیں، اور تمام معاملات میں انہیں کو فیصل مانا جائے، اور قیادت و رعایا ہر اعتبار سے ملک اسی عظیم بنیاد اور اصل کی حفاظت اور پابندی کرے، یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضوں کو پورا کرے، اللہ کی شریعت اور اسکے احکام مطہرہ کو نافذ کرے۔ ارشاد باری تعالی ہے:(وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ) ترجمہ: اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے

پکڑتے ہیں اور انھوں نے نماز قائم کی، یقینا ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ (الاعراف:۱۷۰)۔

یہاں پر اللہ نے مطلق طور پر یہ نہیں کہا کہ ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتے، بلکہ انکے خاص وصف کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ اصلاح کا حقیقی معنی کیا ہے، اصلاح کا حقیقی معنی یہ ہیکہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھا جائے اور نماز کی پابندی کی جائے، تاکہ علم واعتقاد اور عمل و دعوت ہر اعتبار سے پورا دین منتظم ہو جائے۔

دوسرا: مصنف نے کہا: (گویا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں خیال آتا ہے اور ان کی نجی گفتگو اور ان کی بند مجلسوں میں بے ساختہ پیش آتا ہے، وہی سچی تعبیر ہے جسے فی الواقع پیش آنا چاہیے)۔

گویا مصنف کی خواہش ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اور انکی خاص مجلسوں میں جو باتیں چلتی ہیں انہیں فی الواقع حقیقت کا روپ اختیار کرنا چاہئے!!

میں کہتا ہوں کہ آخر کس کتاب، سنت یا عقل کی بنیاد پر اس طرح کی بات کو جائز ٹھہرایا جا سکتا ہے، کیا جس سیکولر جمہوریت کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے یہ اسی کا بالغ نقطہ نظر اور پختہ وژن ہے؟ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے:(وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ) ترجمہ: اور اگر حق ان کی خواہشوں کے پیچھے چلے تو یقینا سب آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، بگڑ جائیں، بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لے کر آئے ہیں تو وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں۔(المومنون: ۷۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ

اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ) ترجمہ: اور اگر تو ان لوگوں میں سے اکثر کا کہنا مانے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اٹکل دوڑاتے ہیں۔(الانعام:۱۱۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ) ترجمہ: پھر ہم نے تجھے (دین کے) معاملے میں ایک واضح راستے پر لگا دیا، سو اسی پر چل اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چل جو نہیں جانتے۔(الجاثیہ: ۱۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ) ترجمہ: اور بے شک بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ساتھ کچھ جانے بغیر یقینا گمراہ کرتے ہیں، بے شک تیرا رب ہی حد سے بڑھنے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔ (الانعام:۱۱۹)۔

سوال یہ ہیکہ کیا مصنف کے کہنے مطابق لوگوں کی خواہشات نفس اور میلان ورجحانات کو نافذ کرنا چاہئے؟!

مصنف کے اس کلام سے قاری کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ -مصنف کی نظر میں- ترقی یافتہ مما لک کے اندر لوگ بے پناہ نعمتوں میں عیش کررہے ہیں، کیونکہ وہاں پر عوام کی نبض کو دیکھ کر اسکی خواہشات کے مطابق اصلاح کا کام ہوتا ہے!!

لیکن میں نہیں جانتا کہ ان ملکوں میں جو ظلم وستم روا رکھا جاتا ہے، جو نسلی امتیاز برتی جاتی ہے، جس قدر عدل وانصاف کا خون ہوتا ہے، دوسرے ادیان کے پیروکاروں کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور زنا، ہم

جنس پرستی اور سود خوری وشراب نوشی جیسی سماجی برائیاں جس قدر عروج ہر ہیں انہیں مصنف نے کیسے نظر انداز کردیا؟!!

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں پر کفر وشرک کا غلبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے ساتھ مذاق اڑانا عام بات ہے!!

یا پھر مصنف کے نزدیک اصل قیمت اور وزن دنیوی امور ہی ہیں؟!!

ارشاد باری تعالی ہے:(يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ) ترجمہ: وہ دنیا کی زندگی کے کچھ ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے، وہی غافل ہیں۔ (الروم:۷)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ) ترجمہ: ان کے دلوں ہی میں ایک بیماری ہے تو اللہ نے انھیں بیماری میں اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔ (البقرہ:۱۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) ترجمہ: اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایسی روشنی بنادی جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں ہے، ان سے کسی صورت نکلنے والا نہیں۔ اسی طرح کافروں کے لیے وہ عمل خوشنما بنا دیے گئے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۲)۔

آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے جس دنیاوی قاعدے اور اصول کو ثابت کیا ہے مغربی مما لک اسی کو بنیاد بنا کر چل رہے ہیں، چنانچہ وہاں کی عوام اپنی نجی محفلوں میں جس لواطت اور ہم جنس پرستی کی بات کرتے ہیں انکی مرضی اور خواہشات کے مطابق اسی کو حکومت قانون بنادیتی ہے، اور وہاں کیلئے یہی اسکی سچی تعبیر ہے۔

یہ ایک مثال ہے، ایک سچے مومن کو سوچنا چاہئے کہ مصنف آخر کس چیز کی اور کس کھلے مادر پدر وآزاد ماحول کی دعوت دے رہا ہے!!



مصنف نے ص ۲۴ / پر کہا:

(کارل مارکس کو یہ توقع تھی کہ برطانیہ اور جرمنی جیسے بڑے سرمایہ دارانہ ممالک میں انقلاب وبغاوت کی لہر آئے گی، کیونکہ انہیں ممالک میں ایک بوژوا طبقے (امیر طبقے) کے زیر تسلط ایک ایک دبا کچلا مزدور طبقہ (پرولتاریہ) زندگی بسر کررہا ہے، مگر کارل مارکس کی توقع کے مطابق ایسا کچھ نہیں ہوا، بلکہ یہ انقلاب اور بغاوت ایک کمزور مقدار طبقے (روس) میں پھوٹ پڑی، پھر وہی انقلاب چین کے اندر پہونچا، اور ایسا اس لئے ہوا کیونکہ یورپ کے حکام نے اشتراکی نظام کے خطرات کا ادراک کرلیا اور کمزور مزدور طبقے کو بہت سارے حقوق سے نواز دیا گیا جیسے کہ بامعاوضہ چھٹی، کچھ خصوصی امتیازات، اظہار رائے کی آزادی وغیرہ، اور انکے حق میں یہ چند کاروائیاں کافی تھیں اس انقلاب وبغاوت کی اس روح اور شعلے کو دبانے کیلئے جو لوگوں کے دلوں میں بھڑک رہے تھے)۔

تبصرہ:

یہاں میں قاری کو دراصل اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مصنف نے اسے دراصل بطور دلیل کھ پیش کیا ہے کہ مصنف نے اپنے جن مزعومہ اصلاحات کا ذکر اوپر کیا ہے انکی روشنی میں گویا اگر اصلاح نہ کی گئی تو پھر یہاں بھی بغاوتوں اور انقلابوں کو پھوٹ پڑنے سے کوئی نہیں روک سکتا، اور مصنف کی دلیل کارل مارکس کی توقعات اور خواہشات ہیں جو روس اور چین میں پوری ہوگئیں اور یورپ میں پوری نہیں ہوئیں کیونکہ وہاں پر جلد ہی اس جانب توجہ دے کر اصلاح کرلی گئی!!

اس قدر سنگین اور خطرناک مسائل میں مصنف نے کس کے قول کو دلیل اور مستند بنایا ہے یہ

سوچنے کی بات ہے!!

چنانچہ قاری اگر غور کرے گا تو اس حقیقت کا ادراک فورا کرلے گا کہ مصنف کے نزدیک دلائل وبراہین کے ماخذ کیا ہیں اور اسکے نزدیک وحی الہی کی کیا حیثیت ہے، نیز مشرق ومغرب کے گمراہ اسکالروں کی تحریروں کے تعلق سے مصنف کا کیا موقف اور نظریہ ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آخر وہ کون سی اصلاحات تھیں جنہیں یورپ نے کرنے میں جلدی کی؟

۱-کمزور اور مزدور طبقے کو بہت سارے حقوق سے نواز دیا گیا۔

۲-اظہار رائے کی آزادی کو یقینی بنادیا گیا۔

مصنف کی نظر میں یہی دو اصلاح کے کام تھے جن کے پورا کردینے سے مصنف کے گمان کے مطابق وہاں پر انقلاب وبغاوت کی لہر نہیں پھوٹ سکی!

جبکہ دوسری طرف مصنف ہی نے اسی کتاب میں یورپ میں آئے بہت سارے انقلابوں اور بغاوتوں کی کئی مثالیں نقل کی ہے جیسے کہ ص ۳۰ اور ۳۲ پر۔ اور یہ مصنف کا تناقض ہے، کیا مصنف نے یہ نہیں کہا کہ یورپ نے انقلاب وبغاوت کو روکنے کے لئے کئی طرح کی کارروائی کی تھی؟ تو پھر اسکے باوجود آخر یہ انقلابات کیسے پھوٹ پڑے؟!

معاملہ کچھ بھی ہو، یہاں پر مصنف نے وعدہ ووعید کو ذکر کرکے گویا حکومت وقت کو دھمکی دی ہے کہ اگر اسکی باتوں پر کان نہیں دھرا گیا تو ”عرب بہاریہ“ جیسی بغاوت پھر آسکتی ہے جسے یہ لوگ اصلاح، ترقی یا تبدیلی یا انقلاب کا نام دیتے ہیں، اللہ تعالی ہی بہتر کارساز ہے، وہ کسی سے غافل نہیں ہے۔



مصنف کے نزدیک اصلاح کے عوامل واسباب، اوران میں موجود شرعی مخالفتوں اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور دھوکے کی وضاحت

مصنف نے اصلاح کے ان عوامل کو گنایا ہے جن کی بروقت ضرورت ہے، چنانچہ ص ۲۴ پر لکھا: (سب سے بہتر آپشن یہی ہے کہ ضائع اوقات کا استغلا ل کیا جائے، اس وجہ سے نہیں کہ سماجی اور معاشی پریشانیوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی خاطر رشوت کی شکل میں لوگوں کی اجرت میں کچھ اضافہ کردیا جائے، کچھ وظیفے اور قرض حسنہ سے نواز دیا جائے، ضروریات زندگی کی بنیادی چیزوں کی قیمتوں میں کچھ کمی کردی جائے اور اسی طرح مالی خرد برد کرنے والے چھوٹے چوروں کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا جائے)۔

تبصرہ:

پہلی بات:

پہلے یہ کہ حکومت اپنی عوام کو جو کچھ بھی دیتی ہے اسے رشوت نہیں کہیں گے جیسا کہ مصنف نے باور کرانے کی کوشش کی ہے!! چنانچہ مصنف نے وظیفوں، قرضہ حسنہ، اجرت میں اضافے اور ضروریات زندگی کی بنیادی چیزوں کی قیمتوں میں کچھ کمی کردینے کو رشوت سے تعبیر کیا ہے!

جبکہ رشوت کا حکم کسی سے مخفی نہیں ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لعنت کہا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: " لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔(سنن ترمذی: ۱۳۳۷)۔

اور یہ بھی مخفی نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ مال طلب کرنے کیلئے آتے تھے؛ کسی کو دیتے تھے، نہ ہونے پر کبھی وعدہ کر لیتے تھے اور جب مال آتا تو وعدہ کے مطابق دیتے تھے اور کبھی صبر کا حکم دے دیتے تھے۔ آخر مصنف ان عطایا اور وظائف کو کیسے رشوت کہہ سکتا ہے؟!

رشوت بالکل اس سے الگ چیز ہے، رشوت ضرورت مندوں کو نہیں ذمہ داروں کو دیا جاتا ہے۔

بعد میں آنے والے خلفائے راشدین نے بھی مال، ہدیہ اور وظیفے جاری کئے اور ان کے بعد بھی مسلم خلفاء اور حکام نے مال غنیمت اور خراج کے مال سے لوگوں میں وظیفے تقسیم کئے، تو کیا اسے رشوت کہیں گے؟!

دراصل مصنف نے حقائق کو بدلنے کی کوشش کی ہے اور چکنی چپڑی باتوں اور ملمع سازی کے ذریعے اصل ناموں کو بدلنے کی سعی نامسعود کی ہے۔

دوسری بات:

اللہ کی نعمتوں کی ناشکری میں سے یہ بھی ہے کہ ان کا انکار کر دیا جائے، ان نعمتوں کا اعتراف نہ کیا جائے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ) ترجمہ: اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو امن والی،

اطمینان والی تھی، اس کے پاس اس کا رزق کھلا ہر جگہ سے آتا تھا، تو اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا، اس کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔(النحل: ۱۱۲)۔

اسی کفران نعمت میں یہ بھی شامل ہے کہ احکام شریعت کا انکار کر دیا جائے اور انکی تنفیذ کو موخر کرنے کا مشورہ دیا جائے، جیسا کہ مصنف نے متعدد حیلوں اور بہانوں سے ثابت کیا ہے جسکی تفصیل ان شاءاللہ آئے گی۔

اسی کفران نعمت میں سے حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے، چنانچہ اگر حکومت اپنی رعایا کو مال اور وظیفوں سے نوازتی ہے تو اسے رشوت کہہ کر حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، ضروری ہے کہ پہلے اللہ کا پھر ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا جائے جن کے ہاتھوں یہ خیر کے کام انجام پا رہے ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرے گا“۔(سنن ترمذی: ۱۹۵۴)۔

(یعنی جو اللہ کے بندوں کا ان کے توسط سے ملنے والی کسی نعمت پر شکر گزار نہ ہو حالانکہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تو ایسے شخص سے یہ کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اللہ کا شکر گزار بندہ ہو گا؟ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کا شکر اس احسان پر جو اللہ نے اس پر کیا ہے نہیں قبول کرے گا، جب تک کہ بندہ لوگوں کے احسان کا شکر ادا نہ کرے۔ مترجم)۔

تیسری بات:

مصنف نے اپنے اعتقاد اور گمان کے مطابق اصلاح کے چند عوامل کا ذکر کیا ہے جو اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱-سختی اور زیادتی کرنے میں کمی کی جائے۔

۲-مال و دولت کو اپنا سمجھ کر اس پر قبضہ نہ جمایا جائے۔

۳-سیاست اور اظہار رائے کی آزادی کو یقینی بنایا جائے۔

۴-سیاسی اور معاشی سرگرمیوں سے قبضہ کو ختم کیا جائے۔

۵-شہری حقوق عدل وانصاف اور قانون کی بالا دستی کو لیکر بڑے پیمانے پر تنازل اختیار کیا جائے۔

۶-حاکم اور محکوم کے درمیان تعلقات کو لیکر تشکیل نو کی جائے جس سے سختی اور جبر کا خاتمہ ہو۔

۷-تکثیریت اور اختلاف کو قبول کیا جائے۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہی اصلاح ہے یا یہ فساد ہے؟

کیا دنیاوی امور کو اخروی امور پر مقدم کرنے کو اصلاح کہتے ہیں؟

کیا رسولوں اور انکے وارثین کی یہی اصلاحی دعوت ہے؟!

یہ ساری مجمل باتیں جنہیں مصنف نے اصلاح کے نام پر پیش کیا ہے اس میں وہ حقیقی اصلاح بالکل نہیں ہے جس کا حکم شریعت نے ہمیں دیا ہے، کیونکہ اس کے اندر نہ تو مصنف نے اللہ کیلئے اخلاص عبادت کا ذکر کیا ہے، اور نہ ہی ابطال شرک کا، نہ ہی تمام فیصلوں میں کتاب وسنت کو فیصل ماننے کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی اپنے تمام معاملات میں اللہ اور اسکے رسول کی طرف رجوع کرنے کا

ذکر کیا ہے، نہ تو گناہوں سے توبہ کرنے کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی اخلاق و کردار کے سنورنے کا ذکر کیا ہے، بلکہ شہری کچھ مجمل اور محتمل چیزوں کا ذکر کیا ہے جن میں کچھ حق ہیں تو کچھ کے اندر باطل کا شائبہ ہے، بلکہ ان میں حق کے مقابلے باطل کی کثرت ہے، اسے نہ تو مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت کہیں گے اور نہ ہی ایسی چیزوں کا قبول کرنا جائز ہے۔

بلکہ ان امور میں مزید غور کرنے سے لگے گا کہ یہ بعینہ وہی امور ہیں جن کا مطالبہ ملحدین اور لبرل طبقہ کرتا رہتا ہے، اور مصنف کی بھی یہی پختہ و بالغ نقطہ نظر اور وژن ہے! جس کے اندر شرعی احکام کی پابندی سے یکلخت اغماض برتا گیا ہے، اور مصنف کی حقیقت حالت اور اسکے مقصد کو سمجھنے کیلئے صرف یہی کافی ہے جسکے لئے حصول اور رواج دینے کیلئے وہ کوشاں ہے۔

*مصنف کے مزعومہ اصلاحی عوامل کے نقل کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلق سے ان علمائے ربانیین اور راسخین فی العلم کے اقوال بھی نقل کر دیئے جائیں جو کہ درج ذیل ہیں:

-ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ) ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت ڈالو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ (البقرہ: ۱۱)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں سے ہی متعلق ہے ان کا فساد، کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان میں اصلاح سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت واصلاح پر ہیں۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ ہم مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ [تفسیر ابن جریر الطبری:۲۸۸/۱]۔

- علامہ شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے خاتمے میں "تفسیر کے اصول وکلیات" کے عنوان سے کہا: .... اور اللہ نے اصلاح کا حکم دیا ہے اور مصلحین کے کاموں کی پذیرائی کی ہے، اور یہ خبر دی ہے کہ وہ انکے اجرو نیکی کو ضائع نہیں کرے گا، اور اصلاح یہ ہیکہ ہم لوگوں کے عقائد واخلاق اور انکے تمام احوال کی اصلاح کریں، اور اصلاح کے عمل میں دینی اور دنیوی تمام امور شامل ہیں، اسی طرح انفرادی اور جماعتی اصلاح بھی داخل ہے، اور اصلاح فساد کا ضد ہے، جس سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے، اور مفسدین کی مذمت کی گئی ہے، اور انکی متعدد سزائیں بتائی گئی ہیں، اور یہ خبر دیا ہے کہ انکے دینی اور دنیوی کسی بھی عمل کو درست نہیں کرے گا۔ (تفسیر السعدی:۱/ ۹۴۲)۔



مصنف نے ص ۲۴ / پر کہا:

(اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ استبدادی اور ظالم نظاموں کیلئے درپیش مسائل اور حالات ظروف کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا ہے، لہذا وہ ان سے نپٹنے کیلئے اقدام کرنے سے گھبراتے ہیں کہ کہیں معاملات مزید سنگین نہ ہو جائیں، اور اس وقت وہ اصلاح کو اپنی شکست سمجھتے ہیں، اور یہ کہ پہلا اقدام زیادہ خطرناک ہے، لہذا جب وہ مصالحت کیلئے ایک قدم بھی آگے بڑھیں تو اس وقت آپ خود کو زمین پر گرا ہوا پائیں گے۔

اسلئے سب سے بہتر آپشن یہی ہے کہ ضائع اوقات کا استغلا ل کیا جائے، اس وجہ سے نہیں کہ سماجی اور معاشی پریشانیوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی خاطر رشوت کی شکل میں لوگوں کی اجرت میں کچھ اضافہ کر دیا جائے، کچھ وظیفے اور قرض حسنہ سے نواز دیا جائے، ضروریات زندگی کی بنیادی چیزوں کی قیمتوں میں کچھ کمی کر دی جائے اور اسی طرح مالی خرد برد کرنے والے چھوٹے چوروں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا جائے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر مرکزی بنیادی اصلاحات کیلئے کوششیں ہونی چاہئے)۔

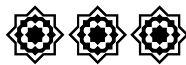
تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے (استبدادی اور ظالم نظاموں) کہہ کر حالیہ مسلم ملکوں کے درمیان قاری کو مغالطے میں ڈال دیا ہے، کیونکہ ان ملکوں میں کچھ نظام ایسے ہیں جو بالکلیہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں جیسے کہ وہ نظام جو نصیریہ اور امامیہ جیسے باطنی فرقوں کے عقائد اور اصولوں پر قائم ہیں، اور کچھ ایسے نہیں ہیں، اور انہیں مسلم ملکوں مین خلیجی مما لک بھی ہیں، بطور خاص مملکت سعودی عرب کہ مصنف نے جسے

مستثنی نہ کر کے اس ملک کی شان میں بہت بڑی گستاخی کی ہے، کیوں کہ اس نے اسے بھی استبدادی نظام کہہ دیا ہے، چنانچہ قاری مصنف کے کلام پر غور کرے گا تو واضح ہو جائے گا کہ مصنف اپنے خارجی افکار ونظریات سے باہر نہیں نکل سکا ہے جو کہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مصنف کے غیر جانبداری کا ڈھنڈھورا محض دعوی ہے جو ان سطور کے نذر ہو گیا ہے۔

حق ہی دراصل لائق اتباع ہے، اور یہاں حق وہ نہیں جسے مصنف نے اصلاح کے نام پر پیش کیا ہے، بلکہ اصلاح کہتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کے اوامر واحکام کی تنفیذ کی جائے، اور یہی تمام حکام پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کی تنفیذ کی کوشش کریں اور رعایا کو اس کا پابند بنائیں۔

مسئلہ یہ ہیکہ اور حاضر میں اصلاح کے نام پر ہر کوئی ڈھنڈھورا پیٹتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ اسی کی پیش کردہ اصلاحی ایجنڈا بہتر ہے، اور وہ انسانی اقوال وآراء سے اسے اس قدر مزین بنا کر لاتا ہے جو اللہ کی شریعت سے کوسوں دور ہوتا ہے، جب کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت موجود ہے، کسی کا بھی قول اور رائے ہو سب کو انہیں دونوں معیار پر پیش کر کے انکا محاکمہ کیا جائے گا۔



مصنف نے آگے ص ۲۵/ پر کہا:

(موجودہ حکومتوں سے بہت سے لوگ اپنے ہاتھ کھینچ لئے کیونکہ ساتھ میں سالوں سال تک رہ کر تبدیلی کو لیکر ان سے ان کا اعتماد ختم ہو گیا)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف نے جن لوگوں کی طرف یہ اشارہ کیا کہ انہوں نے موجودہ حکومتوں سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے، انکے عقائد اور مناہج کی وضاحت نہیں کی ہے کہ کیا وہ مسلمان ہیں یا کفار؟

اور اگر وہ مسلمان ہیں تو کیا وہ اہل سنت والجماعہ میں سے ہیں یا وہ خوارج، معتزلہ اور روافض جیسے اہل بدعت میں سے ہیں؟

یا وہ دنیا پرست ہیں جو اسکے لئے محنت کر رہے ہیں؟ یا وہ حکومت واقتدار کے طالب ہیں؟ یا یہ کہ مصنف نے اس طرح کے تمام لوگوں کو مراد لیا ہے، اور اس طرح طرح عام جامع وصف کے ذریعے سب کو اکسانا چاہا ہے، خواہ کسی کا مذہب، عقیدہ اور مقصد کچھ بھی ہو؟!

اور کیا جب ان لوگوں نے حکومتوں سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے تو اس طرح حق پر ہیں یا باطل پر؟

اور یہ کہ حکومتوں سے ہاتھ کھینچنے سے یہاں کیا مراد ہے؟

کیا اس سے مراد بیعت توڑ کر امت محمدیہ پر تلوار اٹھانا مراد ہے یا پھر حکومتوں کی کمزوری یا کسی کمی کو لیکر مسلمانوں کی جماعت سے خروج کرنا مراد ہے؟

جبکہ صحیح روایتوں کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ كَرِهَ

مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا، فَمَاتَ عَلَيْهِ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے حاکم سے بری بات دیکھے وہ صبر کرے کیونکہ جو کوئی بادشاہ سے بالشت بھر جدا ہو پھر مرے اسی حالت میں، اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی۔ (صحیح بخاری: ۷۰۵۳، صحیح مسلم: ۱۸۴۹)۔

نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت سے خروج کرنا جاہلیت ہے ہلاکت ہے، مگر مصنف نے یہ واضح نہیں کیا جماعت سے خروج یا حکومت کے خلاف خروج کرنے یا پھر مصنف کے الفاظ میں حکومتوں سے ہاتھ کھینچنے کے تعلق سے نصوص میں کیا وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

اور یہ کہ یہ لوگ جو حکومتوں سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں وہ پھر کیا کرتے ہیں؟

مسلمانوں نے تو ایسے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے مسلم حکمرانوں سے ہاتھ کھینچنے کے بعد کفار ومنافقین اور اعدائے اسلام سے جا کر ہاتھ ملا لیا ہے، اور بلاد کفر میں جا کر مسلم ملکوں کے خلاف کانفرس اور سمینار منعقد کیا ہے، اور وہاں پر یہود ونصاری کے ساتھ اتحاد کیا ہے!!

مصنف نے تو کہا تھا کہ میں کسی خاص علاقائی حالات وظروف پر گفتگو نہیں کروں گا پھر یہاں پر خاص ملک اور حاکم سے ہاتھ کھینچنے کی بات مصنف کیوں کر رہا ہے؟!

دراصل انقلاب و بغاوت سے پہلے کی یہ اصلاحی کوشش ہے، جس کے اندر مصنف نے اپنے رفقاء کار اور اپنے ہم فکر لوگوں کو ایک پلیٹ پر متحد کرنا چاہا ہے کہ بغاوت سے پہلے اصلاح کے نام پر کن کن چیزوں کا مطالبہ کرنا ہے، پھر اسکے بعد دوسرے مراحل آتے ہیں، خلاصہ یہ کہ مصنف کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ صرف بغاوت اور خروج کو عملی جامہ پہنانا ہے۔

یقینا ایسے لوگ خائب وخاسر رہے ہیں ہر دور میں جنہوں نے مسلمانوں کے ملکوں کے ساتھ شر وفساد کا ارادہ کیا اور ان کے خلاف سازش کی ہے!

سچ کہا تھا ابو قلابہ جرمی نے جسے امام ہروی نے اپنی کتاب" احادیث فی ذم الکلام واھلہ" کے اندر ایوب سختیانی رحمہ اللہ کی طریق سے نقل کیا ہے کہ ابو قلابہ رحمہ اللہ نے کہا کہ نفس پرست گمراہ ہوتے ہیں، میں ان کا انجام دوزخ کے سوا کچھ نہیں دیکھا، آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ان میں سے جو بھی غلو کر کے آگے نکلا ہے اس نے امت مسلمہ پر تلوار اٹھانے کو جائز سمجھا ہے، اور نفاق کی بہت ساری قسمیں ہیں، پھر آپ نے اللہ کے اس قول کی تلاوت کی:(وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ) ترجمہ: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ یقینا اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے کچھ عطا فرمایا تو ہم ضرور ہی صدقہ کریں گے اور ضرور ہی نیک لوگوں سے ہو جائیں گے۔(التوبہ:۷۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ) ترجمہ: اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ (تو) ایک کان ہے۔ کہہ دے تمھارے لیے بھلائی کا کان ہے۔(التوبہ:۶۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ) ترجمہ: اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو تجھ پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں۔(التوبہ:۵۸)۔

انکی باتوں میں اختلاف ہوا اور وہ شک وتکذیب میں پڑ گئے، اور ان خوارج نے اختلاف کیا تو امت مسلمہ کے خلاف تلوار اٹھانے کے قائل ہو گئے۔(احادیث فی ذم الکلام واھلہ للھروی: ۵ / ۴۲)۔

امام فریابی نے کتاب القدر میں نقل کیا ہے کہ سلام بن ابی مطیع نے کہا کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ تمام اہل بدعت کو خوارج کہتے اور فرماتے کہ ان سب کے نام الگ الگ ہیں مگر تلوار اٹھانے میں سب متفق ہیں۔

اور اسی طرح سے ابوقلابہ رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔(کتاب القدر للفریابی ۳۳۶)۔



مصنف نے آگے ص ۲۵ / پر کہا:

(اور جب خراسان کے گورنر جراح بن عبد اللہ نے عمر بن عبد العزیز کے پاس لکھا.....) پھر اسکے بعد عمر بن عبد العزیز کی جانب سے اس خط کا جواب نقل کیا: (اللہ کے بندے امیر المومنین عمر کی طرف سے جراح بن عبد اللہ کی جانب، تم پر سلامتی ہو، سلام کے بعد عرض ہے کہ تمہارا خط مجھے موصول ہوا، تم نے یہ ذکر کیا کہ خراسان کے لوگ خراب ہو چکے ہیں ان کی اصلاح اب تلوار اور کوڑے ہی سے ہو سکتی ہے، اور اسکے لئے مجھ سے تم نے اجازت مانگی ہے، جراح! تم جھوٹے ہو، انکی اصلاح عدل و انصاف اور حق کے ذریعے ہو گی، اس لئے انکے ساتھ کشادہ دلی سے پیش آؤ، والسلام)۔

تبصرہ:

عمر بن عبد العزیز کا یہ قول (انکی اصلاح عدل و انصاف اور حق کے ذریعے ہو گی) بہت ہی عظیم اور درست کلام ہے، اور یہ عدل و انصاف اور حق کی بات شریعت میں معروف ہے، یہ کسی کی خواہشات نفس کے مطابق نہیں ہے، اور عدل و انصاف اور حق میں حدود شرعیہ کا نفاذ بھی شامل ہے جسے مصنف نے ہلکا کر کے پیش کیا ہے، اور حق اور عدل و انصاف ہی میں اہل بدعت اور نفس پرستوں کو سزا دینا بھی شامل ہے، اور اہل بدعت کے ساتھ عمر بن عبد العزیز کا سخت موقف معروف ہے، جو کہ مصنف کو بالکل اچھا نہیں لگے گا، کیونکہ مصنف تو تعدد احزاب اور اظہار رائے کی آزادی کیلئے کوشاں ہے، مصنف کے نزدیک اعدائے ملت سے مقابلہ کرنے کا کوئی ایجنڈا نہیں ہے، چہ جائیکہ اعدائے سنت سے نپٹنے کی بات کی جائے۔

یہاں پر میں عمر بن عبد العزیز ہی کا ایک واقعہ نقل کر رہا ہوں جس سے اہل سنت کی آنکھوں کو

ٹھنڈک ملے گی کیوں کہ اسی کے اندر حقیقی اصلاح مضمر ہے جس سے مصنف نے کلی طور پر اعراض کیا ہے؛ چنانچہ فریابی نے کتاب القدر (ص ۲۴۷) کے اندر اور امام آجری نے کتاب الشریعہ (۲/ ۹۱۷) کے اندر امام مالک کے واسطے نقل کیا ہے کہ امام مالک کے چچا ابو سہیل بن مالک نے کہا کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ چل رہا تھا، تو آپ نے اسی دوران مجھ سے قدریہ کے بارے میں مشورہ کیا، میں نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ ان سے آپ توبہ کرائیں، اگر توبہ کرلیں تو ٹھیک ورنہ انہیں قتل کردیا جائے، تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا: میری بھی یہی رائے ہے۔ اس روایت کے پیش کرنے کے بعد امام مالک نے کہا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

سورہ النحل آیت نمبر ۹۰ (إن الله يأمر بالعدل والاحسان) کی تفسیر میں کتب تفسیر کے اندر بہت سارے اقوال وارد ہوئے ہیں، ایک قول یہ ہیکہ عدل سے مراد توحید ہے، ایک قول کے مطابق انصاف ہے، اور ایک قول کے مطابق فرائض پر عمل کرنا ہے۔ اور احسان سے مراد مستحبات پر عمل کرنا ہے، اور یہ سب حقوق اللہ اور حقوق العباد سب میں ہوگا، ایک قول کے مطابق فیصلوں میں عدل و انصاف کرنا مراد ہے، اور یہاں حکام مخاطب ہوں گے، اور احسان سے مراد اللہ کے تمام بندوں کے ساتھ بھلائی کرنا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔

ابن عطیہ نے کہا کہ عدل سے مراد تمام فرائض کی ادائیگی ہے خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا احکام سے، لوگوں کی امانتوں کی ادائیگی ہے، ظلم کو ترک کرنا اور انصاف سے پیش آنا نیز حقوق کی ادائیگی ہے، اور احسان سے مراد ہر مستحب کام کا کرنا ہے۔

چنانچہ عدل سے مراد یہی سب ہے جسکی طرف عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے مصلح حکام نے دعوت دی ہے۔

مصنف کے انحرافات میں سے اس کا یہ اعتقاد بھی ہیکہ حاکم کی بیعت قابل فسخ ہے

چنانچہ مصنف نے آگے ص ۲۶ / پر کہا:

(تکثیریت اور اختلاف قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، اور یہ بطور مقدمہ کے ہے جسکے جس سے بے نیازی ممکن نہیں، اور یہ ایک متوازن معاشرتی معاہدہ کی شکل میں ہو جس کے اندر تمام طرح کے انسانوں کے ہموم وغموم اور مصلحتوں کیلئے جگہ ہو، اور جسکے اندر سیاسی اور ملکی امور میں مساوات کے اعتبار سے مشارکت کو لیکر سارے لوگوں کے حقوق کی ضمانت ہو، یہ معاہدہ دونوں اطراف سے یعنی سیاسی لیڈروں اور عوام کے درمیان رضامندی نیز اسکے تمام شروط اور التزامات کو پورا کرنے پر قائم ہو، تاکہ حقوق، آزادی اور امن وامان کی ضمانت کو بھی یقینی بنایا جاسکے، اور اس امن وامان کو صرف ایک خاص گروہ کے ساتھ مختص نہ کردیا جائے جس کا فیصلہ سیاسی، مالی اور اداری سطح تک محدود ہو جائے)۔

تبصرہ:

مصنف کے اس کلام پر میرے کئی وقفات ہیں:

پہلا وقفہ:

اسلام کے اندر بیعت کوئی ایسا عوض کا معاہدہ نہیں ہے جیسے ایک بائع اور مشتری کے اندر ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک عہد و پیمان ہوتا ہے جس کے اندر رعایا کشادگی تنگی اور آسانی ومشکل ہر حال میں حاکم کی اطاعت کا عہد کرتی ہے، اور بیعت کرنے والی پوری جماعت ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن میں جمع کا

صیغہ وارد ہوا ہے: (یبایعونک) سورہ الفتح: ۱۰، اسی طرح رضامندی کا ذکر ہوا تو بھی جمع کے صیغے کے ساتھ: (عن تراض منکم) سورہ النساء: ۲۹۔

دوسرا وقفہ:

مصنف نے اپنے قول (متوازن معاشرتی معاہدہ) کے ذریعے اس مغربی نظریہ کی طرف اشارہ کیا ہے جسے بہت سارے گمراہ کافروں نے وضع کیا ہے، جیسے تھومس ہوبز، جان لوک، جان جاک روسو، اور شریعت محمدیہ کی موجودگی میں ہمیں مغربی نظریات کی ضرورت نہیں ہے، بطور خاص امامت، ولایت اور جماعت جیسے سنگین امور میں، ان سب کے بارے میں شریعت کے اندر جس تفصیل اور باریکی سے وارد ہوا ہے کہ ہمیں پھر کسی انسانی کج روفکر ضرورت نہیں رہ جاتی، ارشاد باری تعالی ہے: (أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ) ترجمہ: اور کیا انھیں یہ کافی نہیں ہوا کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں یقینا ان لوگوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ (العنکبوت: ۵۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا) ترجمہ: اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔ (النساء: ۸۲)۔

تیسرا وقفہ:

مغربی فکری نظریات دراصل کفر و جہالات اور گمراہیوں کا نتیجہ ہے، اور معاشرتی معاہدہ کا نظریہ بھی یورپ کے اندر پائے گئے انہیں حالات وظروف کا نتیجہ ہے جہاں پر لوگ گمراہ عیسائیوں کے

پادری علماء کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے، جسے کلیسا کا ظلم کہا جاتا ہے، اور اس کفر کو اسلام پر قیاس کبھی نہیں کیا جاسکتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ) ترجمہ: پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔ (المائدہ: ۵۰)۔

چوتھا وقفہ:

حکمرانی کا اصل ہدف اور مقصد اقامت دین ہے نہ کہ ”حقوق، آزادی اور امن و امان کی ضمانت“ جیسا کہ مصنف کا گمان ہے، کیونکہ مصنف کے کلام میں بہت زیادہ اجمال ہے جو کئی معانی کا محتمل ہے، اسی لئے یہ تفصیل طلب ہے، البتہ اقامت دین اور اس پر عمل پیرا ہونا قرآن وسنت سے ثابت ہے، اور اسی پر سلف امت کا اجماع بھی ہے، اور اسی پر خلفائے راشدین اور اس امت کے بادشاہوں نے عمل کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ) ترجمہ: اے داوٗد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقینا وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔ (ص: ۲۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ) ترجمہ: اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا تاکیدی حکم اس نے

نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف کی اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا، یہ کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔(الشوری: ۱۳)۔

پانچواں وقفہ:

مصنف نے کہا: (یہ ایک متوازن معاشرتی معاہدہ کی شکل میں ہو جس کے اندر تمام طرح کے انسانوں کے ہموم وغموم اور مصلحتوں کیلئے جگہ ہو، اور جسکے اندر سیاسی اور ملکی امور میں مساوات کے اعتبار سے مشارکت کو لیکر سارے لوگوں کے حقوق کی ضمانت ہو)۔

مصنف کے اس کلام کے اندر اسلامی حکومت کے اندر تمام اہل بدعت کی مشارکت کو یقینی بنایا گیا ہے، بلکہ کفار کی مشارکت کو بھی قبول کیا گیا ہے، جبکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا) ترجمہ: اور اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔(النساء: ۱۴۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے۔(آل عمران: ۱۱۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ) ترجمہ: اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناوہ ان میں سے ہے۔(المائدہ: ۵۲)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔(الممتحنہ: ۱)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ:" قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ إِلَى أُولُو الأَلْبَابِ سورة آل عمران آية 7، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ (هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات) سے لے کر (أولو الألباب) تک تلاوت کی اور فرمایا: ”جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کے پیچھے پڑتے ہوں تو جان لو کہ یہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے نام لیا ہے تو ان سے بچو“۔ (سنن ابی داود: ۴۵۹۸)۔

(محکم آیات کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگنا تمام بدعتیوں کی عادت ہے، وہ قدیم ہوں یا جدید ان سے دور رہنے کا حکم ہے۔ مترجم)۔

مصنف نے یہاں پر اہل بدعت کو قریب کرنے کی کوشش کی ہے، افکار منحرفہ کے حاملین کی شان کو بلند کیا ہے، اور نظام حکمرانی جیسے سنگین معاملے میں مصنف نے مغربی لادینی سیکولر نظریہ حکمرانی کو دلیل اور حجت بنایا ہے، جسے اس کتاب کے اندر متوازن معاشرتی معاہدہ کے نام سے یاد کیا ہے، اس نظام کے اندر کم عقل، بیوقوف، فاسق و فاجر سے لیکر اہل کفر و شرک اور اہل بدعت تک سب شریک ہوتے ہیں، بلکہ یہی لوگ اہل حل وعقد میں شمار ہوں گے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بشر مریسی کے ساتھیوں، اہل بدعت اور نفس

پرستوں میں سے کسی سے بھی مسلمانوں کے امور میں سے کسی بھی امر میں کسی طرح کی کوئی مدد لینا مناسب نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے دین اور مسلمانوں کیلئے بہت بڑا نقصان ہے۔(سیر اعلام النبلاء: ۱۱/ ۲۹۷)۔

چھٹا وقفہ:

معاشرتی معاہدہ کے نظریہ کا کھوکھلا پن کہ جس پر بعض فلاسفہ نے ہر طرح سے یقین کیا ہے، اور جس بنیاد پر سیکولر جمہوریت کے سارے ارکان قائم ہیں، جس میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ حاکم قوم کی طرف سے مجرد ایک وکیل اور نمائندہ ہوتا ہے، جو انکی مصلحتوں کی تنفیذ کرتا ہے۔

جبکہ شریعت محمدیہ میں یہ ثابت ہیکہ حکام لوگوں کی طرف سے مجرد وکیل اور نمائندہ نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ بغیر کسی کی مرضی کے اللہ کے احکام اور اسکی شریعت کو اسکے بندوں پر نافذ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ حکام اللہ کے نائب ہیں جو اسکی شریعت کا نفاذ کرتے ہیں۔(السیاسۃ الشرعیہ، ص ۳۷)۔

اور یہ چیز معاشرتی معاہدے میں مفقود ہے، اسلئے ایسے باطل نظریات وافکار سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اور ان دعاۃ سوء سے دور رہنے کی ضرورت ہے جو مغربی افکار ونظریات کے حامل ہیں اور انہیں گمراہیوں کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

نظام حکمرانی کو شریعت کی روشنی میں ثابت کرنے سے حکام کی نہ تو کوئی تقدیس لازم آتی ہے اور نہ ہی کسی بندگی کا سبب جیسا کہ مصنف نے اس طرح کے بیہودہ الزامات لگا کر سلف صالح کے منہج کو بدنما کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، جیسا کہ آئے گا، کیونکہ تمام سلف صالح اور ائمہ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہیکہ اللہ کی معصیت میں حاکم کی کوئی اطاعت نہیں ہے، بلکہ اللہ کی معصیت میں کسی بھی مخلوق کی

اطاعت نہیں ہے۔

اور جو کچھ یورپ کے اندر اہل کلیسا کی طرف سے لوگوں پر ظلم وزیادتی ہوئی اسے اہل اسلام پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اور جو کچھ بلاد کفر میں ہوا اسے بلاد اسلام کیلئے حجت نہیں بنایا جائے گا، کیوں کہ یورپ کے اندر دین کے نام پر گمراہ اور منحرف نصرانیت رائج تھی جس کے اندر کفر وضلالت کی ساری شکلیں موجود ہیں، اسی لئے اللہ نے ان پر ظالم پادریوں اور اہل کلیسا کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان پر ہر ظلم کو روا رکھا، جبکہ مسلمان صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کی معصیت میں اپنے حکام کی اطاعت نہیں کرتے، اس لئے مسلمانوں کو کفر وضلالت کے دیار سے کسی نئے نظام کی حاجت نہیں ہے۔

ہاں مسلمانوں کے اندر بھی ظلم وجور اور اسلام سے خروج کے ایسے کچھ حالات ہوسکتے ہیں جنکی وجہ سے کچھ دنیوی سزا دی جائے جیسے کہ حکام کا ظلم، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:" يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ، خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ، لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، حَتَّى يُعْلِنُوا، بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ، الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ، وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ، وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللَّهِ، وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ

بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "مہاجرین کی جماعت! پانچ باتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے، اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تم اس میں مبتلا ہو، (وہ پانچ باتیں یہ ہیں) پہلی یہ کہ جب کسی قوم میں علانیہ فحش (فسق و فجور اور زناکاری) ہونے لگ جائے، تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں جو ان سے پہلے کے لوگوں میں نہ تھیں، دوسری یہ کہ جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگ جاتے ہیں تو وہ قحط، معاشی تنگی اور اپنے حکمرانوں کی زیادتی کا شکار ہو جاتے ہیں، تیسری یہ کہ جب لوگ اپنے مالوں کی زکاۃ ادا نہیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو روک دیتا ہے، اور اگر زمین پر چوپائے نہ ہوتے تو آسمان سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا، چوتھی یہ کہ جب لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے علاوہ لوگوں میں سے کسی دشمن کو مسلط کر دیتا ہے، وہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے چھین لیتا ہے، پانچویں یہ کہ جب ان کے حکمراں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، اور اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کو اختیار نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دیتا ہے"۔ (سنن ابن ماجہ:۴۰۱۹)۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ لوگو! اللہ کی قسم! اللہ نے حجاج کو تم پر صرف بطور سزا کے مسلط کیا ہے، اسلئے اللہ کی سزا کا مقابلہ تلوار سے نہ کرو، بلکہ دعا سے کرو۔ (الطبقات لابن سعد: ۷/ ۱۶۴)۔

معلوم ہوا کہ پریشانیوں، تکلیفوں اور حکام کے جور وظلم سے نکلنے کی صرف یہی صورت ہیکہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، توبہ و استغفار کیا جائے اور استقامت دین اختیار کیا جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) ترجمہ: اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔ (النور: ۵۵)۔



مصنف نے آگے ص ۲٦/ پر کہا:

(عرب قوم اپنے حالیہ انقلابات میں کہہ رہی ہے کہ آنے والے دن کیسے بھی ہوں گے وہ ان دنوں سے بہتر ہوں گے جن میں ہم جی رہے ہیں، کئی دہائیوں سے بلند بانگ دعووں کا نتیجہ سوائے شکست وہزیمت اور احساس کہتری کے کچھ حاصل نہیں ہوا، بلکہ مزید ابتری اور فساد کا شکار ہو گئے نیز انسان دن بدن مقہور اور محتاج بنایا گیا)۔

تبصرہ:

اس پر ہم درج ذیل امور سے جواب دیں گے:

پہلا: مجہول چیزوں کی طرف قوموں کے بعض اقوال کو منسوب کیا گیا ہے، برے مقاصد اور خفیہ ایجنڈا رکھنے والوں کا مذہب اور فکر ایسے ہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی ساری باتیں عموم کے ساتھ قوم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں لیکن تحقیق کے وقت کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی؛ کیونکہ وہ محض جھوٹا دعوی ہوتا ہے اسکے پیچھے نہ کوئی حجت ہوتی ہے نہ کوئی دلیل۔

دوسرا: مصنف نے قوموں کی زبانی جن وعدوں کا ذکر کیا ہے کہ (آنے والے دن کیسے بھی ہوں گے وہ ان دنوں سے بہتر ہوں گے جن میں ہم جی رہے ہیں) تو یہ بالکل شیطان کے وعدے جیسا ہے، جسکے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا) ترجمہ: وہ انھیں وعدے دیتا ہے اور انھیں آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انھیں دھوکے کے سوا کچھ وعدہ نہیں دیتا۔(النساء:۱۲۰)۔

اور یہ بہت پرانی ابلیسی سنت ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ

أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ) ترجمہ: اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوش نما بنا دیے اور کہا آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب آنے والا نہیں اور یقینا میں تمھارا حمایتی ہوں، پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا اور اس نے کہا بے شک میں تم سے بری ہوں، بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔ (الانفال: ۴۸)۔

شیخ محمد بشیر ابراہیمی رحمہ اللہ نے کہا کہ نوجوانو! علم حاصل کرو، کھوکھلی دعوتی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کے حزبی دلالوں کے دھوکے سے دور رہو کہیں وہ تمہیں تمہارے مقاصد سے غافل نہ کر دیں، یہ تمہیں سراب کے سوا کچھ نہیں دے سکتے، خواہ انکے دعوے کچھ بھی ہوں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک ماہر شعبدہ باز اور جھوٹا ٹرک باز ہوتا ہے، اگر تم ان گمراہوں کے پیچھے لگ گئے تو تم خود کو بھی خسارے میں ڈالو گے اور اپنے وطن کو بھی برباد کر کے چھوڑو گے، اور ایک دن آئے گا جب تم اپنے کئے پر شرمندہ ہو گے لیکن اس وقت کوئی ندامت فائدہ نہیں دے گی۔ (آثار محمد البشیر الابراھیمی: ۲/ ۳۵۰)۔

تیسرا:

مصنف نے کہا: (کئی دہائیوں سے بلند بانگ دعووں کا نتیجہ سوائے شکست و ہزیمت اور احساس کہتری کے کچھ حاصل نہیں ہوا، بلکہ مزید ابتری اور فساد کا شکار ہو گئے نیز انسان دن بدن مقہور اور محتاج بنایا گیا)۔

مصنف نے جن بلند بانگ دعووں کی مذمت کی ہے اسی طرح کے بلند بانگ دعووں کے ساتھ انقلاب و بغاوت کے داعی بھی میدان میں اترتے ہیں، اور انکے بلند بانگ دعوے کچھ اس طرح ہوتے ہیں جس میں بروقت نظام کے گرانے، ڈکٹیٹر شپ کے خاتمے اور ایسی نئی حکومت کی تشکیل مقصود ہوتی ہے جو عدل و انصاف، آزادی اور شفافیت کا ترجمان ہو، منتظمہ اور مقننہ دونوں حکومتی ادارے مستقل ہوں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ مصنف کے نزدیک یہی دعوے اور نعرے ایک جگہ قابل مذمت اور دوسری جگہ قابل ستائش ہو جاتے ہیں؟

اور تعجب تو یہ ہیکہ انہیں کھوکھلے دعووں اور نعروں کی تائید خود مصنف کرتا ہے اور انکی طرف دعوت بھی دیتا ہے، اور جو سچے دعوے ہیں انکا انکار کرتا ہے، بلکہ انقلابیوں سے انہیں مذکورہ فریبی بلند بانگ دعووں کا مطالبہ کرتا ہے۔

آپ دیکھیں ذرا مصنف نے ص ۱۹۰ پر کیا کہا ہے: (اور اسی لئے انقلاب و بغاوت پھوٹتے ہیں، اور انکے آغاز میں اکثر انقلابیوں کا نعرہ عام طور پر موجودہ نظام کے گرانے اور ڈکٹیٹر شپ کے خاتمے کا ہوتا ہے، اور ایک نئی حکومت کی تشکیل مقصود ہوتی ہے جو عدل و انصاف، آزادی اور شفافیت کا ترجمان ہو، منتظمہ اور مقننہ دونوں حکومتی ادارے مستقل ہوں۔ اور یہ کچھ عام مطالبات ہوتے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہوتا ہے، اور انقلابات میں اگر انہیں دعووں کی حفاظت کر لی جائے اور انکے اندر تمام گروہ کے درمیان اتحاد باقی رہ جائے تو پھر کیا ہی بہتر ہو)۔

آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے کس طرح انہیں دعووں اور نعروں کو یہاں پر سراہا ہے جبکہ دوسری جگہوں پر اس طرح کی دعووں کی مذمت کی ہے، ایسے موقع پر میں درج ذیل اس حدیث سے بہتر جواب کوئی نہیں پاتا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتُ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ، قِيلَ: وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ؟ قَالَ: الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مکر و فریب والے سال آئیں گے، ان میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن، اور اس زمانہ میں (رویبضة) بات کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: (رویبضة) کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حقیر اور کمینہ آدمی، وہ لوگوں کے عام انتظام میں مداخلت کرے گا"۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۶)۔

میں کہتا ہوں کہ مصنف کی طرف سے یہ بہت بڑا مغالطہ اور ایک گھٹیا دوہرا معیار ہے، اسی لئے وہ اپنے مجمل اور مبہم بلند بانگ دعووں اور نعروں کی شکل میں چند فریبی مطالبات کے ذریعے لوگوں کی تربیت خیانت اور فریب پر کر رہا ہے، اور اسلام کے جو اعلی کردار اور سچے مفاہیم ہیں ان سے پہلو تہی برت رہا ہے۔



مصنف نے ص ۲۷ / پر کہا:

(جو تبدیلی کی قیمت ادا نہیں کرے گا وہ عدم تبدیلی کی قیمت ایک دن ضرور ادا کرے گا)۔

تبصرہ:

مصنف نے اپنی اس بات کو بغاوتوں اور انقلابوں کی اہمیت پر حجت اور دلیل بنایا ہے، اور یہ خود اس بات پر دلیل ہے کہ مصنف نے جس غیر جانبداری موضوعیت اور بالغ نقطہ نظر کا اپنے لئے ڈھنڈھورا پیٹا تھا وہ یہاں پر ڈھونگ اور فریب ثابت ہو رہا ہے کیونکہ یہاں پر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوری ڈھٹائی سے بغاوت اور انقلاب کی دعوت دے رہا ہے اور اس بغاوت میں حصہ نہ لینے والے کو ایک طرح سے دھمکی دی ہے کہ قوم کو اسکی بڑی قیمت چکانی پڑے گی۔

مزید یہ کہ اس پر کوئی صریح دلیل بھی نہیں اور نہ ہی کوئی واضح کلام، کیونکہ اکثر لوگوں کو یہ بالکل معلوم نہیں کہ تبدیلی کی کیا قیمت ہے، کیوں کہ مصنف کے نزدیک بغاوت کے ذریعے موجودہ نظاموں کے گرانے میں خون کی ندیاں بہانی پڑے گی، یہی وہ قیمت ہے جسے نہ پورا کرنے پر مصنف نے لوگوں کو یہ دھمکی دی ہے کہ اگر تبدیلی کی اس قیمت کو نہیں چکایا تو پھر انہیں مزید خون کی ندیاں بہانی پڑے گی، اگر وہ استبدادی نظاموں پر صبر کرتے رہے، جیسا کہ یہ کہتے ہیں، حالانکہ نصوص اسکے خلاف ہیں، کیونکہ احادیث نبویہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حکام اور سلاطین کے جور وظلم پر صبر کیا جائے گا اور صبر کرنے والوں کیلئے اجر عظیم، بہتر انجام اور نصرت و تمکین کا وعدہ کیا گیا ہے۔

جبکہ مصنف کی ساری باتیں ان احادیث کے بالکل مخالف ہیں، کیونکہ مصنف کا گمان ہیکہ حکام کے جور وظلم پر صبر کرنے والے کو اسکی بڑی قیمت چکانی پڑے گی اور صبر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں

ہے، اور یہ گمان کیا کہ صبر کرنے والے اور صبر نہ کرنے والے دونوں برابر ہیں!

دوسرے یہ کہ مصنف نے یہاں پر جاہلیت کا دعوی کیا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں (مسلمانوں) میں سب سے زیادہ مبغوض تین طرح کے لوگ ہیں۔ حرم میں زیادتی کرنے والا، دوسرا جو اسلام میں جاہلیت کی رسموں پر چلنے کا خواہشمند ہو، تیسرے وہ شخص جو کسی آدمی کا ناحق خون کرنے کے لیے اس کے پیچھے لگے۔ (صحیح بخاری: ٦٨٨٢)۔

پتہ چلا مصنف یہاں پر بلاد اسلام کے اندر بغاوتوں اور انقلابوں کے ذریعے جاہلیت کی سنت کا احیاء کرنا چاہتا ہے، اور قتل وخونریزی کو آسان بنانا چاہتا ہے یہ حجت پیش کر کے کہ یہ تبدیلی اور بدلاؤ کی قیمت ہے، اور جو مصنف کے اس مزعومہ تبدیلی کیلئے راضی نہ ہو اسکو دھمکی دی ہیکہ اسے اس سے بڑھ کر قیمت چکانی پڑے گی۔

سوال یہ ہیکہ یہ لوگ کیسی آزادی چاہتے ہیں؟

کیا یہ وہ آزادی چاہتے ہیں جس سے اللہ راضی ہو؟!

کیونکہ آزادی، سکون، کمال سعادت تو اللہ کی عبادت اور اس کی مرضی اور شریعت کی پیروی میں ہے، خواہشات نفسانی کی پیروی کر کے حقیقی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی، اور ان بغاوتوں اور

انقلابوں کو اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔



مصنف نے ص ۲۷/ پر کہا:

(اور ہم کہتے ہیں کہ بدلاؤ کی صورت اور وسائل کیسے بھی ہوں وہ ایک خطرہ (ایڈونچر) ہے جس کا سر لینا ضروری ہے)۔

تبصرہ:

یہ بدلاؤ کی اصطلاح بہت وسیع ہے جسے نفس پرست خوب استعمال کرتے ہیں، قابل غور بات یہ ہیکہ یہاں پر اس مصنف نے اسی بدلاؤ کیلئے یہ کہ (بدلاؤ کی صورت اور وسائل کیسے بھی ہوں)، آپ دیکھیں گے کہ اس کیلئے کسی بھی صورت کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے، گویا بدلاؤ ہر حال میں یہ چاہتے ہیں خواہ اسکے لئے خون کی ندیاں ہی بہہ جائیں، کتنی ہی تباہی کیوں نہ آجائے، حاکم وقت سے ٹکرانا ہی ہے اور ہر خطرہ مول لینا ہے!!

اس طرح مصنف خونی بغاوتوں کا داعی ہے، اسلئے کہ یہ بدلاؤ کیلئے ناگزیر ہے، اس طرح یہ اسکے لئے پہلا وسیلہ ہے۔

بلکہ اس عموم کے اندر ہر طرح کے قبیح اعمال وتصرفات داخل ہو جائیں گے، اسی میں اسلامی شریعت کو طاغوتی وضعی قوانین میں تبدیلی بھی ہے، جوکہ عین جنگ ہے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور عین خیانت اور ظلم ہے امت محمدیہ کے ساتھ۔

اسکا پھل اور نتیجہ ظاہر ہے کہ لوگوں کو کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے، انارکی اور خانہ جنگی کے ساتھ تباہی اور بدحالی ہے، جس میں ملک کی کمزوری اور بربادی ہے اور یہی اعدائے اسلام کو مطلوب ہے جسے ان کے ایجنٹ پورا کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

اسلئے بغاوت اور انقلاب کو لیکر مصنف کی سوچ اور رائے پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح اسکے لئے ہر طرح کے خطرات مول لینے کی بات کر رہا ہے خواہ اسکے لئے کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔

یہ بھی انہیں جگہوں میں سے ہے جہاں پر مصنف کو اپنی مزعومہ غیر جانبداری اور موضوعیت یاد نہ رہی!!



مصنف نے آگے ص ۲۷ / پر کہا:

(بہت سے لوگ بغاوتوں اور انقلابوں کی تاریخ میں شک کرتے ہیں؛ کیونکہ کسی نہ کسی وجہ سے وہ کربناک واقع حال سے جڑے ہوئے ہیں، یا وہ خود اسکے کرتا دھرتا ہیں جس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اسکا استغلال بھی کرتے ہیں، یا وہ بیچارے مسکین ہیں جو عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں، مگر اسکے بعد انہیں صرف گہری کھائی ہی نظر آتی ہے، کیوں کہ بالآخر وہ اپنی تباہ کن سوچ اور مایوسی کی وجہ سے اس کا شکار ہو جاتے ہیں)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے بغاوتوں اور انقلابوں کے مخالفین کا ذکر کیا ہے، لیکن جب آپ غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ یہاں پر بھی مصنف اپنی مزعومہ غیر جانبداری کو چھوڑ دیا ہے جب اس نے اپنے مخالفین کو تباہ کن مایوسی کے حاملین سے تعبیر کیا اور انہیں کربناک واقع حال کا کرتا دھرتا ثابت کیا، اس میں آخر کون سی غیر جانبداری باقی رہ گئی، مصنف کے اس اسلوب سے بالکل عیاں ہے جسے قاری بھی محسوس کرے گا کہ مصنف کے نزدیک جو انقلابوں اور بغاوتوں کی تائید نہ کرے وہ دین اور خیر و بھلائی کا دشمن ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ ان جاہلی بغاوتوں اور انقلابوں میں اہل سنت والجماعہ کے علماء سے زیادہ کوئی شک کرتا ہوگا، کیونکہ یہی لوگ حکام کے خلاف خروج و بغاوت سے روکتے ہیں ان نصوص کی روشنی میں جن کا ذکر میں نے کتاب کے آغاز میں کیا ہے، بلکہ علمائے اہل سنت والجماعہ اس کی تاکید کرتے ہوئے وہی بات کہتے ہیں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ شاید کوئی ایسا گروہ اب تک

نہیں گزرا ہے جس نے حکام کے خلاف خروج کیا ہو اور اس سے زیادہ فساد اور فتنہ پیدا ہو جتنا کہ خروج سے پہلے تھا۔ (منہاج السنہ: ۳/ ۳۹۱)۔

اور جس بدلاؤ اور تبدیلی کی رٹ مصنف نے لگا رکھی ہے اسی تبدیلی کے بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا تھا جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں نہیں خروج کر کے تبدیلی لاتے؟! تو آپ نے کہا کہ تبدیلی اللہ تعالی توبہ سے لاتا ہے، تلوار سے تبدیلی نہیں پائی جاتی۔ (الطبقات لابن سعد: ۷/ ۱۷۲)۔

عمر بن یزید سے روایت ہے کہ میں نے یزید بن المہلب کے فتنے کے ایام میں حسن بصری کو کہتے ہوئے سنا جس وقت آپ کے پاس کچھ لوگ آئے ہوئے تھے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں کو لازم پکڑیں اور اپنے گھروں کے دروازوں کو بند کرلیں، پھر کہا: اللہ کی قسم! جب لوگوں کو انکے حاکم کی طرف سے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے اور وہ صبر سے کام لیتے ہیں تو اللہ تعالی اسے اٹھا کر انکی پریشانی ختم کر دیتا ہے، لیکن جب وہ تلوار اٹھا کر اسکی ذمیداری خود لے لیتے ہیں تو اللہ تعالی اس معاملے کو انہیں پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور ایسے لوگ کبھی بھی خیر و بھلائی نہیں لاسکتے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: (وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ) ترجمہ: اور آپ کے رب کا نیک وعدہ، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا۔ (الاعراف: ۷ ۱۳)۔ (کتاب الشریعہ للآجری: ۱/ ۳۷۳)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بار دل نے خطبے میں کہا کہ اے لوگو! سمع وطاعت

اور جماعت کو لازم پکڑو، کیوں کہ یہی وہ اللہ کی رسی ہے جسے مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم ہوا ہے، اور جو تم لوگ جماعت کے اندر برا دیکھ رہے ہو وہ اختلاف اور گروہ بندی کی اچھائی سے بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ بھی بغاوتوں اور انقلابوں میں شک کرتے تھے، مصنف ان عظیم ہستیوں کے بارے میں کیا کہے گا؟!



مصنف نے آگے ص ۲۷ / پر کہا:

(کچھ لوگ بغاوتوں اور انقلابوں میں شک کرتے ہیں نفع اور خسارہ کو لیکر ایک الگ زاویہ نظر سے، اور انکا خیال ہے کہ وقتی راحت کی خاطر جان و مال کا ضیاع اور بغض وحسد اور دشمنیوں کا احیاء اسکی قیمت نہیں چکا سکتے)۔

تبصرہ:

یہی تیسری رائے ہے کہ ان بغاوتوں اور انقلابوں کی خاطر یہ تین بڑی قیمتوں کو نہیں چکایا جا سکتا: جان کی قربانی، مال کا ضیاع اور بغض وحسد اور دشمنیوں کا احیاء۔ جو کہ خیالی متوقع فائدے سے کہیں زیادہ بھیانک ہے!

سوال یہ ہیکہ ان اموراور اس موقف کے تعلق سے مصنف کا کیا خیال ہے؟

کیا یہ چیزیں مصنف کے نزدیک ہلکی ہیں یا پھر ان بغاوتوں کی خاطر مزید مفاسد کی ضرورت ہے، جنکا ذکر کرنا بھول گیا ہے جیسے کہ دعوت اسلامی میں تاخیر، حرمتوں کی پامالی، امن وامان کا خاتمہ، راستوں کا پرخطر ہونا، انارکی اور خانہ جنگی، جہالت ک عام ہونا اور خوف و ہراس نیز بھک مری اور بے روزگاری کا پھیلنا۔

مصنف نے یہاں بھی اپنے مزعومہ غیر جانبداری کو ترک کر دیا ہے یہ کہہ کر کہ بغاوتوں کا ہونا ضروری ہے گرچہ مذکورہ چیزیں پیش آئیں، جیسا کہ مزید صراحت کے ساتھ اسی ص ۲۷ پر لکھا کہ (جو تبدیلی کی قیمت نہیں چکائیں گے انہیں عدم تبدیلی کی قیمت چکانی پڑے گی: اس وقت بھی سنجیدگی کے ساتھ اصلاح کرنا ہی لابدی امر ہوگا، اور ممکنہ صورت میں یہی بہتر آپشن رہے گا، اور اسکے لئے

ہمارے پاس عالمی تجربہ موجود ہے، چنانچہ کنیڈا کے اندر لوگوں نے بغیر کسی بغاوت یا جنگ کے جمہوری نظام حاصل کرلیا)۔

مصنف کی طرف سے یہ اس تیسرے فریق کا جواب ہے جو بغاوتوں کی تاریخ میں شک کرتے ہیں اور نفع ونقصان کے حساب سے سوچتے ہیں، اور جو بغاوتوں میں فائدے سے زیادہ نقصان کو ترجیح دیتے ہیں، ان دونوں فریق کو جواب دیتے ہوئے مصنف نے کہا کہ بغاوت اور انقلاب کا ہونا ضروری ہے گرچہ وہ پرامن طریقے ہی سے کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے جان ومال کا ضیاع اور بغض وحسد اور دشمنیوں کا احیاء ہی کیوں نہ لازم آئے، ہرصورت میں انقلاب کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ پرامن طریقے ہی سے کیوں نہ ہو، اور اسکے لئے دلیل قاطع کے طور پر کوئی آیت، حدیث یا اجماع نقل نہیں کیا ہے بلکہ کینڈا میں پیش آنے والے حوادث سے استدلال کیا ہے!!

مصنف نے کینڈا کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے یہ بہت بڑا جھوٹ ہے ایسا کہہ کر مصنف بھولے قارئین کو دھوکہ دینا چاہتا ہے، اور یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں وسیع ثقافت اور عالمی معرفت کا حامل ہوں، جب کہ حقیقت یہ ہیکہ کینڈا کی تاریخ جنگوں اور انقلابوں نیز ظلم وستم کی ایک سیاہ داستان سے عبارت ہے، اور جہاں تک کینڈا میں جمہوری استقرار کا تعلق ہے تو یہ زمانے تک برطانوی سلطنت کا حصہ رہا ہے، اور بہت زیادہ خون خرابے اور سیاسی الجھنوں کے ساتھ ۱۹۸۲ء میں پورا ہوا ہے۔

(اور اس وقت وہاں ایک سیکولر لا دینی اباحیت پسند ملک ہے جسے اخوانی بہت زیادہ پسند کرتے ہیں، حتی کہ وہاں کے حاکم کو نجاشی وقت سے یاد کرتے ہیں۔ اور اپنے ملک سے فرار ہونے کے بعد اکثر اسی ملک میں پناہ لینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مترجم)۔



مصنف نے آگے ص ۲۸ / پر کہا:

(اہداف ومقاصد میں غور وفکر اور انجام ونتائج کا فقہ وفہم ہی حقوق وآزادی کے تحفظ، عدل و انصاف کے اہتمام، انسداد بدعنوانی اور فکر اصلاح کو لیکر بلند اعلی مقصد تک لے جاتے ہیں، چنانچہ جب یہ مقاصد کم سے کم محنت اور کم سے کم خسارے کے ساتھ حاصل ہو جائیں تو یہی شریعت کی روح اور اسکے عام اصولوں سے زیادہ قریب تر ہے)۔

تبصرہ:

گویا مصنف اپنے اس کلام کے ذریعے یہ تمنا کر رہا ہے کہ خسارہ کم سے کم ہو تا کہ کینڈا کی طرح ہو جائے، اور یہی شریعت کی روح اور اسکے عام اصولوں سے زیادہ قریب تر ہے، اور اسکے لئے ضروری ہے کہ عوام اس بغاوت اور انقلاب کی اہمیت کو سمجھے اور اس میں حصہ لے تا کہ کم سے کم خسارہ کے ساتھ کینڈا جیسی سیکولر جمہوریت حاصل کی جا سکے۔

اس طرح مصنف لوگوں سے اپنے مزعومہ پر امن بغاوت کیلئے مدد کی درخواست کر رہا ہے، اور مصنف کی یہی سب سے بڑی کوشش ہے، اور اسی کام کیلئے یہی خود کو - کافروں کی طرح - سرگرم سیاسی رکن یا رضا کار کہتے ہیں، اور اقتدار سے ٹکرانے کیلئے یہ پوری کوشش کرتے ہیں، پھر جب بغاوت کھڑی کر کے اقتدار سے ٹکرا جاتے ہیں تو پھر اس سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس طرح شیطان اپنے حیلے اور سازش میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اہل باطل کو اپنی تلبیس اور حیلے کے ذریعے باطل اور شر میں مبتلا کر دیتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ

وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَى مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو اور جو شیطان کے قدموں کے پیچھے چلے تو وہ تو بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(النور:۲۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ) ترجمہ: اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوش نما بنا دیے اور کہا آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب آنے والا نہیں اور یقینا میں تمھارا حمایتی ہوں، پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا اور اس نے کہا بے شک میں تم سے بری ہوں، بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔(الانفال:۴۸)۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَرْفَجَةَ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ ".

ترجمہ: سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔"جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک شخص کے اوپر جمے ہو۔ وہ چاہے تم میں پھوٹ ڈالنا اور جدائی تو اس کو مار ڈالو۔"(صحیح مسلم:۱۸۵۲)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ اجتماعیت کے ساتھ نمک روٹی کھانا میرے نزدیک اختلاف وانتشار کے ساتھ فالودہ کھانے سے بہتر ہے۔(شعب الایمان للبیہقی: ۱۰/ ۲۵)۔

صرف اعلی اقدار اور مقاصد کلیہ پر اکتفا کر کے تفصیلی احکام سے صرف نظر کرنے کا منہج صحیح نہیں ہے، اس کا مقصد شریعت کا ابطال اور ان تفاصیل کا نظر انداز کرنا ہے جو انقلابیوں اور باغیوں کے مقاصد سے بلا واسطہ متصادم ہیں، پھر ان سے صرف نظر ہی نہیں بلکہ الٹا رہنے مفاہیم کو مقاصد شریعت بنا کر پیش کرتے ہیں جو کہ اللہ پر، اسکے دین اور شریعت پر بلکہ پوری انسانیت پر جھوٹ اور الزام ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ (ان لوگوں نے بدعت کے جھنڈے بلند کئے، فتنوں کو بھڑکایا، یہ کتاب اللہ میں اختلاف کرتے ہیں اسکی صریح مخالفت کرتے ہیں، کتاب اللہ سے اختلاف کرنے پر متفق ہیں، اللہ کے تعلق سے ایسی باتیں کہتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں ہوتا، متشابہ کلام سے گفتگو کرتے ہیں، جاہل عوام کو بیوقوف بناتے ہیں، میں ان گمراہوں کے فتنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں)۔

یہ وضاحت آئے گی کہ مصنف نے فقہ مقاصد کو بنیاد کر اس کلام کو بار بار دہرایا ہے شریعت کے احکام تفصیلیہ کے ابطال پر، گویا صرف مصنف ہی کو فقہ مقاصد کا علم ہے اور دوسرے اس سے بے بہرہ ہیں!

جہاں تک مشہور ائمہ دین اور علمائے راسخین کا تعلق ہے تو یہ مصنف کے مسلک پر نہیں ہیں، بلکہ ان کا موقف ہے کہ ہر اس حکم پر عمل واجب ہے جو قرآن وسنت میں وارد ہوئے ہیں، اس طرح اہل

علم تمام نصوص شرعیہ پر عمل کے قائل ہیں اور انکے درمیان تطبیق دیتے ہیں، کیونکہ انہیں کو دین کی صحیح سمجھ اور مقاصد کی جانکاری ہے، اور اس طرح نہ تو شریعت کے کسی حکم کا ترک کرنا لازم آتا ہے اور نہ ہی اعراض۔

اسکے بعد مصنف نے کہا: (چنانچہ جب یہ مقاصد کم سے کم محنت اور کم سے کم خسارے کے ساتھ حاصل ہو جائیں تو یہی شریعت کی روح اور اسکے عام اصولوں سے زیادہ قریب تر ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ کس بنیاد پر تم نے یہ بات کہی ہے اور شریعت کی طرف منسوب کرنے پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟! آخر مجرد عقل وخواہش کے استحسان کی بنیاد پر کسی کیلئے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ شریعت کی طرف ایسے امور کو منسوب کر دیا جائے جو جائز نہ ہو، اور ان نصوص کو معطل کر دیا جائے جو جان ومال اور آبرو کی حفاظت پر دلالت کرتے ہیں؟!



مصنف نے آگے ص ۲۸ / پر کہا:

(بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ تبدیلی سے محفوظ رہیں گے، اور اسکے لئے وہ حجت پکڑتے ہیں اس سے بات سے کہ حکومتیں کئی دہائیوں تک باقی رہتی ہیں، اس طرح یہ گویا اس شخص کی طرح ہے جو اپنے بڑھاپے کو حجت بنائے کہ وہ موت سے محفوظ ہے، کہ یہی بڑھاپا ہی وہ مرحلہ ہے جو کئی سالوں پر پھیلا ہوتا ہے، اگر انسان جسمانی، نفسیاتی اور ہم آہنگی کے شروط کو پورا کرے)۔

تبصرہ:

اس کلام پر درج ذیل کئی ملاحظات ہیں:

پہلا ملاحظہ:

مصنف نے بھی ابن خلدون اور دیگر ماہرین عمرانیات کے اصولوں پر چلتے ہوئے حکومت کی عمر کو انسان کی عمر سے تشبیہ دی ہے، چنانچہ مصنف نے بھی اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے یہاں یہ دعوی کیا کہ حکومت کچھ دہائیوں تک مزید باقی رہنا انسان کے بڑھاپے کی مانند ہے کہ جب آدمی جسمانی اور خارجی امور کا خیال رکھتا ہے تو سالوں سال تک زندہ رہ جاتا ہے۔

جبکہ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ سارے امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اور ہر شخص کی موت مقدر اور معین ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ) ترجمہ: ہر امت کے لیے ایک وقت ہے، جب ان کا وقت آپہنچتا ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔ (یونس: ۴۹)۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ ہر امت اور فرد کا ایک مقررہ وقت ہے، جس سے نہ کوئی آگے ہوسکتا

ہے اور نہ ہی پیچھے، ارشاد باری تعالی ہے:(مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ) ترجمہ: کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے رہتا ہے۔(الحجر:٥)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ) ترجمہ: یقیناً اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آجائے تو مؤخر نہیں کیا جاتا، کاش کہ تم جانتے ہوتے۔(نوح: ٤)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ) ترجمہ: اور یہ تو دن ہیں، ہم انھیں لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔(آل عمران:١٤٠)۔

معلوم ہوا کہ حکومتوں کی عمر کو انسان کی عمر سے تشبیہ دینا غلط ہے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ ہی شریعت سے اور نہ ہی عقل سے اور نہ ہی واقع حال سے، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ حکومتیں ایسی ہوتی ہیں جو کچھ مدت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں اور کچھ ہوتی ہیں جو ایک لمبی مدت تک قائم رہتی ہیں جیسے کہ عباسی اور عثمانی حکومتیں، انکے علاوہ بھی دیگر کئی غیر مسلم حکومتوں کی مثالیں موجود ہیں۔

حکومت کو انسان پر قیاس کرنے کے نہ صحیح ہونے کے بہت سارے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہیکہ ایک انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے اور وہ عمر دراز ہو جاتا ہے تو کمزور ہو کر ایک نہ ایک دن وہ مر جاتا ہے جبکہ حکومت کا معاملہ ایسا نہیں ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مدت گزر جانے سے بعد وہ مزید طاقتور ہو جاتی ہے، حالانکہ رہی حکومت شروع میں کمزور تھی، ارشاد باری تعالی ہے:(قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین

لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران:۲۶)۔

اسلئے ایک مسلمان اس معیار اور اصول سے دھوکہ نہ کھائے جسے مصنف نے نقل کیا ہے، بلکہ اسے چاہئے کہ وہ علم نافع اور عمل صالح میں مشغول رہے، اور اپنے تمام امور میں اللہ پر توکل کرے، وباللہ التوفیق۔



مصنف نے آگے ص ۲۹ / پر کہا:

(دوسرا: کیا تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، عالم اسلام کے اندر بغاوتوں اور انقلابوں کی تاریخ بہت طویل ہے، جسکی ابتداء عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج سے ہوتی ہے، اسکے بعد اہل مدینہ کی طرف واقعہ حرہ کا خروج مشہور ہے، اسکے بعد عبد الرحمن بن اشعث کی قیادت میں فقہاء کا انقلاب جسے دیر جماجم سے جانا جاتا ہے، اسی طرح خوارج کی بغاوتیں، اسی طرح سب اسی دور کے انقلابات، جیسے کہ نفس زکیہ کی بغاوت اور انقلاب، انکے بھائی ابراہیم کی بغاوت، موسی الکاظم کی تحریک، رقہ کے اندر زیدیہ کی بغاوت، اسی طرح مملوکیوں اور عثمانیوں کے خلاف بھی بغاوتوں اور انقلابوں کا سلسلہ نہیں رکا ہے، انہیں میں علمائے ازہر کا مشہور انقلاب و بغاوت بھی ہے۔

ان میں عباسی انقلاب ہی ایک ایسا انقلاب ہے جس نے کامیابی کے ساتھ کئی صدی حکومت کی ہے، اسی طرح مشرقی ممالک اور اندلس کے اندر بھی فقہاء اور قراء کے انقلاب و بغاوت معروف ہیں۔

اور عالمی پیمانے پر بھی بہت سارے ایسے انقلاب آئے جنہوں نے معاشرے کی تشکیل نو کی، اور سیاست و معیشت ہر سطح پر اپنا اثر ڈالا، بلکہ تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا، کم از کم مشرقی و مغربی یورپ اور امریکہ کے اندر)۔

تبصرہ:

اس کلام پر میرے کچھ ملاحظات ہیں:

پہلا:

گرچہ تاریخ دہرائی جائے مگر اس وقت بھی عمل اور اعتبار کتاب وسنت کا ہوگا اور سلف امت کے منہج پر ہی چلنا ہوگا مجرد تاریخی فکر کو بنیاد نہیں بنا سکتے، ایک مسلمان شریعت کے تابع ہوتا ہے، تاریخی مسائل اور واقعات بدلتے رہتے ہیں، ساتھ میں انکے احکام بھی بدل جاتے ہیں، اور وہ کبھی سچے اور کبھی جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔

دوسرا:

مصنف نے تمام بغاوتوں اور انقلابوں کو ایک ہی طرح مان کر ذکر کر دیا ہے جب کہ اس سے لازم آتا ہے کہ مجرموں و فاجروں اور نیکو کار مسلمانوں کو ایک جیسا مانا جائے، کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے والا خروج ایک باطل بغاوت تھی جسے اسلام دشمن یہود اور منافقین نے انجام دیا تھا، اور باطل پروپیگنڈوں کو ہوا دیکر نوجوانوں کو بھڑکایا تھا، تو کیا اسے حجت بنا کر مصنف دور حاضر کے باغیوں کو روکے گا کیونکہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے والا بغاوت ایک ناکام اور نامراد بغاوت تھی!!

اور کیا مصنف سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے والے بغاوت کی تائید کرتا ہے؟

اگر نہیں تو پھر مصنف نے ان باغیوں کے خلاف آخر ایک جملہ تک کیوں نہیں لکھا؟

ہاں مصنف نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے ایک جملہ لکھا ہے اور شاید اس سے یہ گمان کر لیا کہ وہ جملہ آپ کی تعریف کیلئے کافی ہے، چنانچہ مصنف نے آگے ص ۵۹ پر کہا: (عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہونے والا فتنہ معاشرتی تبدیلی اور خلیفہ کے لمبے دور خلافت سے مربوط ہے، اور اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، البتہ اس کے اندر ایک اچھی بات یہ رہی کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا تھا کہ وہ اللہ کے شہید بندے بن کر جائیں، اور آپ نے نہیں چاہا

کہ آپ کسی خانہ جنگی کا سبب بنیں)۔

سبحان اللہ! مصنف کو اس واقعے کے اندر جو بات سب سے اچھی نظر آئی وہ یہ تھی کہ خلیفہ راشد کو باغیوں نے قتل کر دیا!

یہ مصنف کے نزدیک ایک اچھی بات تھی جب کہ آج تک تمام مورخین بلکہ سارے مسلمان اسے عظیم حوادث اور بڑے فتنوں کا سبب مانتے ہیں!

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا مصنف اس طرح لکھ کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں کو خوش کرنا چاہتا ہے؟!

کیونکہ صحابہ دشمن ہی اس بغاوت اور بلوہ سے خوش ہیں، وہی ان بلوائیوں کی تعریف کرتے ہیں، چنانچہ بلوائیوں اور فسادیوں پر کچھ بھی نکیر نہ کرنے سے یہی لازم آتا ہے کہ مصنف اعدائے صحابہ کو خوش کرنا چاہتا ہے۔

سوال یہ ہیکہ کیا عثمان غنی رضی اللہ عنہ قتل پر راضی تھے اور کیا آپ سے یہ ثابت ہے جیسا کہ مصنف نے پورے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے؟!

مصنف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے یہاں پر بغاوتوں کی مجرد تاریخ نقل کی ہے۔

لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ سید قطب جنکی مصنف بڑی تعظیم کرتا ہے، انہوں نے بھی اس بغاوت کی تائید کی ہے، چنانچہ کہا: (اور اخیر میں عثمان کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑی، اور حق و باطل اور خیر وشر سب آپس میں گڈمڈ ہو گئے، لیکن جو اس بغاوت کو اسلامی روح سے دیکھے گا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ عمومی پیمانے پر عثمان کے موقف کے مقابلے یا یہ کہہ لیں کہ مروان کے موقف کے مقابلے یہ باغی اسلامی روح سے زیادہ قریب تھے۔(العدالۃ الاجتماعیۃ: ۱۸۹)۔

اور مصنف نے جس طرح تاریخ میں پیش آنے والے تمام بغاوتوں اور انقلابوں کو ایک ساتھ ذکر کر دیا ہے یہ سید قطب کی عبارتوں کے بالکل مشابہ ہے، چنانچہ سید قطب کہتے ہیں: (نظام اسلامی پر یہ اتہام لگانا کہ وہ ضمانت نہیں لیتا دراصل یہ ہر نظام میں واقع ہونے والے ممکنہ حوادث سے غفلت برتنا ہے، اسی طرح تاریخ اسلامی سے بھی صرف نظر کرنا ہے، چنانچہ ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلے گا کہ عثمان پر ایک بہت بڑی بغاوت کی گئی، حجاز کے اندر یزید کے خلاف بغاوت ہوئی، اسی طرح قرامطہ کی بغاوت، اسکے علاوہ اسلامک تاریخ میں حکومتی ظلم و جور کے خلاف خروج و بغاوت ہوتے رہے ہیں، اور گزشتہ تیرہ سو سالوں میں اسلامک روح ان ظالم طاقتوں سے حالت جنگ میں ہے)۔ (العدالة الاجتماعية: ۲۲۳)

چناچہ آپ دیکھیں گے کہ سید قطب بغاوتوں اور انقلابوں کی تعظیم اور مدح وستائش کرنے میں سلمان عودہ کے سلف رہے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: (یہ بات تواتر سے معلوم ہیکہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ خون خرابے سے بہت دور رہنے والے، اور اپنے خلاف ذاتی امور میں بہت زیادہ صبر کرنے والے تھے خواہ وہ جان و مال اور عزت وآبرو ہی سے متعلق کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہیکہ جب بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور قتل کرنے کی کوشش کی، اور آپ کو ان کے خبیث ارادے کا پتہ چل گیا، اور لوگ ہر چہار جانب سے آپ کے پاس آئے یہ مشورہ لینے کہ اگر اجازت دیں تو ان بلوائیوں سے قتال کیا جائے، لیکن آپ نے سختی کے ساتھ قتال کرنے سے منع کر دیا، بلکہ آپ نے اپنے غلاموں سے کہا: جو قتال سے باز رہے وہ آزاد ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ مکہ چلے جائیں، تو آپ نے کہا کہ میں ان لوگوں کی سے ہونا نہیں چاہتا جو حرام میں الحاد کرتے ہیں، کہا گیا کہ پھر شام چلے جائیں، تو کہا: میں

اپنی ہجرت کے دیار کو ترک نہیں کرسکتا، کہا گیا کہ پھر ان بلوائیوں سے قتال کریں، تو کہا: میں امت محمدیہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں امت کے اندر تلوار اٹھانے والا پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا)۔ (منہاج السنہ:٦/ ٢٨٦)۔

اورحقیقت یہ ہیکہ باغیوں اور انقلابیوں کیلئے شہادت عثمان میں کوئی حجت نہیں ہے، کیونکہ بلوائی چاہتے تھے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اقتدار چھوڑ دیں، اور جب آپ نے انکار کیا تو بلوائیوں نے آپ کو قتل کر دیا کیوں کہ آپ خلافت سے تنازل اختیار کرنے سے منع کر دیا تھا اسلئے کہ آپ خلیفہ راشد تھے۔

تیسرا: مصنف نے بغاوتوں کو شمار کرتے وقت قرامطہ، خرمیہ اور دیگر کافر و منافق باغیوں وخارجیوں کی بغاوتوں کو ترک کر دیا ہے جنہوں نے مسلم حکام کے خلاف خروج و بغاوت کیا، اور مسلمانوں کو ان باغیوں اور خوارج سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہ بغاوت اور انقلاب ظلم اور خواہشات نفس کی پیروی کی علامت ہوتے ہیں، اور عوامی بھیڑ اور فتنہ پرور سر پھرے قسم کے دھوکہ کھائے لوگ ان بغاوتوں کا ایندھن بنتے ہیں۔

آپ دیکھیں گے کہ سید قطب نے قرامطہ کہ بغاوت کی تعریف کی ہے یہ کہہ کر کہ قرامطہ کی بغاوت طبقاتی سسٹم اور حکومتی جور وظلم کے خلاف تھی، اس طرح سید قطب کے نزدیک اس بغاوت کے اندر بھی اسلامی روح دکھ رہی ہے جس طرح سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوائیوں کی بغاوت میں سید قطب کو اسلامی روح دکھائی دے رہی تھی۔

یہ منحرف افکار کے حاملین جن قرامطہ کی بغاوت کی تعریف کررہے ہیں ان ظالموں نے ترویہ کے دن ٣١٧ھ میں بیت اللہ کے اندر حجاج کرام کا قتل عام کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: حوادث

۳۱۷ھ)۔

چوتھا: مصنف کا یہ دعوی کہ عباسی بغاوت کامیاب رہی اور کئی صدیوں تک کامیابی سے باوی رہی، یہ محل نظر ہے، کیوں کہ جن باغیوں کو مصنف نے کامیاب کہا ہے انھوں نے جن جرائم کا ارتکاب کیا اور ان کا کیا انجام ہوا وہ درج ذیل ہے:

جن باغیوں نے بنی امیہ کے خلاف بغاوت کی تھی ان کا انجام بہت دردناک ہوا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ جس نے بھی کسی حاکم کے خلاف خروج کیا ہے اسکا انجام پہلے کی نسبت برا ہی ہوا ہے، جیسے کہ مدینہ میں یزید کے خلاف بغاوت ہوئی، عراق میں عبدالملک کے خلاف ابن اشعث نے بغاوت کی، خراسان میں عبدالملک کے بیٹے کے خلاف ابن المھلب نے خروج کیا، اڈہ طرح بنی امیہ کے خلاف خراسان ہی میں خفیہ تحریک کے سرغنہ ابومسلم خراسانی نے بغاوت کی، اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے منصور کے خلاف مدینہ اور بصرہ میں خروج کیا، ان سب کا انجام یہی ہوا کہ یا تو یہ لوگ فوری طور پر کچل دیئے گئے یا پھر یہ غالب ہوئے مگر تھوڑے ہی عرصے میں انکا اقتدار ختم ہوگیا، اور پھر یہ کہیں کے نہیں رہے، کیونکہ عبداللہ بن علی اور ابومسلم نے بہت زیادہ خونریزی مچائی تھی اور ان دونوں کو منصور نے قتل کروادیا۔ اور جہاں تک اہل حرہ، ابن اشعث اور ابن مہلب وغیرہ کی بات ہے تو یہ سارے لوگ کچل دیئے گئے، نہ یک دین قائم کرسکے اور نہ ہی دنیا۔ اور اللہ تعالی ایسے کسی کام کا حکم نہیں دیتا جس سے نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہوا اور نہ ہی دنیا میں ۔ (منہاج السنہ: ۴/ ۵۲۷)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے بنی امیہ کے خلاف خروج کیا اور قتل وخونریزی کے ذریعے غلبہ حاصل کیا انہوں نے بنی امیہ کو امان دیا تھا لیکن سارے عہدو پیمان توڑ کر انہوں نے بنی امیہ کو بری طرح قتل کیا، امام ذہبی نے کہا کہ ۱۳۲ھ میں اقتدار بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف منتقل ہوگئی اور

اس منتقلی میں خون کی ندیاں بہائی گئیں، اور خراسان، عراق، جزیرہ اور شام کے اندر اس قدر لوگ مارے گئے کہ انکا کوئی شمار نہیں ہے، خراسانی فوج نے جس کچھ کیا اس سے اللہ کی پناہ)۔(تذکرۃ الحفاظ:۱/۱۵۸)۔

اسی قتل وخونریزی کو مصنف نے کامیابی سے تعبیر کیا ہے، صرف عبداللہ بن علی عباسی نے کا قدر قتل وخونریزی مچائی تھی اسی کو دیکھ لیں جیسا کہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ یہ سب سے پہلے دمشق میں داخل ہوا اور وہاں پر بلاکسی مزاحمت کے تین گھنٹہ تک قتل وخونریزی کرتا رہا، اور دمشق کی جامع مسجد کو اپنے جانوروں کیلئے ستر دنوں تک اصطبل بنا کر رکھا، پھر بنی امیہ کی قبریں کھودنا شروع کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبر کھود ڈالی مگر اس میں ایک زیادہ دھاگہ کے سوا کچھ نہیں ملا، عبدالملک بن مروان کی قبر کھودی تو اس کے اندر سوائے کھوپڑی کے کچھ نہ ملا، اسی طرح دیگر قبروں میں ایک آدھ عضو کے کچھ نہ ملا سوائے ہشام بن عبدالملک کے کہ اسکی لاش مکمل تازہ تھی سوائے ناک کے نتھنے کے جو کہ سڑ چکا تھا، چنانچہ اسے نکال کر مردہ حالت میں کوڑے سے مارا اور پھر جلا کر اسکی راکھ ہوا میں اڑا دیا، کہتے ہیں کہ ہشام نے اسکے بھائی محمد بن علی کو بچپن میں سات سو کوڑے مارے تھے، اسی کا اس نے بدلہ لیا تھا، پھر اسکے بعد عبداللہ بن علی عباسی نے خلفائے بنی امیہ کی اولاد اور دیگر کو تلاش کرنا شروع کیا اور ایک ہی دن میں نہر رملہ کے پاس بہتر ہزار لوگوں کا قتل کیا، اور اسی نے بنی امیہ کی لاشوں کو دستر خوان بنا کر اس پر کھانا کھایا تھا، کیا اس سے بھی بڑا ظلم وستم کوئی ہوسکتا ہے، لیکن اس ظلم و ستم کے بعد بھی اس کا کچھ بھلا نہیں ہوا، جلد ہی اسے بھی قتل کر دیا گیا) (البدایہ والنہایہ:۱۰/۴۵)۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ابومسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف اپنی لڑائیوں میں ساٹھ ہزار لوگوں کو باندھ کر مارا ہے، ان کے علاوہ بھی بہتوں کو قتل کیا ہے۔(تاریخ طبری:۴/۳۰۰)۔

مصنف ایسے قتل وخونریزی کا یک جواب دیتا ہے کہ انقلاب کیلئے قربانی کی ضرورت پڑتی ہے، مگر سوال یہ ہیکہ قربانی دی جاتی ہے، قتل وخونریزی نہیں مچائی جاتی، مزید یہ کہ اس انقلاب سے فائدہ کون اٹھاتا ہے؟ عوام کو کیا فائدہ ملتا ہے سوائے قتل وخونریزی اور تباہی و بدحالی کے، حکومت تو پہلے سے بھی ظالم بن کر آتی ہے، چنانچہ بنی امیہ کے مقابلے بنی عباس کہیں زیادہ ظالم اور سخت تھے!!

اور یہاں یہ بتا دیں کہ جس عباسی انقلاب کی تعریف مصنف نے کی ہے اس انقلاب کیلئے سرگرمی اور تحریک خفیہ طور پر ۱۰۰ھ ہی میں شروع کر دی گئی تھی، یہ عمر بن عبدالعزیز کا دور تھا جن کے عدل وانصاف پر دنیا متفق ہے، اسی لئے جو انقلابی اور باغی ہوتے ہیں وہ حاکم کے عدل وانصاف اور جور وظلم کو نہیں دیکھتے، خواہ عثمان ہوں یا عمر بن عبدالعزیز دونوں کے دور میں خوارج نے خروج و بغاوت کیا ہے، اور دونوں نے خوارج سے مناظرہ بھی کیا ہے، چنانچہ باغیوں نے عمر بن عبدالعزیز ہی کے دور کی خفیہ تحریک سرور کر دی تھی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آپ نے کہا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کو دیکھو کہ وہ دین کے نام پر لوگوں سے دور ہو کر خفیہ باتیں کرتے ہیں تو جان لو کہ وہ گمراہی کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ (شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی: ۱/ ۱۵۳)۔

عمر بن عبدالعزیز کے خلاف خروج و بغاوت کا سبب دنیا طلبی اور اقتدار کا حصول تھا، ساتھ ہی دشمنی اور بغض وحسد تھا، باغیوں اور انقلابیوں کا کبھی بھی مقصد اصلاح دین اور دنیا نہیں رہا ہے گرچہ کچھ لوگ دعوی کرتے ہیں۔

اور مصنف نے جس طرح اموی دور پر عباسی دور کی فضیلت بتانے کی کوشش کی ہے تو یہ بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ عباسی دور ہی میں خلق قرآن کا فتنہ آیا تھا، اور لوگوں کو اسکے لئے مجبور کیا گیا تھا، اور جس نے بھی انکار کیا اسے مارا ستایا گیا، یونانی کتابوں کی تعریب کی گئی، اور شریعت کو فلسفیانہ طور

پر تشکیل دی گئی، اہل بدعت کو قریب کیا گیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ عباسی دور سے پہلے سنت بہت ہی طاقتور اور مضبوط تھی۔ (منہاج السنہ: ۴/ ۱۳۰)۔گرچہ ان میں بھی کچھ لوگ ایسے ہائے جاتے ہیں جنہوں نے سنت اور اہل سنت کا ساتھ دیا جیسے ہارون الرشید اور متوکل۔

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے کہا کہ بنی امیہ میں ہی عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد تھے، اسی خاندان کے معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر حاکم تھے، انہیں میں عمر بن عبدالعزیز جیسے عادل خلیفہ تھے، انہوں نے خالص اسلام کی نشر و اشاعت کی ہے، ملکوں کو فتح کیا اور رعب اہل سنت کے ہاتھوں میں اقتدار تھی، مگر عباسیوں کہ حکومت فارسی شیعوں کے ہاتھ میں تھی۔

پانچواں: ان تمام ظلم و زیادتی اور قتل وخونریزی کھ باوجود مصنف کا دعوی ہیکہ عباسی انقلاب ایک کامیاب انقلاب تھا، اور قارئین کو اس وہم میں ڈالا کہ اب بھی پرامن طریقے سے انقلاب لایا جا سکتا ہے جیسے کہ کینڈا میں ہوا!!

چنانچہ مصنف نے ص ۲۷ میں کہا کہ (اور اسکے لئے ہمارے پاس عالمی تجربہ موجود ہے، چنانچہ کنیڈا کے اندر لوگوں نے بغیر کسی بغاوت یا جنگ کے جمہوری نظام حاصل کرلیا، چنانچہ جب یہ مقاصد کم سے کم محنت اور کم سے کم خسارے کے ساتھ حاصل ہو جائیں تو یہی شریعت کی روح اور اسکے عام اصولوں سے زیادہ قریب تر ہے)۔

ہزاروں نہیں لاکھوں قتل اور بے شمار تباہی کے بعد بھی مصنف اسے کامیابی شرط شریعت کی روح سے زیادہ قریب تر سمجھتا ہے، سبحان اللہ!

مصنف نے کہا: (چنانچہ کنیڈا کے اندر لوگوں نے بغیر کسی بغاوت یا جنگ کے جمہوری نظام حاصل کرلیا)۔اس سے مصنف کا مقصد بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ مصنف کے نزدیک شریعت کے مقابلے

یورپین جمہوریت ہی مقبول ہے اور اسی کیلئے مصنف اور اسکی فکر کے حاملین کی پوری کوشش ہے۔

جبکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ کینڈا کی تاریخ انقلاب و بغاوت اور قتل وخونریزی سے لیکر استعمار وقبضہ اور برطانیہ کی غلامی تک بھری پڑی ہے۔

شیخ زید بن عبدالعزیز الفیاض رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ثورات دمویۃ" کے اندر کہا کہ پچھلے سالوں میں مشرق وسطی کے اندر بغاوتوں پھوٹ پڑیں، جو دراصل بعض برے حالات اور حکام کی طرف سے غلط تصرفات کا نتیجہ تھا، ان بغاوتوں کو بھڑ کانے کیلئے باقاعدہ جھوٹے پروپیگنڈے کئے گئے، ٹی وی چینلز پر اور اخبارات میں باقاعدہ اسکے لئے ماحول بنایا گیا، عرب ملکوں میں بھی اور باہر سے بھی، جس سے بہت سارے نوجوان دھوکہ کھا کر سڑکوں پر نکل آئے یا سوچ کر جیسا کہ انہیں سمجھایا گیا کہ بعد میں انہیں ہر طرح کی آزادی اور عیش وعشرت حاصل ہوگی، مگر ہوا اسکے برعکس کہ پہلے کے مقابلے بعد کی زندگی جہنم بن کر سامنے آگئی، پھر انہیں ہوش آیا کہ ان خونی اور وحشی بغاوتوں سے سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہیں ہوا، اور یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ پہلے کے ہمارے حکام ہی ہمارے لیے بہتر تھے، اب تو ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا، ہمارے ملک کو ہمارے ہی ہاتھوں تباہ کیا گیا)۔ (مجلۃ الیمامہ، شمارہ نمبر ۳۴۸، بتاریخ: ۲۹ / ۵ / ۱۳۸۲ھ)۔



مصنف نے آگے ص ۳۱/ پر کہا:

(یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں فاشسٹ اور نازی سسٹم کے نام پر عوام نے بغاوت کی، مگر جمہوریت کے نام پر دوبارہ ظلم واستبداد قائم ہوگیا، کیونکہ ہر طرح کے استبداد سے نپٹنے کیلئے اس وقت کے جمہوری نظام میں کوئی اصول اور ضابطہ نہیں وضع کیا گیا تھا، اسی لئے بہت سارے فلاسفہ اور مفکرین نے جیسے کل کارل بوبر نے اپنی کتاب" درس القرن العشرین" کے اندر یہ کہا کہ جمہوری نظام کیلئے سب سے اہم یہ ہیکہ ایسے قوانین بنائے جائیں جو ہر طرح کے ظلم واستبداد کو ختم کردیں خواہ وہ انفرادی ہو یا عائلی، طبقاتی ہو یا حکومتی۔انتہی ۔

تبصرہ:

اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے ہی ہاتھ سے قبر کھودنا، جمہوریت کے نام پر مصنف جس انقلاب و بغاوت کی بات کرتا ہے خود اسی کی زبانی وہ بھی ظلم و جور کا پیکر ہوتا ہے، پھر تو مسئلہ صرف اقتدار کا حصول رہ جاتا ہے، کہ بغاوت کامیاب ہو جائے تو کرسی اقتدار مل جاتی ہے اور ایک نئے شکل میں رعایا پر ظلم کی تاریخ رقم کی جاتی ہے ۔اس طرح ظلم واستبداد صرف قائم اقتدار کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور نہ ہی بغاوتوں کے ذریعے ظلم ختم ہوتا ہے ۔اور جب بات ایسی ہے تو پھر مصنف خود کو اسکے پیچھے کیوں ہلکان کر رہا ہے!!



مصنف نے آگے ص ۳۳/ پر کہا:

(تیسرا: انقلاب کا مفہوم: یہ مستقل عام مفہوم میں تبدیلی اور خدمت انسانی کا نام ہے، اس طرح انقلاب و بغاوت تعمیر و ترقی اور احتساب سے عبارت ہے، انہدام اور سیاسی ٹوٹ کا نام نہیں ہے، اور یہی ترقی انقلاب کی روح ہے۔

پھر آگے ص ۳۵ پر کہا: (اور انقلاب اپنے خاص مفہوم میں ایک سماجی مظہر ہے، جس میں عام سماجی تعاون سے موجودہ سیاسی نظام کو بدلنا ہوتا ہے)۔

آگے کہتا ہے: (انقلاب ایک اچھال ہے کوئی تدریجی عمل نہیں ہے، یا یہ کہ یہ ظلم وستم کی ایک طویل تاریخ سے نکلنے کا عمل ہے، جس میں ماضی کے تجربات سے ہٹ کر نئے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں، کیونکہ ماضی کے تجربات سے کوئی خاص اصلاح اور بدلاؤ نہیں لایا جاسکا ہے۔

اسی انقلاب و بغاوت سے حاکم و محکوم کے درمیان قائم طویل فرق کو ایک معاشرتی معاہدہ کے ذریعے مٹایا جاتا ہے، کیونکہ اس معاہدے کے اندر حاکم اور محکوم دونوں قانون کے تحت ذمہ دار ہوتے ہیں، کوئی اس سے مستثنی نہیں ہوتا۔

انقلاب میں ہمیشہ قتل و خونریزی نہیں ہوتی گرچہ اکثر کے اندر پائی جاتی ہے، بلکہ یہ ایک پرامن عمل ہے، لیکن اسکی مخالفت میں جب سختی برتی جاتی ہے تو دفاع اور تحفظ کی خاطر یہی بغاوت اور انقلاب مسلح ہوجاتا ہے، پھر بھی باغیوں کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ حالت خانہ جنگی اور انارکی میں تبدیل نہ ہو کہ جس سے عام شہری اس کے زد میں آئیں)۔

تبصرہ:

اس پر ہمارے چند ملاحظات ہیں:

پہلا ملاحظہ:

مصنف نے انقلاب و بغاوت کا کوئی جامع اور واضح مفہوم نہیں بتایا کیونکہ اس نے یہ سارے مفاہیم کفار کی کتابوں سے اخذ کئے ہیں، چنانچہ ایک جگہ ریمونڈ ولیم کی تعریف اخذ کی ہے اور اسکے لئے اللہ کے اس قول سے استدلال بھی کیا ہے:(وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ) ترجمہ: اور یہ تو دن ہیں، ہم انھیں لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔(آل عمران: ۱۴۰)۔

پھر اسکے بعد فرانسیسی مورخ توکوفیل کے قول سے استدلال کیا ہے پھر اس کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انقلاب و بغاوت اکثر قتل وخونریزی کے بغیر کامیاب ہو جاتے ہیں جیسے کہ یوگوسلاویا، جارجیا، لبنان، پاکستان، تبت اور ایران، اور اسی طرح تیونس کا انقلاب جسے یاسمین کا نام دیا گیا تھا کیونکہ اس میں لوگوں نے گلاب کا پھول تقسیم کیا تھا اور انقلاب برپا کرنے والے پولیس اور فوج سے معانقہ کررہے تھے۔

مصنف نے یہی لکھا ہے!

اسی لئے ضرورت ہے کہ ایسی بغاوتوں اور انقلابوں کی تفصیل اور انکے انجام کار کو واضح کیا جائے تاکہ مصنف کے سارے دعوے کی قلعی کھل جائے اور لوگ یہ جان لیں کہ ان بغاوتوں اور انقلابوں کی وجہ سے ہزاروں نہیں لاکھوں معصوم جانیں ضائع ہوتی ہیں۔

دوسرا ملاحظہ:

انقلاب اور بغاوت مصنف کے بقول حاکم کے خلاف خروج کو کہتے ہیں، اور یہ مقدر ہوتا ہے جیسا کہ مصنف نے کہا ہے، اسکی تفصیل اور حکم ہمیں شرعی نصوص میں مل جاتا ہے، اس لیے اس پر نصوص

وحی کو چھوڑ کر کچھ تاریخی واقعات سے استدلال کرنا باطل ہے، اوراسے تقدیر سے استدلال کرنا جبریہ اور صوفیوں کا کام ہے جو کہتے ہیں کہ اگر یک واقع ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ درست ہے! یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر ہم نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی تو دوسری طرح ہم نے تقدیر کی موافقت کی ہے، اس طرح ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

اور مصنف اس طرح کی باتیں کہے اس سے کوئی بعید نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی ایک بدعت کا مرتکب ہوجاتا ہے تو پھر اسکے لئے دوسری بدعتوں اور گمراہیوں کا ارتکاب کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

یہ جہم بن صفوان ہے جو منکرین صفات جہمیہ کا امام ہے، اپنے بدبختانہ اقوال کے ساتھ اس نے ۱۲۸ھ میں خوارج کے ساتھ حکومت کے خلاف خروج کیا تھا جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ: ۱۰ / ۲۶ میں نقل کیا ہے۔

ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب مقالات الاسلامیین: ۱ / ۲۸۸ کے اندر کہا کہ جہم بن صفوان خوارج کے طریقے پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قائل تھا۔

اور یہ ساتھ میں جبر اور ارجاء کا عقیدہ بھی رکھتا تھا، اس طرح اس کے اندر چار برے عقائد جمع تھے اور سب کے اندر جیم موجود ہے: تجہم، خروج، جبر اور ارجاء۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ اسی طرح جہم بن صفوان اور اسکے ساتھیوں نے قرآن و حدیث کے متشابہ نصوص کی طرف بلایا، اس طرح یہ خوف گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔(الرد علی الجہمیہ للامام احمد، ص ۱۹)۔

اور جہم بن صفوان کو خروج ہی کی بنیاد پر ۱۲۸ھ میں خراسان کے اندر قتل کیا گیا۔

یہ جہم بن صفوان ہے جس نے تجہم اور ارجاء کا باطل عقیدہ ایجاد کیا، اسماء وصفات کا انکار کیا پھر

آگے چل کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر حکام کے خلاف خروج و بغاوت کا داعی بن گیا، اور بالآخر بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

یہی طریقہ مصنف نے سکھایا ہے اور تاریخی بغاوتوں اور انقلابوں سے استدلال کیا ہے اور اپنے استدلال کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ واجب یہ تھا کہ کتاب وسنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی دعوت دیتا اور سلف صالح کے منہج پر قائم رہتا، ایک مومن کفار کے اقوال و اعمال کو حجت بنا کر پیش نہیں کرتا، یا ایسے لوگوں کے اعمال کو دلیل نہیں بناتا جو یقینی طور پر غلطی پر ہوں۔

تیسرا ملاحظہ:

بغاوت اور انقلاب کی تعریف کرنے میں مصنف کو کافی اضطراب اور بے چینی لاحق ہوئی ہے چنانچہ ایک جگہ کہا کہ یہ پرامن عمل کو کہتے ہیں، دوسری جگہ کہا کہ سیاسی نظام کی تبدیلی کا نام ہے، کہیں پر کہا کہ ضرورت کے تحت اس میں خون خرابہ بھی ہو جاتا ہے۔

جبکہ سب آپس میں ایک دوسرے سے متعارض ہیں۔

چوتھا ملاحظہ:

مصنف نے بغاوت اور معاشرتی معاہدہ کے نظریہ کو ایک ساتھ جوڑ کر دکھایا ہے جیسا کہ ص ۳۶ پر کہا کہ: (اسی انقلاب و بغاوت سے حاکم ومحکوم کے درمیان قائم طویل فرق کو ایک معاشرتی معاہدہ کے ذریعے مٹایا جاتا ہے، کیونکہ اس معاہدے کے اندر حاکم اور محکوم دونوں قانون کے تحت ذمہ دار ہوتے ہیں، کوئی اس سے مستثنی نہیں ہوتا)۔

معاشرتی معاہدہ کے نظریئے کے تعلق سے بات گزر چکی ہے، مصنف اس مغربی فلسفیانہ نظام حکمرانی سے بار بار اپنے کلام کیلئے استدلال کرتا ہے۔

سوال یہ ہیکہ مصنف شرعی دلائل کو ترک کر کے ایسے غیر شرعی الفاظ کیوں استعمال کرتا ہے؟!

کیا شریعت محمدیہ ہمارے لئے کافی نہیں ہے؟!

پانچواں ملاحظہ:

مصنف نے انقلاب و بغاوت کے پیدا کرنے میں ہنٹنگٹن، توکوفیل اور کسنجر میں سے ہر ایک کے اقوال سے استدلال کیا ہے، اور مصنف نے بار بار جمہوری نظام کی ستائش کی ہے، اسی طرح مصنف نے یورپی اقوام کی بھی مدح وستائش کی ہے، دیکھیں ص ۴۵۔

اور مصنف کا گمان ہیکہ جمہوری نظام ہی ترقی کا ضامن ہے، اسی کے اندر ملک کے تمام طبقات کی رعایت موجود ہے!!

مزید یہ کہ مصنف نے یہاں تک دعوی کیا ہے کہ جمہوری نظام ہی کی وجہ سے عصر حاضر کا انسان حقوق انسانی کے لئے بہت زیادہ سنجیدہ ہوا ہے جبکہ ماضی کے جاہلی اور لاشعوری زمانوں سے بالکل مختلف ہے، دیکھیں ص ۴۴۔

سوال یہ ہیکہ کیا سلف امت کا زمانہ جہالت اور لاشعوری کا تھا؟!

اور مصنف نے جب انقلاب و بغاوت کے اسباب کو گنانا شروع کیا تو ایک اہم سبب کو چھوڑ دیا، اور وہ ہے دشمن ممالک کی طرف سے باغیوں کی خارجی امداد، اسی طرح ایک اہم سبب شریعت سے اعراض کرنا بھی ہے، محرمات کا ارتکاب بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا)

ترجمہ: اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں حکم نہیں مانتے تو اس پر بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اسے برباد کر دیتے ہیں، بری

طرح برباد کرنا۔(الاسراء:۱۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا) ترجمہ: اورکوئی بھی بستی نہیں مگر ہم قیامت کے دن سے پہلے اسے ہلاک کرنے والے ہیں، یااسے عذاب دینے والے ہیں، بہت سخت عذاب۔ یہ(بات) ہمیشہ سے کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔(الاسراء:۵۸)۔

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے ۲۲ / ۳ / ۱۴۳۲ھ میں اپنے ایک خطبے میں کہا کہ تمہارے دشمن کفارومنافقین یہ نہیں چاہتے کہ تم اس نعمت میں باقی رہو، وہ تمہارے اندر اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں، تمہارے اندر فساد برپا کرنا چاہتے ہیں، تمہاری حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں، تمہارے ملک کو برباد کرنا چاہتے ہیں، اوراسکا مشاہدہ ہم آج اپنی آنکھوں سے کررہے ہیں۔

جب کفار نے دیکھا کہ اسلام کا سیدھا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تو انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی مسلمانوں کو اندر سے تباہ کیا جائے، انکے اندر اختلاف برپا کرکے، ان کی حکومت کو کمزور کرکے، کفار کی ان حرکتوں پر تعجب نہیں ہے، بلکہ تعجب اور افسوس ان لوگوں پر ہے جو کفار کی سازش کا شکار ہوتے ہیں اور اپنے انجام کا ادراک نہیں کرتے، اور پھر کفار کی آواز میں آواز ملا کر اپنے ہی حکام کو برا بھلا کہتے نظر آتے ہیں اور پھر وہ سارے نعرے لگاتے ہیں جو کفار کے دیئے ہوئے ہوتے ہیں، حقوق کے تحفظ اور جمہوریت کی بحالی چاہتے ہیں، انہیں نہیں معلوم کہ علاج کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ دشمنوں کی سازش ہے، یہ انجام سے بے خبر ہو کر خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے ملک کو برباد کرنے لگ جاتے ہیں۔

مصنف کے نزدیک بغاوتوں اور انقلابوں کے اسباب

مصنف نے آگے ص ۴۰ / پر کہا:

(ہنٹنگٹن اپنی کتاب "صراع الحضارات" میں کہتا ہے: انقلاب و بغاوت تاریخی اعتبار سے تجدید اور جدید کاری سے جڑے ہوتے ہیں۔جبکہ توکوفیل کا کہنا ہے کہ بغاوت اس وقت پھوٹتے ہیں جب اصلاحی پروگرام فیل ہوجاتے ہیں،اور ساتھ میں سخت سیکورٹی کا پہرہ بھی ہوتا ہے۔
مگر میری نظر میں اسکے چند دیگر اسباب بھی ہیں: ۱-عارضی علامات،تبدیلیوں،اور خامیوں کے ظہور،اور تجدید کی ضرورت اور اسی طرح نئے سرے سے خون کے بہانے اور قربانی پیش کرنے کی ضرورت)۔

تبصرہ:

یہاں پر آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے تجزیہ نگاروں کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے کچھ کائناتی اسباب کا ذکر کیا ہے، جبکہ یہ بندوں کی طاقت سے باہر ہے،اور ایسے اسباب کا بیان کرنا عقلی اور شرعی کسی اعتبار سے جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مصنف نے ان اسباب کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے۔

اسی طرح جمہوریت پسندوں کے نزدیک انقلابوں اور بغاوتوں کا ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ایک ہی طرح کی نعمتوں سے انسان تھک جاتا ہے،اور اسکے طرف خود مصنف نے بھی ص ۴۱ پر اشارہ کیا ہے یہ کہہ کر: (کاہلی اور تھکاوٹ خود یہ کافی ہے کہ بہت سارے لوگوں کے مزاج کو بدل دیتا ہے،اس طرح تبدیلی ایک فطری مقصد بن جاتا ہے،جیسا کہ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم ایک ہی کھانے

پر صبر نہیں کر سکتے ۔(البقرہ:۶۱) ۔پھر کیا حال ہو گا جب کمزوری کے عوامل بڑھ جائیں)۔

حالانکہ یہ استدلال بالکل صحیح نہیں ہے،اسلئے کہ یہ مطالبہ یہود نے کیا تھا جنکی اللہ نے مذمت کی ہے، چنانچہ فرمایا:(وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نَصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ) ترجمہ:اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے،سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر،وہ ہمارے لیے کچھ ایسی چیزیں نکالے جو زمین اپنی ترکاری اور اپنی ککڑی اور اپنی گندم اور اپنے مسور اور اپنے پیاز میں سے اگاتی ہے ۔فرمایا کیا تم وہ چیز جو کمتر ہے،اس چیز کے بدلے مانگ رہے ہو جو بہتر ہے ۔(البقرہ: ۶۱)۔

اور مصنف کے استدلال کو اللہ کے اس قول سے رد کیا جا سکتا ہے:(وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا) ترجمہ: اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں حکم نہیں مانتے تو اس پر بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اسے برباد کر دیتے ہیں، بری طرح برباد کرنا۔(الاسراء:۱۶)۔

اسلئے کہ لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ہلکا سمجھنا مجرد تھکاوٹ اور سستی نیز مزاج کی تبدیلی کی وجہ سے ایک عظیم فسق و فجور ہے۔

اور ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے بلکہ ان نعمتوں کو ہلکا سمجھ کر سستی کا اظہار کرتے ہیں انکی مثال ان لوگوں کی ہے جن کا قصہ اللہ نے سورہ سبا میں نقل کیا ہے:(لَقَدْ كَانَ

لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا
لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ[15] فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ
وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ[16]
ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ[17]وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ
وَأَيَّامًا آمِنِينَ[18] فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ
أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ) ترجمہ:
بلاشبہ یقیناً سبا کے لیے ان کے رہنے کی جگہ میں ایک نشانی تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں (جانب) سے۔ اپنے رب کے دیے سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو، پاکیزہ شہر ہے اور بے حد بخشنے والا رب ہے۔
[15] پھر انھوں نے منہ موڑ لیا تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیجا اور ہم نے انھیں ان کے دو باغوں کے بدلے دو اور باغ دیے جو بدمزہ پھلوں اور جھاؤ کے درختوں اور کچھ تھوڑی سی بیریوں والے تھے۔ [16] یہ ہم نے انھیں اس کا بدلہ دیا جو انھوں نے ناشکری کی اور ہم یہ بدلہ نہیں دیتے مگر اسی کو جو بہت ناشکرا ہو۔ [17] اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی، نظر آنے والی بستیاں بنا دیں اور ان میں چلنے کا اندازہ مقرر کر دیا، راتوں اور دنوں کو بے خوف ہو کر ان میں چلو۔ [18] تو انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کے درمیان دوری پیدا کر دے، اور انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انھیں کہانیاں بنا دیا اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا، بلاشبہ اس میں ہر بہت صبر کرنے والے، بہت شکر کرنے والے کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ (سبا:۱۹)۔

اسی طرح زمین کے اندر فساد اور بگاڑ کے اہم اسباب کو مصنف نے نظر انداز کر دیا ہے جن کا ذکر قرآن میں اللہ نے کیا ہے: (ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) ترجمہ: خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا، اس کی وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا، تاکہ وہ انھیں اس کا کچھ مزہ چکھائے جو انھوں نے کیا ہے، تاکہ وہ باز آجائیں۔ (الروم:۴۱)۔



مصنف نے آگے ص ۴۲ / پر کہا:

مصنف نے ص ۴۲ پر انقلاب و بغاوت کا تیسرا سبب پس ماندگی، پچھڑاپن، محتاجگی ظلم وستم بتایا ہے، اور سب کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے جبکہ سب مستقل ہیں اور محتاجگی پس ماندگی کے تابع ہے۔

مصنف نے آگے ص ۴۲ پر کہا کہ: (عوامی ظلم ہی سرکشی اور بغاوت کی بنیاد اور اسکا آغاز ہوتا ہے، اسی لئے وہ دیکھیں گے کہ بغاوتوں میں غضبناکی کا عنصر نمایاں رہتا ہے، اسی لئے اس کے عموما اسکے مقاصد بھی واضح نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہیکہ کسنجر نے عرب بغاوتوں کے بعد اپنی ایک ملاقات میں کہا کہ یہ غصبناک احتجاج کرنے والے اچھی طرح جاتے ہیں کہ انہیں کیسے ملنا ہے، لیکن حکومت کے گرنے کے بعد انہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اب کیا کیا جائے)۔

تبصرہ:

یہ مصنف کا استدلال ہے، جیسا لگتا ہے مصنف کو پتہ ہی نہیں کہ غضب اور غصے کا شریعت میں کیا علاج ہے، مصنف نے اس سے بالکل پہلوتہی کر کے کسنجر کے کلام سے استدلال کیا ہے، اور یہ طریقہ ہر اس شخص کا ہوتا ہے جو شرعی دلالوں سے دور ہوتا ہے، کیونکہ ایسے لوگوں کو اللہ حق کی توفیق نہیں دیتا، یہ سنت الھیہ ہے۔

مصنف نے ص ۴۳ پر چوتھا سبب بتاتے ہوئے کہا کہ (اقتدار کو ایک ہاتھ میں کر دینا بھی ایک بہت بڑا سبب ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض حکومتوں پر ہارون رشید کا یہ مشہور کلمہ صادق آتا ہے کہ جو اس نے بدلی سے کہی تھی کہ تو کہیں برسے تیرا اخراج میرے پاس ہی آئے گا، اس طرح سارے دھاگوں کا سرا ایک ہی شخص کے پاس ہوتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سارے راستے روم کی طرف جاتے ہیں)۔

یہ کلام بالکل بے محل اور بے جوڑ ہے کیوں کہ ہارون رشید کی بات اقتدار کے مرکزی ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ اس سے اقتدار حکومت کے وسیع ہونے کا پتہ چلتا ہے کہ اور یہ کہ پوری حکومت میں بیت المال ایک ہی ہے، اس طرح آپ دیکھیں گے مصنف بے جوڑ باتوں کو ملمع سازی کر کے اپنے مقصد کیلئے ذکر کرتا ہے جس کا موضوع سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔



مصنف نے آگے ص ۴۴ / پر کہا:

مصنف نے ساتواں سبب بتاتے ہوئے ص ۴۴ پر کہا: (انسان کی شناخت کو ختم کرنے کی کوشش کرنا یا اسکی تذلیل کرنا، مثال کے طور پر ٹیونس میں حبیب بورقیہ کے مواقف کچھ اسی طرح کے تھے، اسکے بعد ابن علی آیا اور اس نے قومی سلامتی اور جمہوری شعار کو بنیاد بنا کر شناخت ہی کو ٹارگیٹ کرنا شروع کر دیا)۔

تبصرہ:

مصنف تو خود بغاوتوں اور انقلابوں کو ذکر کر کے اسکے فضائل بیان کرتا ہے، لوگوں کو بغاوتوں پر اکساتا ہے، اور بہت سارے حکام انہیں بغاوتوں ہی کے راستے سے اقتدار تک پہونچے ہیں پھر انکی برائی مصنف کیوں کر رہا ہے؟!

اور مصنف بھی تو اپنی کتاب میں اسی جمہوری شعار کا نعرہ لگاتا ہے اور اسکی مدح وستائش کرتا ہے، پھر آخر وہی جمہوریت دوسروں کیلئے غلط اور مصنف کے لئے درست کیسے ہوگیا؟!

اور دوسرے یہ کہ جن حکام کا ذکر مصنف نے کیا ہے ان سے بھی زیادہ سخت اور ظالم حکام گزرے ہیں مگر انکے خلاف کوئی بغاوت اور انقلاب برپا نہیں ہوا، پھر اسے بغاوت کیلئے دلیل کیوں کر بنایا جا سکتا ہے؟!

تیسرے یہ کہ بعض ملکوں میں باغیوں اور انقلابیوں نے یہ بھی نعرہ لگایا تھا کہ ہم اسلام کیلئے نہیں آئے ہیں، اس کا مصنف کے نزدیک کیا جواب ہے؟ بلکہ اقتدار قائم کرنے کے بعد انہیں انقلابیوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں ان انقلابیوں نے گستاخی بھی کی تھی، اور اسلام کیلئے کوئی کام نہیں

کیا، مطلب یہ صرف کرسی کیلئے آتے ہیں۔ (اور حقیقت یہی ہے کہ مصنف کے یاد بھی نفاذ شریعت کیلئے کوئی پروگرام نہیں ہے کیونکہ مصنف مغربی جمہوریت کے نفاذ کا قائل ہے۔ مترجم)۔



مصنف نے آگے ص ۴۴ / پر کہا:

اسکے بعد مصنف نے آٹھواں سبب گناتے ہوئے ص ۴۴ پر کہا: (اور نظام حکمرانی کیلئے جونمونہ قابل تقلید ہے وہ جمہوری نظام ہے جوکہ اکثر مما لک میں پایا جاتا ہے، جس کے اندر اپڈیٹ ہونے کی صلاحیت اور ہر ملک کی خصوصیات کی رعایت کرنے کی صلاحیت موجود ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف مغربی جمہوریت کی تقلید کرنے اور اسے نافذ کرنے کی بات کی ہے، لہذا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں شامل ہوگا کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی میں سے ہے۔ (سنن ابي داود: ۴۰۳۳)۔

اور یہ بھی انہیں متعدد جگہوں میں سے ایک ہے جہاں مصنف نے جمہوری نظام کے نفاذ کی دہائی دی ہے۔

ایسی صورت میں مصنف کے لئے یہ حدیث پیش کی جائے گی:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔“

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ

عَمَلًا لَيۡسَ عَلَيۡهِ أَمۡرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۷۱۸)۔

یہاں پر میں یہی کہوں گا کہ اس وقت مسلمانوں کا عام رجحان یہ نہیں ہے بلکہ مصنف کے ساتھ چند جہلاء لبرل قسم کا ذہن ہے، باقی مسلمان اب بھی نفاذ شریعت کے قائل ہیں اور اسی میں بھلائی سمجھتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (لَا يَأۡتِيهِ الۡبَاطِلُ مِنۡ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهِ تَنزِيلٌ مِّنۡ حَكِيمٍ حَمِيدٍ) ترجمہ: اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ (فصلت: ۴۲)۔

میں مصنف سے کہوں گا کہ جمہوریت کی حقیقت جاننے کیلئے شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ کی کتاب ”العدل فی شریعۃ الاسلام ولیس فی الدیمقراطیۃ المزعومۃ“ کا مطالعہ کرے۔



مصنف نے آگے ص ۴۵ / پر کہا:

اسی طرح مصنف نے نواں سبب بیان کرتے ہوئے ص ۴۵ پر کہا کہ: (خوف سے باہر نکل کر قربانی کیلئے تیار ہو جانا، اور یہ سوچ بتدریج پیدا ہوتی ہے، کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ سیکورٹی سختی ہی لوگوں کی اصلاح کر سکتی ہے، سختی میں کمی کرنے سے ملک تباہ ہو جائے گا، اور کچھ سمجھتے ہیں کہ انکی قوم کیلئے کچھ استثنائی اور خصوصی صورت حاصل ہے، اگر یہ تجزیہ اور سوچ صحیح مان لیا جائے تو پھر یورپین اقوام سے زیادہ کوئی پس ماندہ نہیں دکھائی دے گا جو کہ سات صدیوں قبل اسی سرزمین پر پائے جاتے تھے مگر پھر بھی انہوں نے اپنی حقوق کی خاطر سرکشی اختیار کیا)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ: (خوف سے باہر نکل کر قربانی کیلئے تیار ہو جانا)۔

سوال یہ ہیکہ کیا مصنف نے یہاں پر خوف سے مراد خوف الہی لیا ہے؟

اور کیا یہاں پر قربانی پیش کرنے سے مراد اللہ کی راہ میں قربانی پیش کرنا لیا ہے؟

ہر گز نہیں، بلکہ مصنف کا واضح مراد جمہوریت کھ حصول کی راہ میں قربانی دینا ہے، ایسی سوچ اور فکر سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

کیا مصنف کی حالت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ خوف الہی کا درس دینے کے بجائے جمہوریت کا درس دے رہا ہے؟!

کیا مصنف کی نظر میں معصوم مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کی کوئی وقعت نہیں ہے؟!

ہونا تو یہ چاہئے کہ ایک مسلمان اللہ سے ڈرے اور محارم سے اجتناب کرے اور فرائض کو ادا

کرے۔

مصنف نے کہا کہ: (اگر یہ تجزیہ اور سوچ صحیح مان لیا جائے تو پھر یورپین اقوام سے زیادہ کوئی پس ماندہ نہیں دکھائی دے گا جو کہ سات صدیوں قبل اسی سرزمین پر پائے جاتے تھے مگر پھر بھی انہوں نے اپنی حقوق کی خاطر سرکشی اختیار کیا)۔

اس سے یہی لگتا ہے کہ یورپین اقوام مصنف کے نزدیک اسوہ اور نمونہ ہیں، بلکہ مصنف کئی موقعوں پر یورپین اقوام کی مدح وستائش کرچکا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۴۵ / پر کہا:

مصنف نے آگے ص ۴۵ پر دسواں سبب گناتے ہوئے کہا: (مناسب موقع کا ہاتھ آنا: جیسے کہ مقتدرہ طاقتوں کا آپس میں لڑنا، جس کی وجہ سے ان میں کسی ایک گروہ غالب آجائے، اور اسے ساتھ لیکر لوگوں سے ہمدردی حاصل کی جائے اور سب کو اپنے مقصد تک لایا جائے، اور جو ظالم گروہ ہو اسے ایکسپوز کیا جائے اس قاعدہ کی بنیاد پر کہ جب دو چور آپس میں لڑ پڑتے ہیں تو چوری کا مال از خود برآمد ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حکومت کی کمزوری بھی مناسب موقع میں سے ہے جبکہ ملک میں کوئی آگے آن پڑے، جسے حکومت سنبھالنے میں ناکام نظر آئے، یا اسی طرح ملک کی فوج کسی محاذ پر شکست کھا جائے، ان تمام اسباب کی بنیاد پر ملکی پیمانے پر حکومت کے خلاف لوگ جمع ہو جائیں یا کم از کم اسے مشکل میں ڈال دیں)۔

تبصرہ:

مصنف نے بغاوت کے بہت سارے اسباب کو بیان کیا مگر جو بنیادی سبب ہے اسے نظر انداز کر دیا، اور وہ ہے دشمنوں کی طرف سے بغاوتوں اور انقلابوں کو کھڑا کرنا اور عوام کو حکام کے خلاف بھڑکانا، جیسا کہ حالیہ عرب بہار یہ نامی بغاوتوں میں ہوا ہے۔

مصنف نے زلزلوں، آگ زنی اور سیلاب جیسے طبعی آفات کو حکومت گرانے کیلئے ایک بہترین موقع مانا ہے کہ جس میں خون کی ندیاں بہائی جاتی ہیں، عزت و آبرو کو پامال کیا جاتا ہے اور مال و دولت کو لوٹا جاتا ہے اور حرمتوں کی پامالی کی جاتی ہے، ملک میں ہر سو انارکی اور بدامنی اور خوف و

ہر اس کا دور دورہ ہوتا ہے، ان تمام برے احوال سے اللہ کی پناہ۔

اس طرح کی آرزو مسلمانوں کا ایک کٹر دشمن ہی کر سکتا ہے، مگر جو پکا مسلمان ہوگا وہ ایسے دشمنوں کو کبھی بھی اس طرح کا موقع نہیں دے گا اور نہ ہی ایسے منافقین کا ساتھ دے گا۔



مصنف نے آگے ص ۷ ۴ / پر کہا:

(پانچواں: انقلاب و بغاوت کب برپا ہوتی ہے؟ حیران کن بات یہ ہیکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حال سے بہتر ہوتے ہیں مگر پھر بھی عوام کو ظلم وستم کا احساس ہوتا ہے، کیونکہ وہ بیدار ہوچکے ہوتے ہیں اور انکے مطالبات بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ حکومت انہیں جو بھی سہولیات دے رہی ہوتی ہے انکا زمانہ اور وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف سے یہی کہا جائے گا کہ جسے تم ظلم وستم کا احساس کہہ رہے ہو وہ بیداری اور مطالبات کے بڑھ جانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ دنیاداری اور اس کیلئے مسابقہ کرنے کی وجہ سے ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (فَوَاللَّهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ) ترجمہ: اللہ کی قسم! فقیری کا مجھے تم پر ڈر نہیں لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ کہیں دنیا تم پر کشادہ ہو جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی پھر ایک دوسرے سے حسد کرنے لگو جیسے پہلے لوگوں نے حسد کیا تھا اور ہلاک کر دے تم کو جیسے ان کو ہلاک کیا تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۶۱)۔

دوسرے یہ کہ یہ کوئی اسلامی سوچ نہیں ہے، بلکہ حق کو قبول کرنا اور فتنوں سے بچنا اور اللہ کی تقسیم شدہ رزق پر راضی ہونا ہی حقیقی سعادت ہے، دنیاوی مطالبات کے بڑھنے میں نہیں ہے، جیسا کہ مصنف اسے بیان کر کے عوام کو بھڑکانا چاہتا ہے، مصنف جیسی فکر رکھنے والوں کو میں یک حدیث یاد دلاؤں گا:

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: ايْمُ اللَّهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنِ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِيَ، فَصَبَرَ فَوَاهًا".

ترجمہ: سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قسم اللہ کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے دور رہا، نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے دور رہا، اور جو اس میں پھنس گیا پھر اس نے صبر کیا تو پھر اس کا کیا کہنا"۔ (سنن ابی داود: ۴۲۶۳)۔

اس طرح واضح امور میں بھی اگر کوئی ایسی بات کرے تو اسے نفاق ہی کہا جائے گا۔



مصنف نے آگے ص ۵۳ / پر کہا:

(پہلا: اسلامی سیاسی فقہ کو کیا مراجعہ کی ضرورت ہے؟ سیاست شرعیہ کسے کہتے ہیں؟ سیاست شرعیہ کا لفظ برابر سنتے ہیں مگر ہم اسکے مفہوم کا احساس نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی کوئی واضح تعریف سمجھتے ہیں، کیونکہ ہم فروعات اور جزئیات میں پھنسے ہوئے ہیں، اور حاکم سے متعلقہ امور پر کلام کرنے سے خوف کھاتے ہیں سوائے اتنا ہی جتنے سے وہ راضی ہو۔

بہت سارے فقہاء اسکی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شارع کی طرف سے نیابت ہے جیسا کہ ابن خلدون نے کہا ہے، یا یہ نبوت کے قائم مقام ہے جیسا کہ ماوردی نے کہا ہے، مگر اس میں التباس ہے، کیونکہ سیاست کو ان لوگوں نے مقدس بنا کر پیش کیا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف نے یہاں پر سیاست شرعیہ سے متعلق دو رجحان پیش کیا ہے:

پہلا رجحان: سیاست شرعیہ شارع یا نبوت کی طرف سے نیابت ہے، پھر مصنف نے اسے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ (مگر اس میں التباس ہے، کیونکہ سیاست کو ان لوگوں نے مقدس بنا کر پیش کیا ہے)۔

جبکہ مصنف کا یک دعوی مکمل طور پر باطل ہے؛ کیونکہ اس میں تمام علمائے امت پر جھوٹا الزام ہے؛ گویا انہوں نے حق بیانی کو ترک کرکے اسے چھپا لیا باوجودیکہ امت کو اسکی سخت ضرورت تھی، حالانکہ یہ اٹکل پچو بکواس ہے، مثلا مصنف کا یہ کہنا کہ (حاکم سے متعلقہ امور پر کلام کرنے سے خوف کھاتے ہیں سوائے اتنا ہی جتنے سے وہ راضی ہو)۔

یہ بالکل حقیقت اور واقع حال کے خلاف ہے، بلکہ اہل ایمان اور علمائے امت پر ظالمانہ جسارت ہے۔

اور حاکم کو قابل اتباع بنا کر پیش کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے دعوی کیا ہے، کیونکہ شریعت کے اندر حاکم کی اطاعت کو غیر معصیت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، کیونکہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ پھر آخر مصنف یہ بات کیسے کہہ سکتا ہے کہ سیاست کو مقدس بنا کر پیش کیا گیا ہے؟!

اور مصنف نے علمائے امت کا حوالہ دیکر جو یہ نقل کیا ہے کہ حاکم شارع یا نبوت کا نائب ہوتا ہے اور اسکی وضاحت کئے بغیر عوام کو اس سے متنفر کرنا چاہا ہے، تو اسکا مفہوم یہی ہیکہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کا قائد بن کر جہاد، حج، حدود و قصاص، سرحدوں کی حفاظت اور دیگر دینی اعمال کو بذات خود انجام دیتے تھے انہیں کاموں کو مسلمانوں کا حاکم بھی انجام دیتا ہے۔

اسکے بعد مصنف نے دوسرا رجحان ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سیاست شرعیہ میں یہ شرط نہیں ہیکہ اسے نصوص کی روشنی میں انجام دیا جائے، اور مصنف نے اسے ابن عقیل اور ایک شافعی فقیہ کے درمیان ہونے والے ایک مناظرے سے استدلال کیا ہے، جب شافعی فقیہ نے دعوی کیا کہ سیاست وہی ہے جسکی موافقت شریعت کرے، اس پر ابن عقیل نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کی مراد یہ ہیکہ وہ تمام مصالح کے اعمال جن میں شریعت کی مخالفت نہ ہو تو پھر ٹھیک ہے۔

مصنف نے اسی مناظرے کو بنیاد بنا کر اپنی بات کہی ہے جس کا ابن عقیل کے کلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ مصنف نے ص ۵۴ پر کہا کہ: (ابن عقیل کے کلام سے سیاست شرعیہ کے اندر دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ شرعی نصوص کو زندگی کے ان تمام پہلوؤں میں لاگو کیا

جائے جن کا تعلق حاکم سے ہو جیسے میراث وغیرہ۔

دوسرا یہ کہ متفق علیہ بنیادی جوہری اقدار کی پابندی کی جائے جیسے عدل و انصاف، آزادی، حقوق کی ضمانت وغیرہ، اسی میں ضروریات خمسہ اور اسکے ملحقات بھی داخل ہوں گے، جیسے کہ انسانی خودداری اور انسانی اجتماعیت کا تحفظ)۔

سوال یہ کہ کیا متفق علیہ بنیادی جوہری اقدار کی پابندی کرنا ابن عقیل کے کلام سے کہیں ظاہر ہو رہا ہے؟ آخر مصنف اس سے کہنا کیا چاہ رہا ہے؟ قاری کو اسے سمجھنا ہوگا، اور آگے چل کر واضح بھی ہو جائے گا کہ مصنف دراصل شریعت کے فروعات اور اسکی تنفیذ کو مکمل کرنا چاہتا ہے اگر یہ شرعی فروعات ان امور سے متعارف ہوں جنہیں مصنف مصلحت کا نام دے رہا ہے، اسی طرح ان امور کو بھی نکالنا چاہ رہا ہے جن پر اہل بدعت اتفاق نہیں کرتے ہیں، اس طرح اسلام کی کوئی بھی چیز باقی نہیں رہ جائے گی کیونکہ اہل بدعت اسلام کے تمام امور میں اختلاف کرتے ہیں حتی کہ توحید اور تمام عقدی مسائل میں، نماز، روزہ، حج، زکاۃ اور دیگر تمام شرعی امور میں، اس طرح ایسے کلام سے شریعت کی بنیاد کو ختم کرنا اور سنت کا بطلان لازم آتا ہے۔

اس طرح کے باطل کلام کو اہل علم کی طرف منسوب کرنا حقیقت میں ان پر الزام ہے، جس پر ہم صرف حسبنا اللہ ونعم الوکیل ہی کہہ سکتے ہیں۔

آپ غور کریں کہ مصنف نے شرعی نصوص کے نام پر میراث وغیرہ کہہ کر اپنی بات ختم کر دی ہے، آخر دین کو قائم کرنا، توحید کی دعوت، حدود وقصاص کا نفاذ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اور دیگر شرعی امور ومعاملات کہاں ہیں جن کے ذکر کرنے سے مصنف نے گریز کیا ہے؟!

اسکا جواب یہی ہیکہ یہ ساری چیزیں کمنسٹ جمہوریت پسندوں اور اعدائے ملت کو پسند نہیں

ہیں، اسی لئے مصنف نے آج کا ذکر نہیں کیا ہے!

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ: (دوسرا یہ کہ متفق علیہ بنیادی جوہری اقدار کی پابندی کی جائے جیسے عدل و انصاف، آزادی، حقوق کی ضمانت وغیرہ، اسی میں ضروریات خمسہ اور اسکے ملحقات بھی داخل ہوں گے، جیسے کہ انسانی خودداری اور انسانی اجتماعیت کا تحفظ)۔

میں کہتا ہوں کہ مصنف کے قول (متفق علیہ بنیادی جوہری اقدار کی پابندی کرنا) پر غور کریں، جسے مصنف نے سیاست شرعیہ باور کرانا چاہا ہے، جس پر تمام طبقات کے لوگوں کا متفق ہونا ضروری ہے ورنہ قدر کی پابندی ضروری نہیں ہوگی۔

مصنف سے پہلے بھی اس مناظرے سے غلط مفہوم نکالا گیا ہے جس کا جواب اسی وقت دے دیا گیا تھا چنانچہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ابن عقیل اور شافعی فقیہ کے اقوال کو نقل کر کے اس سے غلط مفہوم نکالنے والوں پر بھرپور رد کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ سیاست دو طرح کی ہوتی ہے:

ایک شرعی عادلانہ سیاست اور دوسری باطل سیاست۔

اور جس سیاست کو شریعت محمدیہ نے پیش کیا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے، ہمیں کسی دوسری سیاست کی ضرورت نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے ہی اپنی امت کو دین و دنیا کی ہر بھلائی کی طرف رہنمائی کر دی تھی، پھر آخر کوئی کیسے یہ سوچ سکتا ہے کہ کامل شریعت محمدیہ کسی خارجی سیاست کا محتاج ہے!

اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو گویا وہ کسی دوسرے رسول کی ضرورت محسوس کرتا ہے، اور یہ کہ وہ شریعت اسکے لئے کافی نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ) ترجمہ: اور کیا انھیں

یہ کافی نہیں ہوا کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جوان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔بے شک اس میں یقیناان لوگوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔(العنکبوت:۵۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا) ترجمہ: بلاشبہ یہ قرآن اس (راستے) کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔(الاسراء:۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ) ترجمہ: اے لوگو! بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے عظیم نصیحت اور اس کے لیے سراسر شفا جو سینوں میں ہے اور ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت آئی ہے۔(یونس:۵۷)۔

کیا صحابہ کرام نصوص کی روشنی میں جس پر عمل کرتے تھے وہ ہمارے لئے کافی نہیں ہے؟! کیا تھوڑی بھی عقل اور حیاء رکھنے والا شخص ایسا تصور کرسکتا ہے کہ بعد میں آنے والوں نے شریعت کے مقابلے بہتر دستور سازی کر دی ہے جس میں انسانوں کا بھلا ہو دراصل جسکے پاس کتاب وسنت ہے وہ کسی تیسرے فہم اور دستور سے بے نیاز ہوتا ہے، اور یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔(بدائع الفوائد:۴/۲۲۹)۔



بعض سنگین اصطلاحات کے ذریعے سنت محمدیہ پر جسارت!

مصنف نے آگے ص ۵۵ / پر کہا:

(نبوی حکومت: مکہ اور آس پاس میں عربوں کے پاس کوئی نظام حکمرانی نہیں تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف امامت اور پیشوائی تھی کہ آپ جھنڈے باندھتے تھے، لوگوں کو عطیہ دیتے تھے، صلح کرتے تھے، حدود کی تنفیذ کرتے تھے، کتب السنہ کے اندر یہ ساری چیزیں مل جائیں گی، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خلافت اور حکومت کا مسئلہ نہیں اٹھایا گیا، بلکہ وہ بعد میں خلیفہ بننے والوں کے تعلق سے سوال کرتے تھے، اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے "عبد رسول" ہونا پسند کیا تھا نہ کہ "ملک رسول" ہونا، اسی لئے آپ اقتدار اور امور اقتدار سے دور تھے)۔

تبصرہ:

اس کلام پر کئی وجوہات سے تبصرہ کر سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

مصنف کا یہ کہنا کہ مکہ اور آس پاس میں عربوں کے پاس کوئی نظام حکمرانی نہیں تھا غلط ہے، انکے زمانے اور حالات ظروف کے اعتبار سے انکے پاس بھی منظم حکومت تھی، باقاعدہ وزارتیں قائم تھیں، کسی کے پاس حجابہ اور سدانہ کے نام سے خانہ کعبہ کی تولیت تھی، تو کسی کے پاس سقایہ کے نام پر حجاج کرام کی دیکھ دیکھ کرنے کی ذمیداری تھی، کسی کے پاس سفارت کا عہدہ تھا تو کسی کے پاس جنگوں کی ذمیداری۔

علامہ ماوردی کہتے ہیں کہ مکہ والے جب اکٹھا ہوئے تو قصی نے انہیں چار حصوں میں بانٹ دیا

اورمکہ کے اندرانہیں الگ الگ بسادیا، اورمذکورہ ذمیداریوں کوانکے اندر بانٹ دیااورقریش کے اندراس پرسختی سے عمل ہوتا تھا، اس سے انکی طاعت مضبوط ہوگئی، پھرانہوں نے خانہ کعبہ کی تجدید بھی کی، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد قریش ہی نے اسکی تجدید کی ہے، اسی طرح دارالندوہ کمیٹی بنائی، جہاں پرلوگوں کے مسائل اورجھگڑوں کوحل کیاجاتا تھااوردیگراہم امورمیں مشورے کئے جاتے تھے، اس طرح انکے اندرریاست قائم ہوگئی اورسیادت کاظہورہوا)۔

آگے کہتے ہیں کہ پھرجب اصحاب الفیل کاواقعہ پیش آیاتولوگوں کے اندرانکی ہیبت مزیدبیٹھ گئی، اورکعبہ کی حرمت دوبالاہوگئی، اورعرب قریش کے پیروکارہوگئے اورانہیں اہل اللہ کہنے لگے، چنانچہ قریش کھ لوگ بھی کعبہ کابہت اہتمام کرنے لگے اورحجاج کیلئے کھانے پینے کاانتظام کرنے لگے، اس طرح وہ دینی امورمیں بھی امام بن گئے اوردنیاوی امورمیں بھی پیشواہوگئے)۔(اعلام النبوہ، ص ۲۱۵)۔

دوسری وجہ:

مصنف کاگمان ہیکہ(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خلافت اورحکومت کامسئلہ نہیں اٹھایا گیا)۔

جبکہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس تعلق سے احادیث بھری پڑی ہیں، بلکہ تواترمعنوی کی حدتک پہونچی ہوئی ہیں۔

اورتعجب صرف اسی بات پرنہیں ہے بلکہ خلافت اورحکومت کے تعلق سے دسیوں نصوص ہوں گے مصنف نے کیسے آخران سے نظریں چرالی ہیں،

صحیحین، سنن اورمسانیدکودیکھیں خلافت اورحکومت پربے شمارحدیثیں مل جائیں گی، یہاں پر

بطور مثال چند کا ذکر درج ذیل ہے:

١- عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ تَكْثُرُ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا، قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بنی اسرائیل کی حکومت پیغمبر کیا کرتے تھے جب ایک پیغمبر مرتا تو دوسرا پیغمبر اس کی جگہ ہو جاتا میرے بعد تو کوئی پیغمبر نہیں ہے بلکہ خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا، پھر آپ ہم کو کیا حکم کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس سے پہلے بیعت کر لو اسی کی بیعت پوری کرو اور ان کا حق ادا کرو اللہ ان سے سمجھ لے گا جو اس نے ان کو دیا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۴۲)۔

٢- عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ ".

ترجمہ: سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور برے حاکم تمہارے وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔“ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسے برے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں جب تک وہ نماز کو تم میں قائم کرتے رہیں اور جب تم کوئی بات اپنے حاکموں سے دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔“ (یعنی بغاوت نہ کرو)۔ (صحیح مسلم: ۱۸۵۵)۔

۳۔ عَنْ عَرْفَجَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ".

ترجمہ: سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ ”جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک شخص کے اوپر جمے ہو۔ وہ چاہے تم میں پھوٹ ڈالنا اور جدائی تو اس کو مار ڈالو۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۵۲)۔

تیسری وجہ:

مصنف نے کہا کہ: (چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے ”عبد رسول“ ہونا پسند کیا تھا نہ کہ ”ملک رسول“ ہونا، اسی لئے آپ اقتدار اور امور اقتدار سے دور تھے)۔

اس کا جواب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں پر خیر وشر کے درمیان اختیار نہیں دیا گیا تھا بلکہ دو خیر کے درمیان اختیار دیا گیا تھا، لہذا آپ نے ان میں جو زیادہ بہتر اور اعلی تھا اسی کو اختیار کیا۔ مزید یہ کہ سلیمان علیہ السلام ”رسول ملک“ تھے اسکے باوجود آپ کے بارے میں اللہ تعالی نے

فرمایا ہے: (أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ) ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، سوتم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔ (آل عمران: ۹۰)۔



مصنف نے آگے ص ۵۶ / پر کہا:

(قرآن اترا ہے وحی کی روشنی میں فیصلے (حکومت) کرنے کیلئے، نیز عام قواعد کو ثابت کرنے کیلئے جیسے کہ معروف میں سمع وطاعت، عدل وانصاف، امانت داری، ذمیداری، احسان اور شورائیت کے ساتھ فیصلہ کرنا، ظلم وزیادتی، سرکشی اور استبداد سے روکنا، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قرآن کے اندر عبادت اور ایمان کے مسائل کی طرح سیاسی امور میں تفصیلی گفتگو نہیں کی گئی ہے، بلکہ زبان ومکان اور حالات وظروف کی رعایت کرتے ہوئے مقاصدی اور بنیادی گفتگو کی گئی ہے، اسی لئے ضروری ہیکہ ہم سیاست شرعیہ کے نفاذ اور تحکیم وحی میں عام قواعد کی روشنی میں ایک معیار قائم کریں)۔

تبصرہ:

اس کلام پر کئی وجوہات سے تبصرہ کرسکتے ہیں:

پہلی وجہ:

قرآن کے اندر لفظ استبداد سے کہیں پر ممانعت نہیں ہے، یہ ایک محتمل لفظ ہے، انفرادی مسئلہ بھی ہوسکتا ہے، فیصلہ بھی ہوسکتا ہے لوگوں پر ظلم کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے، اقتدار کی وجہ سے لوگوں کو حقوق سے محروم کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے، اور ان سب کا شریعت میں حرام ہونا معروف ہے۔

اس سے مراد معصیت میں حاکم کی اطاعت کرنا بھی ہوسکتا ہے جو کہ حرام ہے۔ اسی طرح مباح امور میں اطاعت کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے، اسی طرح کسی حاکم کا طاقت کی بنیاد پر غالب آنا بھی مراد ہوسکتا ہے، مگر اسکی اطاعت کو بھی واجب کہا گیا ہے، اس طرح استبداد کے کئی معانی محتمل ہیں، جو تفصیل طلب ہے۔

دوسری وجہ:

مصنف نے کہا کہ: (آپ دیکھیں گے کہ قرآن کے اندر عبادت اور ایمان کے مسائل کی طرح سیاسی امور میں تفصیلی گفتگو نہیں کی گئی ہے، بلکہ زبان و مکان اور حالات وظروف کی روایت کرتے ہوئے مقاصدی اور بنیادی گفتگو کی گئی ہے)۔

یہ گمان سرے سے باطل ہے، کیونکہ قرآن کے اندر مختلف پہلوؤں پر سیاست شرعیہ پر گفتگو کی گئی ہے، اور طاغوتی سیادت سے ڈرایا گیا ہے، جیسا کہ اس پر ابن القیم رحمہ اللہ کا تفصیلی کلام اس پر گزر چکا ہے۔

آپ مصنف پر تعجب کریں گے کہ مصنف نے ایک طرف کہا کہ قرآن کے اندر سیاسی امور مقاصدی ہیں تفصیلی نہیں، دوسری طرف جمہوری نظام کے بارے میں کہا کہ اپڈیٹ کے قابل ہے اور ہر ملک کے لائق ہے اور پھر اسکی خوب تعریف بھی کی ہے!

مصنف کے اس انحراف کا رد ہم امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول سے کر سکتے ہیں کہ (کسی بھی مسلمان پر کوئی پریشانی نازل ہو اسکے لئے اللہ کی کتاب میں اسکا حل موجود ہے)۔(الرسالہ للشافعی، ص ۲۰)۔

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالی نے اس کتاب کے اندر ہر چیز کی وضاحت بیان کر دی ہے، جسکا کچھ حصہ ہم نے جان لیا ہے۔(تفسیر ابن جریر: ۱۴/ ۳۳۴)۔

اللہ تعالی کے قول:(وأنزلنا إليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه) (المائدہ:۴۸) کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اسی طرح قرآن اللہ تعالی اور آخرت کے تعلق سے پچھلی کتابوں کی خبروں کی تصدیق کرتا ہے، اور اس پر مزید تفصیل اور وضاحت

پیش کرتا ہے اور اس پر دلائل و براہین بھی پیش کرتا ہے، اور تمام رسولوں کی رسالت اور شریعت کے اصولوں کو تسلیم کرتا ہے، چنانچہ جس قدر بھی پچھلی قوموں کے اندر دین و دنیا کے تعلق سے امور پائے جاتے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں بلکہ ان پر اضافہ بھی ہے، اسی لئے امت محمدیہ کو کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ (مجموع الفتاوی: ١٧/ ٤٤)۔

اور ایک دوسری جگہ کہا کہ سلف کے یہاں دینی امور اور عبادات کے ساتھ جہاد، امارت و خلافت اور دیگر دنیوی معاملات کے تعلق سے جو بھی پائے جاتے تھے وہ کامل تھے۔ (الاستقامہ: ١/ ٣٣١)۔

اسلئے مصنف کی یہ بات بہت ہی سنگین اور بھیانک ہے، جس سے واضح طور پر اشارہ ہے کہ شریعت محمدیہ دور حاضر کے اندر سیاست کے میدان میں کافی نہیں ہے۔ ایسی باتوں سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔



مصنف کا سیاسی امور کو شرعی احکام سے علیحدہ کرنے کی کوشش!

مصنف نے آگے ص ۵۷ / پر کہا:

(کتاب وسنت کے اندر آپ حکومت کی حقیقت اور اس کی منتقلی اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلقات کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں پائیں گے، جس طرح کہ کتاب وسنت کے اندر فن طب، تجارت اور ادارہ جاتی امور سے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ہیں، اس طرح کے امور آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں مجمل پیمانے پر ملیں گے کہ "تم اپنے دنیاوی امور میں زیادہ جانتے ہو"، اسی طرح بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے کہ "جب تم قلعہ والوں کا محاصرہ کرو"۔ اس حدیث کے اندر عام مصالح اور سیاست شرعیہ کی تجدید ہے جس کی نسبت آپ اللہ کی طرف نہیں کر سکتے اور حدیث کے اندر اسی لئے دین اور اسلام کے نام پر متعلقہ امور کہی بھی نہیں گئی ہیں، کیونکہ مصلحت عامہ کے اندر غلطی ہونے سے اسلام کی بدنامی اور اس میں خلل کا سبب ہوگا، چنانچہ سیاسی تعلقات اور ملکی امور کہ تدبیر کو شخصیات اور قیادتوں کی طرف نسبت کریں گے نہ کہ اسلام کی طرف)۔

تبصرہ:

مذکورہ کلام کے اندر مصنف نے خلط مبحث سے کام لیتے ہوئے حق و باطل کو گڈمڈ کر دیا ہے، اسلئے اس کی وضاحت اور مصنف کو ایکسپوز کرنا ضروری ہے:

پہلی چیز:

مصنف کی یہ بات بالکل قابل تسلیم نہیں ہے کہ (آپ کتاب وسنت کے اندر حکومت کی حقیقت اور اس کی منتقلی اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلقات کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں پائیں

گے)۔

بلکہ کتاب وسنت کے اندر اس قدر رہنمائی موجود ہے جو مومنوں کیلئے انکے دنیا وآخرت کیلئے کافی ہے، اور تا قیامت اسی تک رہنمائی میں وہ صراط مستقیم پر قائم رہ سکتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ) ترجمہ: اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔(النحل:۸۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا) ترجمہ: بلاشبہ یہ قرآن اس (راستے) کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔(الاسراء:۹)۔

دوسری چیز:

سیاست شرعیہ کو طبی، تجارتی اور ادار اجاتی امور پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ یہ سب دنیوی امور جن میں کوئی شرعی نص یا کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوا ہے، بلکہ یہ سب عام قواعد وضوابط کے تحت مندرج ہوتے ہیں، جیسے کہ پھلوں کی تابیر کی کیفیت، کھیتی کی تفاصیل اور تجارت کے اصول، چنانچہ یہ سب دنیاوی امور سے متعلق ہیں برخلاف سیاست شرعیہ کے کہ جن کے تعلق سے صریح نصوص وارد ہوئے ہیں، اور جن پر شرعی قواعد دلالت کرتے ہیں، اور جس پر دین کی بنیاد اور اس کا غلبہ مضمر ہے اسکا تعلق تابیر نخلہ والی اس حدیث سے نہیں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم اپنے دنیاوی امور میں زیادہ جانتے ہو"۔

آیت دین (قرض) سے فوائد مستنبط کرتے ہوئے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں گویا اسی مصنف پر آپ رد کررہے ہوں، کہتے ہیں کہ انہیں فوائد میں سے ہے ان لوگوں پر رد بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام چند عبادتی امور اور چند پرسنل قوانین کا نام ہے جیسے اللہ کی عبادت اور میراث و طلاق وغیرہ کے مسائل، اسی لئے جہاں تک معاملات کا تعلق ہے تو انہیں زمانے اور واقع حال کے تابع ہونا چاہیئے۔

اس طرح یہ بہت سارے دینی احکام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جیسے کہ بیع وتجارت کے معاملات سے لیکر احکام وضعیہ تک جو ظلم و جہل پر مبنی ہوتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی کہے کہ ان لوگوں کا کہنا ہیکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دنیاوی امور میں یہ فرمادیا ہیکہ" تم اپنے دنیاوی امور میں زیادہ جانتے ہو" جیسا کہ تابیر نخلہ والی اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ، " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَرَّ بِقَوْمٍ يُلَقِّحُونَ، فَقَالَ: لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا لَصَلُحَ، قَالَ: فَخَرَجَ شِيصًا، فَمَرَّ بِهِمْ، فَقَالَ: مَا لِنَخْلِكُمْ، قَالُوا: قُلْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں پر گزرے جو گابھہ کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر نہ کرو تو بہتر ہوگا۔" (انہوں نے نہ کیا) آخر کھجور خراب نکلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے اور لوگوں سے پوچھا، تمہارے درختوں کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: آپ نے ایسا فرمایا تھا (کہ گابھہ نہ کرو ہم نے نہ کیا اس وجہ سے خراب کھجور نکلی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔" (صحیح مسلم: ۲۳۶۳)۔

کہتے ہیں کہ یہ معاملات دنیاوی امور سے متعلق ہیں، دین اور آخرت سے انکا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کیلئے اس حدیث کے اندر کوئی حجت نہیں ہے، اس لئے کہ مذکورہ واقعہ ان پیشوں سے متعلق ہے جو ان پیشوں سے جڑا ہوتا ہے وہی انکے بارے میں اپنے تجربات کی بنیاد پر زیادہ بہتر جانتا ہے، ورنہ ہمیں یہ بھی کہنا پڑے گا دین اسلام کو یہ بھی بتانا چاہیئے تھا کہ گاڑیاں اور ریکارڈنگ مشینیں کیسے بنائی جاتی ہیں، اینٹ اور دوسری چیزیں کیسے بنائی جاتی ہیں؟! اور جہاں تک حلال وحرام کا تعلق ہے تو اسکا مرجع ومصدر شریعت ہے، اور شریعت میں وہ ساری چیزیں موجود ہیں جو ایک انسان کیلئے ضروری ہے۔(تفسیر القرآن العظیم لابن عثیمین: ۵ / ۳۲۲)۔

تیسری چیز:

مصنف نے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تعلق سے کہا: (اس حدیث کے اندر عام مصالح اور سیاست شرعیہ کی تحدید ہے جس کی نسبت آپ اللہ کی طرف نہیں کرسکتے اور حدیث کے اندر اسی لئے دین اور اسلام کے نام پر متعلقہ امور کہی بھی نہیں گئی ہیں)۔

یہ مصنف کی طرف سے گمراہ کن کلام ہے جو مردود ہے کیونکہ حاکم جب کسی ایسے مسئلے میں اجتہاد کرتا ہے جس میں کوئی نص قاطع نہیں ہوتا ہے تو وہ اس کے بارے میں صراحت کے ساتھ اللہ کا فیصلہ نہیں کہہ سکتا ہے، اور اللہ کے جناب میں ادب کا یہی تقاضہ بھی ہے، اور یہ خوف بھی کہ ممکن ہے وہ اپنے فیصلے میں غلط ہو اور اسے اللہ کی طرف منسوب کردے، اسکے باوجود اسکا فیصلہ شرعی مانس جائے گا اور اسکے اجتہاد کے اعتبار سے اس پر عمل ہوگا، اور یہی شرعا مطلوب بھی ہے۔

اور مصنف کا یہ کہنا کہ (عام مصالح اور سیاست شرعیہ کے کچھ مقام ایسے ہیں جن کی نسبت آپ

اللہ کی طرف نہیں کرسکتے)۔تو یہاں پر مصنف سے پوچھا جائے گا کہ اللہ کی طرف نسبت کرنے سے کیا مراد ہے؟ اگراس سے مراد ایسی سیاست ہے جو احکام شریعت سے خارج ہوتو پھر برا ہوا ایسی سیاست کا، اور ایسے شخص کا بھی برا ہو جو واہیات شبہات و اعتراضات کے ذریعے احکام الہی کو چھوڑنے کی دعوت دے!

اوراگراس سے مراد یہ ہیکہ اسے یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے تو ایسی بات ہم صرف انہیں امور میں کہہ سکتے ہیں جن کے بارے میں صریح نص وارد نہ ہو۔اسی لئے قاضیوں اور فیصلہ کرنے والوں پر واجب ہیکہ وہ اللہ کے فیصلے میں شرعی دلائل اور مسئلے کی صورت حال اور حقائق جاننے میں پوری پوری کوشش کرے، پوری محنت کے بعد جب انہیں یہ لگے کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، تو گویا انہوں نے اس ذمہ داری کو ادا کردیا جسکا اللہ نے انہیں حکم دیا تھا۔ ہاں یہ ضروری ہیکہ ایسے اجتہادی مسائل میں جن میں دلائل مختلف ہوں وہ کوئی قطعی فیصلہ نہ لے۔

اسکے باوجود خواہ قطعی فیصلہ ہو یا اجتہادی جسکے حکم الہی ہونے میں غالب گمان ہوتا ہے، ان سب کا اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، اور اسے دینی دائرے سے نکال نہیں سکتے جیسا کہ مصنف کا گمان ہے، بلکہ یہ بھی انہیں امور میں شامل ہے جن کا اسلام نے حکم دیا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک مفتی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کے نام پر گواہی دے کہ فلاں چیز حلال ہے، یا حرام ہے، یا واجب یا مکروہ ہے، جب تک کہ اسے یقین نہ ہو جائے کہ اس بارے میں نص صریح موجود ہے اور اللہ اور اسکے رسول نے اس کا حکم دیا ہے یا اس سے روکا ہے، اسی طرح جو شخص کسی مذہب کی تقلید کرے اسکے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کے نام پر کسی چیز کے بارے میں قطعی طور پر گواہی دے اور لوگوں کو دھوکے میں رکھے،

اور اسے اللہ اور اسکے حکم کا علم ہی نہ ہو، بہت سارے سلف ست مروی ہیکہ ایسا کہنے سے بچنا چاہئے کہ اس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے یا حرام کیا ہے تو اللہ کہے کہ تو جھوٹا ہے میں نے اسے نہ تو حلال کیا اور نہ حرام۔اور صحیح مسلم کے اندر بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے:

(وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا تُنْزِلْهُمْ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ مَا يَحْكُمُ اللَّهُ فِيهِمْ وَلَكِنْ أَنْزِلُوهُمْ عَلَى حُكْمِكُمْ ثُمَّ اقْضُوا فِيهِمْ بَعْدُ مَا شِئْتُمْ)۔

ترجمہ: اور اگر تم کسی قلعہ والے کا محاصرہ کرنا اور وہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتارو، تو تم انہیں اللہ کے حکم پر مت اتارنا، اس لیے کہ تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ ان کے سلسلے میں کیا فیصلہ کرے گا، لیکن ان کو اپنے حکم پر اتارنا، پھر اس کے بعد ان کے سلسلے میں تم جو چاہو فیصلہ کرنا۔(سنن ابی داود: ۲۶۱۲)۔(اعلام الموقعین لابن القیم: ۴ / ۱۹۲)۔

مذکورہ حدیث کا مفہوم اور مقصود یہی ہے کہ آپ ان کے درمیان اللہ کی شریعت کے ذریعے فیصلہ کریں لیکن ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ کے چناؤ میں احتیاط اور ادب کا بھی حکم دیا ہے، کیوں کہ ایسے امور میں غلطی کا امکان رہتا ہے، اسکا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ ان کے درمیان شریعت کے ذریعے فیصلہ نہ کریں۔

اسی طرح مصنف نے مزید مغالطے میں ڈالتے ہوئے کہا: (چنانچہ سیاسی تعلقات اور ملکی امور کے تدبیر کو شخصیات اور قیادتوں کی طرف نسبت کریں گے نہ کہ اسلام کی طرف)۔

مصنف نے یہاں اسی بات کو دہرایا ہے جسے اعدائے اسلام دہراتے رہتے ہیں تا کہ شریعت کے فیصلوں کو رد کرسکیں، اور آگے ص ۱۰۹ پر اس پر تفصیلی کلام آئے گا جس سے واضح طور پر پتہ چل

جائے گا کہ مصنف کا بھی یہی مقصد ہے کہ شریعت کے احکام کو بالائے طاق رکھ دیا جائے مگر مصنف اپنے مقصد کو اپنی پیچیدہ رائے اور گنجلک اسلوب میں پیش کیا ہے تاکہ قاری کو یہ احساس نہ ہو کہ مصنف بھی اعدائے اسلام کی طرح شریعت کا دشمن ہے۔

اور جہاں تک بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے تو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخصی رائے کے ذریعے فیصلہ کرنے کا حکم اسلئے دیا تھا کیونکہ اس وقت وحی کا نزول ہو رہا تھا، اور شرعی حکم کے منسوخ ہونے کی گنجائش موجود تھی، سو وہ عہد نبوی کے ساتھ خاص ہے، ورنہ حکم منسوخ ہونے کے بعد اگر مسلمان نئے حکم پر عمل کرتے ہوئے حملہ کردیں تو کفار کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ مسلمانوں کے فیصلے متناقض ہیں، یہ ایک رائے پر قائم نہیں رہتے۔(القول المفید شرح کتاب التوحید:۲/۴۸۹)۔

خلاصہ یہ ہیکہ مصنف کا یہ کہنا کہ (کتاب وسنت کے اندر آپ حکومت کی حقیقت اور اس کی منتقلی اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلقات کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں پائیں گے)۔ایک واضح مغالطہ اور باطل قول ہے، جسے اس مسئلے میں تفصیلی جانکاری حاصل کرنا ہو اسے چاہئے کہ وہ کتب حدیث اور فقہ کا مطالعہ کرے۔



مصنف نے آگے ص ۵۸ / پر کہا:

(بریدہ کی حدیث سے پتہ چلا کہ شخصی فیصلے کو مانا گیا ہے اور شریعت میں اس کا ایک وزن بھی ہے اور یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک قائد اور لیڈر جب فیصلہ کرتا ہے تو یہ اسکے اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے، غلطی وخطا اور سیاست سب اسکی طرف منسوب ہوگی، اسکا تعلق دین اسلام سے اتنا ہی ہوگا جتنا مقاصد شریعت اور اسلامی بنیادیں اس کا متقاضی ہوں گی)۔

تبصرہ:

مصنف سے کہا جائے گا: آخر حاکم کو یہ فیصلہ اور اجتہاد کرنے کی اجازت کس نے دی ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ یہ اجازت شریعت ہی نے دی ہے، اس طرح وہ شریعت کا پابند ہوگا اور اسی دائرے میں رہ کر فیصلے کرے گا جس طرح شارع نے اسے اجازت دی ہے، سو وہ اطاعت اور فرمانبرداری میں شریعت کا پابند ہو اور اسکا عمل بھی شرعی ہوگا، اب مصنف یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس کا اسکا تعلق دین اسلام سے اتنا ہی ہوگا جتنا مقاصد شریعت اور اسلامی بنیادیں اس کا متقاضی ہوں گی ؟!

دراصل اسلام نے واجبی احکام اور اجتہادی احکام کے اندر فرق کیا ہے اسی کو مصنف نے خلط مبحث کر کے پیش کر دیا ہے تاکہ لوگوں کو شریعت سے بیزار کر سکے اور یہ فکرہ دے سکے کہ سیاسی امور میں احکام شریعت کی پابندی ضروری نہیں ۔

جب کہ قائدین لشکر اور قاضیوں کو اللہ کے رسول نے اس طرح بہت ساری ہدایات دیئے ہیں جن کا یہ مقصد بالکل نہیں ہے کہ وہ احکام شریعت سے آزاد ہوں گے، یا انہیں چھوڑ دیں گے یا شرعی اصولوں کو بھلا دیں گے ۔

مصنف نے آگے ص ۵۸ / پر کہا:

(جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ شرعی سیاست کی بنیاد اس شخص پر ہے جو لوگوں کیلئے زیادہ مفید اور عمل، ادارہ اور سیاست کے اعتبار سے زیادہ لائق وفائق ہو، سیاست میں تقوی اور دینداری اصل بنیاد نہیں ہے)۔

تبصرہ:

یہاں پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام سے یہ نہیں پتہ چلتا ہے کہ شریعت کے تفصیلی احکامات سے کچھ بھی پہلوتہی برتا جائے، یا یہ دعوی کیا جائے کہ یہ شخصی فیصلے ہیں اللہ کے فیصلے نہیں ہیں، بلکہ اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی شرعی احکام ہی سے متعلق ہیں، چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ مناسب یہی ہے کہ ہر منصب اور عہدہ کیلئے لائق وفائق کو چننا چاہیئے، کیونکہ ولایت (سیاسی زمیداری) کے دو اہم رکن ہوتے ہیں: ایک طاقت اور دوسرا امانت داری۔ طاقت ہر منصب کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، میدان قتال میں الگ تو لوگوں کی سرپرستی کرنے اور دیکھ بھال کرنے میں الگ، ایک طرف قلبی شجاعت کی ضرورت ہے تو دوسری طرف علم اور عدل کی ضرورت ہے جو کتاب وسنت پر مبنی ہو، اسی طرح ایسی قدرت جو احکام شریعت کی تنفیذ میں معاون ہو۔ (السیاسہ الشرعیہ ص ۲۵)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی اسی کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے کہ رعایا کے ساتھ حکام کو بھی نصیحت کرنا چونکہ واجب ہے اسی تقاضے کے پیش نظر یہ رسالہ لکھا گیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى

لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ وَيَسْخَطُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے تین باتوں کو ناپسند اور تین باتوں کو پسند کیا ہے پسند تو اس بات کو کیا ہے کہ تم صرف اس ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ بازی نہ کرو اور حکمرانوں کے خیر خواہ رہو اور ناپسند اس بات کو کیا ہے کہ زیادہ قیل وقال کی جائے مال کو ضائع کیا جائے اور کثرت سے سوال کئے جائیں۔(مسند احمد)۔

آگے مزید کہا کہ یہ رسالہ قرآن کی درج ذیل دو آیتوں پر مبنی ہے:

پہلی آیت: ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ) ترجمہ: بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقینا اللہ تمھیں یہ بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔(النساء:۵۸)۔

دوسری آیت: ارشاد باری تعالی ہے:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر

اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔(النساء:۵۹)۔

علماء نے کہا کہ پہلی آیت حکام کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن پر یہ واجب ہیکہ وہ امانتوں کو صاحب حق تک پہونچا دیں، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف کا مظاہرہ کریں۔اور دوسری آیت رعایا کے تعلق سے نازل ہوئی ہے، جن پر یہ واجب ہیکہ وہ حکام کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں سوائے اس وقت جب وہ انہیں معصیت کا حکم دیں، چنانچہ اگر وہ معصیت کا حکم دیں تو پھر اس وقت انکی اطاعت نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ جب ان کے درمیان کسی چیز کو لیکر اختلاف ہو جائے تو اسے کتاب وسنت کی طرف لوٹا دیں، بہر حال غیر معصیت میں انکی اطاعت واجب ہے، کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت ہی ہے، جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ) ترجمہ: اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔(المائدہ:۲)۔

پتہ چلا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں تفصیل ہے، اسی لئے آپ نے ایک طویل کلام کے بعد کہا کہ علماء سے سوال کیا گیا کہ منصب قضاء پر فائز ہونے کیلئے کون زیادہ مستحق ہے کہ اگر کوئی نہ ملے سوائے ایسے عالم کے جو فاسق ہو یا ایسے دیندار کے جو جاہل ہو تو اس وقت کس کو مقدم کیا جائے؟ تو آپ نے کہا کہ اگر فساد کے عام ہونے کی وجہ سے دیندار کی زیادہ ضرورت ہو تو ایسی صورت میں دیندار کو مقدم کیا جائے گا اور اگر علم کی ضرورت زیادہ ہو تو ایسی صورت میں عالم کو مقدم کیا جائے گا، اور اکثر علماء

کے نزدیک دیندار ہی کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قاضی کیلئے ضروری ہیکہ وہ عادل اور لائق شہادت ہو، جب کہ علم کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا مجتہد کا ہونا ضروری ہے یا مقلد بھی جائز ہے یا جو بھی بہتر مل جائے وہی کافی ہے؟ اس طرح اس مسئلے میں تین اقوال ہیں۔

بہر حال اس باب میں اہم یہ ہیکہ ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو زیادہ لائق وفائق ہو کیونکہ حکومت واقتدار کے رموز سے واقف ہونا اور اسی طرح مقاصد اور وسائل کی جانکاری سب سے پہلے ضروری ہے، اگر ایسا فیض مل جائے تو کافی ہے۔

ایسی صورت میں مصنف کا یہ کہنا کہ: (ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ شرعی سیاست کی بنیاد اس شخص پر ہے جو لوگوں کیلئے زیادہ مفید اور عمل، ادارہ اور سیاست کے اعتبار سے زیادہ لائق وفائق ہو، سیاست میں تقوی اور دینداری اصل بنیاد نہیں ہے)۔

بالکل درست نہیں ہے، اسے مطلق طور پر کہنا غلط ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس طرح مطلق طور پر نہیں کہا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۵۸ / پر کہا:

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل اور شہروں کو فتح کرنے کے بعد انہیں حکومت و اقتدار میں اسی طرح باقی رکھتے تھے جیسے وہ پہلے تھے، صرف ان کا اسلام میں داخل ہونا کافی ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی طرف زکاۃ وصول کرنے یا تعلیم کی غرض سے صحابہ کو بھیجا کرتے تھے)۔

تبصرہ:

یہ بھی مصنف کی طرف سے بالکل واضح مغالطہ اور گمراہ کن کلام ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بطور نائب باقاعدہ ایسی جگہوں پر گورنر بنا کر بھیجتے تھے، اسی طرح انکے درمیان شریعت نافذ کرنے کیلئے باقاعدہ قاضیوں کو متعین کرتے تھے، جو انہیں تعلیم اور دین کی دعوت بھی دیتے تھے، اور زکاۃ کی وصولی بھی کرتے تھے، اور لوگوں کے درمیان شرعی احکام کے مطابق فیصلے بھی کرتے تھے، پھر آخر مصنف نے یہ کیسے کہہ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل اور شہروں کو فتح کرنے کے بعد انہیں حکومت و اقتدار میں اسی طرح باقی رکھتے تھے جیسے وہ پہلے تھے؟!

تعجب ہے مصنف کی جراءت پر کہ جو چیز سیرت نبی اور خلافت راشدہ میں معروف ہے اسکی صریح مخالفت کرتے ہوئے جھوٹی بات اس دور کی طرف منسوب کر رہا ہے! معاذ بن جبل، علی بن ابی طالب اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات اس بات کیلئے کافی ہیں کہ دور نبوی ہی سے شریعت کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، اس کے باوجود مصنف نے بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ انہیں حکومت و اقتدار میں اسی طرح باقی رکھتے تھے جیسے وہ پہلے تھے؟! یقیناً یہ باطل کا پرچار اور قاری کو شک میں ڈالنا ہے تاکہ حقیقت حال سے لوگ واقف نہ ہوسکیں۔

مصنف نے آگے ص ۵۸ / پر کہا:

(آپ اسے ایک غیر مرکزی حکومت کہہ سکتے ہیں جس میں اتباع اور اطاعت کا مقصد پورا ہو رہا تھا، اور جس میں داعیان دین کے بھیجنے کی گنجائش کی موجود ہے اور ہر قبیلے اور علاقے کی خصوصیات کے خیال رکھنے کی گنجائش بھی موجود ہے، اور ان علاقوں میں ترامیم کی ضرورت اسی وقت پڑتی تھی جب کسی غلطی کو سدھارنا مقصد ہوتا تھا)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف کی طرف سے یہ بھی ایک مایوس کن کوشش ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال زندگی اور شرعی سیاست کو کافر حکومتوں سے موازنہ کیا گیا ہے، آخر مصنف اپنے قول" غیر مرکزی حکومت" سے کہنا کیا چاہتا ہے؟! کیا اس اس پر مصنف کے پاس کوئی دلیل ہے؟!

دراصل مصنف اپنے اس باطل مغالطہ آمیز کلام کے ذریعے اپنے جمہوری موقف کو تقویت دینا چاہتا ہے اور اسکے لئے صریح جھوٹ کا سہارا لیا ہے، جبکہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ "۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری طرف سے کوئی بات اس وقت تک نہ بیان کرو جب تک کہ تم (اچھی طرح) جان نہ لو کیونکہ جس نے جان بوجھ کر جھوٹی بات میری طرف منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے اور جس نے قرآن

میں اپنی عقل و رائے سے کچھ کہا وہ بھی اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے“۔(سنن ترمذی:۲۹۵۱)۔

مزید یہ کہ مصنف نے آخر یہ وضاحت کیوں نہیں کی یا کچھ اشارہ کیوں نہیں کیا ان ترامیم کی جانب جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کئے گئے؟!

در اصل دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا



مصنف نے آگے ص ۵۹ / پر کہا:

(ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح نئی حکومت میں ہر چیز پر دھیان ہوتا تھا، انسان کی پیدائش سے لیکر اس کے موت تک حکومت کی ذمیداری ہوتی تھی، معاملہ خواہ معاشرتی ہو یا انفرادی، اسے کام پر لگانا ہو یا سفر اور امور معیشت اور دیگر تعلقات۔ اس کے بالکل برخلاف تاریخی اعتبار سے یہی دیکھا گیا کہ ایک حاکم کا رعایا سے جو تعلق رہا ہے وہ صرف زکاۃ کی وصولی کرنا اور انہیں جہاد کیلئے بھرتی کرنا وغیرہ، بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنی پوری زندگی گزار کر فوت ہو جاتا ہے اور اسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اسکا حاکم کون ہے یا حاکم اسکے بارے میں کچھ نہیں جانتا)۔

تبصرہ:

اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بارے میں نہ جانے وہ کافر ہے مسلمان نہیں ہو سکتا، اور آخر مصنف نے عربوں کے تعلق سے یہ کیسے دعوی کر دیا جبکہ عقل و ذکاوت اور حفظ و یادداشت کے اعتبار سے سب سے تیز مانے جاتے ہیں؟!

اور صرف زکاۃ کی وصولی کرنا اور جہاد میں بھرتی کرنا ہی مسلم حکومتوں کا طریقہ نہیں رہا ہے، بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سارے امور انجام پاتے رہے ہیں، جیسے کہ احتساب اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا شعبہ، حج و عمرہ کو منظم کرنا، قضاء کا منصب باقی رکھنا، جمعہ، جماعات اور عیدین کو قائم رکھنا، حدود و قصاص کی تنفیذ کرنا، نکاح و طلاق اور دوسرے خانگی امور کو انجام دینا۔ امام ماوردی رحمہ اللہ نے عربوں کے احوال کے باب میں اس طرح کی بہت ساری باتوں کا ذکر کیا ہے پھر آخر مصنف نے ان ساری چیزوں کا انکار کیوں کیا؟!

پچھلی قوموں پر مصنف کی طرف سے جہالت کا الزام لگانا بہت آسان ہے کیونکہ کوئی اپنی قبر سے نکل کر یہ کہنے نہیں آئے گا کہ تم نے ہم پر الزام لگایا ہے اور ہمارے تعلق سے تم نے خیالی باتیں نقل کی ہیں!

پھر کیا جو حکومتیں دورِ حاضر میں قائم ہیں وہ ترتیب و تنظیم کے اعتبار سے منصوص علیہ ہیں بصورت دیگر وہ شرعی سیاست سے خارج ہیں؟!

کیا اصول شریعت سے یہ واضح انحراف اور دوری نہیں ہے!؟



خلفائے راشدین کی خلافت میں حکومت کی منتقلی کے طریق کار میں مصنف کا انحراف

مصنف نے آگے ص ۵۰ / پر کہا:

(خلفائے اربعہ: صحابہ کے اندر سب سے پہلا اختلاف سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا تھا، پھر اس اختلاف کے بعد وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق ہو گئے تھے، پھر دوسرا اختلاف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوا جو کہ بالکل لوگوں کے سامنے واضح تھا یہ اختلاف کسی بند کمرے میں نہیں ہوا)۔

تبصرہ:

ہم یہی کہیں گے کہ یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی کہ اس امت کے افضل ترین لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیاسی اختلاف کرنے کا الزام لگایا جائے، ان شاء اللہ اس پر تفصیلی کلام آگے آئے گا جہاں پر پوری بات وضاحت سے رکھی جائے گی جس کے تعلق سے مصنف کی طرح بہت سارے مورخین اور قلم کاروں نے مسلمانوں میں شک وشبہ پھیلا رکھا ہے، چنانچہ یہ اختصار کے ساتھ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپس میں مشورہ کرنا اور کسی اہم مسئلے میں بحث ومباحثہ کرنا جیسا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کے اندر پیش آیا پھر سب ایک رائے پر متفق ہو گئے اسے اختلاف نہیں کہا جائے گا۔



مصنف نے آگے ص ۵۹ / پر کہا:

(پھر اسکے بعد فتنہ برپا ہوا،لیکن آپس میں لڑنے والوں نے خانہ جنگی میں دین کا استعمال نہیں کیا،بلکہ اہلیت اور اجتہاد کو بنیاد بنایا کسی دوسری چیز کو نہیں)۔

تبصرہ:

مصنف نے فتنے کی کوئی وضاحت نہیں کی،مگر سیاق سے یہی لگتا ہے کہ اس سے مراد شہادت عثمان کو لیا ہے،تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ مصنف نے یہاں بھی مغالطے سے کام لیا ہے کیوں کہ اس وقت خارجی باغیوں اور بلوائیوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خائن اور نااہل ثابت کرنے کیلئے تمام جھوٹے اور گمراہ کن ہتھکنڈوں کا استعمال کیا اور یہ دعوی کیا کہ وہ ایسا دین کی خاطر کر رہے ہیں اور اسی کو بنیاد بنا کر آپ سے معزولی کا مطالبہ کیا،لوگوں کو یہ دکھایا گیا کہ ہم دین کی نصرت کیلئے کھڑے ہوئے ہیں جبکہ وہ دوسروں کے مقابلے سب سے زیادہ دین سے دور تھے،اور ہمیشہ سے خارجی باغیوں اور بلوائیوں کا یہی طریقہ کار رہا ہے کہ وہ دین کا نام لیکر بغاوت اور خروج کرتے آئے ہیں جنکی مصنف تعریف کر رہا ہے،اور تعجب تو یہ ہیکہ مصنف اسے یہاں پر فتنہ کہہ رہا ہے جب کہ دوسری جگہوں پر اسے انقلاب اور سیاسی بغاوت کا نام دیا ہے جیسے کہ ص ۸۷۔



مصنف نے آگے ص ۵۹ / پر کہا:

(عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جو فتنہ برپا ہوا تھا اس کا تعلق معاشرتی تبدیلی اور خلافت کے طویل مدت سے ہے، اور ایسی صورت میں اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس میں سب سے اچھی بات یہ ہیکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اللہ کا مقتول بندہ ہونے پر اصرار کیا، اور یہ نہیں چاہا کہ آپ کی وجہ سے دار الخلافہ مدینہ کے اندر خانہ جنگی یا خون خرابہ ہو، برخلاف اس کے جیسا کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں بلکہ پوری تاریخ اسی کی گواہی دیتی ہے کہ یا تو ہم یا پھر خون کی ندیاں)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کو معاشرتی تبدیلی اور خلافت کے طویل مدت سے جوڑ کر دکھانے کی غلط کوشش کی ہے!!

مجھے نہیں معلوم کہ مصنف کو آخر ایسے صلحاء اور خلفائے راشدین کی خلافت کے طویل مدت سے آخر کیوں اکتاہٹ اور پریشانی ہے؟!

یہاں پر قاری کو متنبہ ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ مصنف ایسا الزام لگا کر دراصل نظام حکمرانی کی مدت کی تعین کرنا چاہتا ہے جیسے چار یا پانچ سال جس طرح لادینی سیکولر ڈیموکریٹک نظاموں میں ہوتا ہے، جبکہ شریعت میں حکمرانی کی کوئی مدت متعین نہیں کی گئی ہے، بلکہ معروف کے ساتھ حاکم کہ اطاعت اور عدم خروج کا حکم آیا ہے خواہ اسکی حکمرانی کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو۔

آپ غور کریں کہ مصنف نے کہ مصنف نے فتنے کا سبب منافقین اور خارجی باغیوں کو نہیں بتایا بلکہ اس پر پردہ ڈال کر معاشرتی تبدیلی اور خلافت کے طویل مدت کو بتایا ہے، جو کہ مصنف کے

بھیانک قلمی جرائم میں سے ایک ہے، جس پر سختی سے گرفت کرنے کی ضرورت ہے، مصنف اس کے پس پردہ قارئین کو اس بات پر قانع کرنا چاہتا ہے کہ حکام کے خلاف خروج کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے، بلکہ اس سے خیر کی امید ہوتی ہے، اور یہ کہ معاشرتی تبدیلی اور خلافت کی طول مدت خروج کا سبب بن سکتا ہے!

اس مسئلے میں مصنف کو میں نے منحرف افکار ونظریات کے حامل ایک بگڑے ہوئے شخص محمد عابد جابری کی تقلید کرتے ہوئے پایا، جس نے اپنی کتاب" الدین والدولۃ وتطبیق الشریعۃ" کے اندر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ آپ کی خلافت اس قدر طویل ہوگئی کہ لوگ اس سے اکتا گئے۔ (یہ مراکش کا تھا، جو کمنسٹ پارٹی کا لیڈر رہ چکا ہے کارل مارکس کے نظریات کا پرچارک تھا)۔

اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مصنف نے کیسے کیسے لوگوں کے نظریات کو اس کتاب میں انڈیل رکھا ہے، بطور خاص خلیفہ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے۔ نسال اللہ العافیہ والسلامہ۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل بہت بڑا جرم تھا، اور بدترین ظلم کی پہچان تھا، آپ کا شمار ان چاروں خلفاء میں ہوتا ہے جنکی اقتداء کرنے کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دیا ہے یہ فرماتے ہوئے کہ تم میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرنا۔

یقینا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں کی طرف سے خلافت سے معزولی کے مطالبے کو رد کردیا تاکہ یہی چیز بعد میں خوارج کیلئے حجت نہ بن جائے جس سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منع کیا ہے، پھر آخر یہ واقعہ مصنف کے یہاں کیسے خروج پر دلیل بن سکتا ہے! اس طرح یہ واقعہ خود

مصنف کی خارجی فکر کے خلاف حجت ہے نہ کہ اسکے حق میں، مگر معاملہ وہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ) ترجمہ: پس بے شک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔(الحج:۴۶)۔

مزید یہ کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلافت پر باقی رہنے کا حکم دیا تھا کہ صبر کرنا اور خلافت سے دستبردار نہ ہونا، جو کہ مصنف کے نظریئے کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَتَبَ مَعِي مُعَاوِيَةُ إِلَى عَائِشَةَ قَالَ فَقَدِمْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَدَفَعْتُ إِلَيْهَا كِتَابَ مُعَاوِيَةَ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ أَلَا أُحَدِّثُكَ بِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ بَلَى قَالَتْ فَإِنِّي كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ يَوْمًا مِنْ ذَاكَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ كَانَ عِنْدَنَا رَجُلٌ يُحَدِّثُنَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَبْعَثُ لَكَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ عِنْدَنَا رَجُلٌ يُحَدِّثُنَا فَقَالَتْ حَفْصَةُ أَلَا أُرْسِلُ لَكَ إِلَى عُمَرَ فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ لَا ثُمَّ دَعَا رَجُلًا فَسَارَّهُ بِشَيْءٍ فَمَا كَانَ إِلَّا أَنْ أَقْبَلَ عُثْمَانُ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثِهِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَهُ يَا عُثْمَانُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَعَلَّهُ أَنْ يُقَمِّصَكَ قَمِيصًا فَإِنْ أَرَادُوكَ عَلَى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ فَأَيْنَ كُنْتِ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ وَاللَّهِ لَقَدْ أُنْسِيتُهُ حَتَّى مَا ظَنَنْتُ أَنِّي سَمِعْتُهُ۔

ترجمہ: سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر میرے ہاتھ حضرت عائشہ کے پاس بھیجا، میں نے ان کے پاس پہنچ کر وہ خط ان کے حوالے کیا تو وہ کہنے لگیں، بیٹا! کیا میں تمہیں ایک حدیث نہ سناؤں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، انہوں نے فرمایا ایک مرتبہ میں اور حفصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش! ہمارے پاس کوئی آدمی ہوتا جو ہم سے باتیں کرتا، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میں کسی کو بھیج کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تو خاموش رہے، پھر فرمایا نہیں، میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلانے کے لئے کہا، تب بھی یہی ہوا، پھر ایک آدمی کو بلا کر کچھ دیر اس سے سرگوشی کی، تھوڑی ہی دیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہو گئے، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، عثمان! عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا، اگر منافقین اسے اتارنا چاہیں تو تم اسے نہ اتارنا یہاں تک کہ مجھ سے آملو، تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: اے ام المومنین! اب تک یہ بات آپ نے کیوں ذکر نہیں فرمائی؟ انہوں نے فرمایا واللہ میں یہ بات بھول گئی تھی، مجھے یاد ہی نہیں رہی تھی۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۵، مسند احمد: ۲۴۵۶۱)۔

(وضاحت: اس کرتے سے مراد خلعت خلافت (خلافت کی چادر) ہے، مفہوم یہ ہے کہ اگر منافقین تمہیں خلافت سے دستبردار ہونے کو کہیں اور اس سے معزول کرنا چاہیں تو ایسا مت ہونے دینا کیونکہ اس وقت تم حق پر قائم رہو گے اور دستبرداری کا مطالبہ کرنے والے باطل پر ہوں گے، اللہ کے رسول کے اسی فرمان کے پیش نظر عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت کا جام پی لیا۔ لیکن دستبردار نہیں

ہوئے۔مترجم)۔

مسند احمد کی ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: (يَا عُثْمَانُ إِنَّ اللَّهَ عَسَى أَنْ يُلْبِسَكَ قَمِيصًا فَإِنْ أَرَادَكَ الْمُنَافِقُونَ عَلَى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ حَتَّى تَلْقَانِي ثَلَاثًا)

ترجمہ: عثمان! عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیض پہنائے گا، اگر منافقین اسے اتارنا چاہیں تو تم اسے نہ اتارنا یہاں تک کہ مجھ سے آملو، تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا۔(مسند احمد: ۲۴۵۶۶)۔

آپ غور کریں اس حدیث کے اندر خارجی بلوائیوں کو منافق کہا گیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُوا لِي بَعْضَ أَصْحَابِي قُلْتُ أَبُو بَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ عُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ ابْنُ عَمِّكَ عَلِيٌّ قَالَ لَا قَالَتْ قُلْتُ عُثْمَانُ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ تَنَحَّيْ جَعَلَ يُسَارُّهُ وَلَوْنُ عُثْمَانَ يَتَغَيَّرُ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الدَّارِ وَحُصِرَ فِيهَا قُلْنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَلَا تُقَاتِلُ قَالَ لَا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْدًا وَإِنِّي صَابِرٌ نَفْسِي عَلَيْهِ۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مرض الوفات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے کچھ ساتھیوں کو میرے پاس بلاؤ، میں نے عرض کیا ابوبکر کو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا عمر کو، فرمایا نہیں، میں عرض کیا عمر کو؟ فرمایا نہیں، میں عرض کیا عثمان کو بلاؤں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جب وہ آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہاں سے ہٹ جانے کے لئے فرمایا اور ان کے ساتھ سرگوشی میں باتیں کرنے لگے اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ بدلتا رہا، پھر جب یوم الدار کے موقع پر حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو ہم نے ان سے کہا امیر المومنین! آپ قتال کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، میں اس پر ثابت قدم رہوں گا۔ (مسند احمد: ۶ / ۵۱)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم نے از حدیث پر غور کیا تو پایا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت باعث رشد و ہدایت اور موجب خیر و برکت تھی، اور یہ بیعت انصار و مہاجرین سمیت تمام صحابہ کے اتفاق سے عمل میں آئی تھی، پھر یہ اتفاق چلتا رہا یہاں تک کہ کچھ لوگوں کی طرف سے گروہ کی شکل میں الزامات لگائے گئے اور آپ کے خلاف شورش برپا کی، یہاں تک کہ آپ کو منصب خلافت سے ہٹانے کے درپے ہو گئے، اور اسکے لئے خروج و بغاوت تک کر ڈالا، جبکہ آپ کی خلافت منصوص تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی پیشین گوئی فرمائی تھی، اور لوگوں نے اسی کے مطابق عمل بھی کیا، اور آپ کی طرف سے کسی خلاف توقع امر کو صدور بھی نہیں ہوا، اور ہوتا بھی نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر وحی الہی مشکوک ہو جاتی، اور یہ محال ہے، پتہ چلا کہ جو لوگ معزولی کا مطالبہ کر رہے تھے وہ غلطی پر تھے، و باللہ التوفیق۔ (شرح مشکل الآثار: ۱۲ / ۳۳۶)۔

اس لئے بڑے تعجب کی بات ہیکہ مصنف بھی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں وہی بات دہرا رہا ہے: (اور ایسی صورت میں اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس میں سب سے اچھی بات یہ ہیکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اللہ کا مقتول بندہ ہونے پر اصرار کیا، اور یہ نہیں چاہا کہ آپ کی وجہ سے دار الخلافہ مدینہ کے اندر خانہ جنگی یا خون خرابہ ہو، برخلاف اس کے جیسا کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں بلکہ پوری تاریخ اسی کی گواہی دیتی ہے کہ یا تو ہم یا پھر خون کی ندیاں)۔

اس پر ہم کہیں گے کہ یہ حادثہ صحابہ اور منجملہ تمام مسلمانوں کیلئے بہت ہی المناک ہے، اس میں

کوئی اچھی بات نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے کہا ہے، اسی طرح مصنف نے اہم وجہ بیان نہیں کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صبر کیا تا کہ بعد میں یہ واقعہ خوارج کیلئے حجت نہ بن جائے پھر بعد میں اپنے خبیث مقاصد کو پورا کرنے کیلئے اس واقعے کو حجت بنا کر جس بھی حاکم کے خلاف چاہیں خروج و بغاوت کرتے رہیں۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شہادت عثمان پہلا فتنہ ہے جبکہ دجال آخری فتنہ ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ:۷ / ۱۹۲)۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسلام بالکل بند قلعے کی طرح مضبوط تھا، پھر شہادت عثمان کے ذریعے لوگوں نے اس میں دراڑ پیدا کر دیا، اب اسے قیامت تک بند نہیں کیا جا سکتا، انھوں نے خلافت کو مدینہ سے نکال دیا اب انکے اندر واپس نہیں آئے گی۔ (مصدر سابق)۔

امام زہری کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس سال شہید کئے گئے اس سال کو سعید بن مسیب رحمہ اللہ غم کا سال کہتے تھے۔ (اشراف الانساب للبلاذری:۱ / ۵۹۰)۔

آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے یہاں پر خلیفہ راشد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان جابر و ظالم بادشاہوں سے تشبیہ دے دی ہے جو کہتے ہیں کہ یا تو ہم یا پھر خون کی ندیاں! جیسا کہ مصنف کے قول (اور ایسی صورت میں اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں) سے واضح ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسا کہ خلیفہ بعد میں پیدا ہوا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں!

آپ اگر مصنف کی فکر پر دیکھیں تو سمجھ میں آئے گا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس طرح خلافت پر قائم تھے، اسے چھوڑ نہیں رہے تھے، اور آپ کو نہ چھوڑنے کی ہدایت بھی تھی، آپ کا یہ عمل مصنف کی

نظر میں استبداد اور ظلم نظر آئے گا نعوذ باللہ!

اور اس طرح مصنف کے اعتبار سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ظالم و جابر ڈکٹیٹر نظر آئیں گے، مگر ایسا ڈکٹیٹر جو بغاوتوں کو قبول کرنے والا ہو اور باغیوں کی باتوں کو سننے والا ہو!!

آپ غور کریں کہ مصنف نے یہ بالکل ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آیا سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں حق پر تھے یا بلوائی اپنے موقف میں حق پر تھے، بلکہ یہ موہوم اور مجمل جملہ استعمال کیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مقتول بندہ ہونے کو ترجیح دی، جس سے ایک طرف عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بدظنی پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف خروج و بغاوت کے جواز کو بھی راہ ملتی ہے۔ اور یہی مصنف کا مقصد بھی ہے۔

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ: (لیکن اس میں سب سے اچھی بات یہ ہیکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اللہ کا مقتول بندہ ہونے پر اصرار کیا)۔ تو اس کلام کے اندر مصنف نے دو مختلف چیزوں کو خلط مبحث بنا کر پیش کیا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہ یہ حکم تھا کہ اللہ کا مقتول بندہ بن جاؤ اور نہ یہ حکم تھا کہ اللہ کا قاتل بندہ بن جاؤ، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ کہ جس قمیص کو اللہ نے پہنایا ہے اسے نہ اتارنا، جیسا کہ حدیثوں ہیں وارد ہوا ہے، جس سے پتہ چلتا ہیکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، اور خلیفہ راشد تھے، آپ کی نصرت واجب تھی اور جو آپ کو گزند پہونچانا چاہتے تھے وہ اگر روکنے سے نہ رکتے تو ان سے قتال کرنا بھی جائز تھا۔ جب کہ بلوائی خوارج باطل اور گمراہی پر تھے، اور یہی صحابہ کا بھی موقف تھا۔

اور دوسرے یہ کہ منافق بلوائیوں نے بغاوت کرکے آپ کے گھر پر حملہ کیا تھا اور اس تعلق سے حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ".

ترجمہ: سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے“۔ (سنن ترمذی: ۱۴۲۱)۔

اپنی جان، مال، اہل وعیال اور عزت وناموس کی حفاظت اور دفاع ایک شرعی امر ہے، ایسا کرتے ہوئے اگر کسی کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے تو اسے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا، لیکن یہ شہید میدان جہاد کے شہید کے مثل نہیں ہے، اسے غسل دیا جائے گا، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے کفن بھی دیا جائے گا۔

ان خارجی بلوائیوں نے نہ تو دار الخلافہ مدینہ کا احترام کیا، نہ ہی خلافت کا اور نہ ہی گھروں کا احترام کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ گفتگو کرنے نہیں آئے تھے جیسا کہ انہوں نے ظاہر کیا تھا، بلکہ وہ تمام حرمتوں کو پامال کرنے آئے تھے، اسی لئے خلیفہ کے دفاع میں آنے والی فوج کے پہونچنے سے قبل ہی انہوں نے خلیفہ کو قتل کر دیا۔

مقتول ہونا اور قاتل نہ ہونا اس صورت میں ہے جب فتنہ عروج پر ہو حق اور باطل واضح نہ ہو سکے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي ". قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ دَخَلَ عَلَيَّ بَيْتِي وَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ لِيَقْتُلَنِي، قَالَ: " كُنْ كَابْنِ آدَمَ "۔

ترجمہ: بسر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہونے والے فتنہ کے وقت کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عنقریب ایک ایسا فتنہ ہوگا جس میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا"، میں نے عرض کیا: آپ بتائیے اگر کوئی میرے گھر میں گھس آئے اور قتل کرنے کے لیے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: "آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جانا"۔ (سنن ترمذی: ۲۱۹۴)۔

مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سُمَيْرَةَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَأَى رَأْسًا فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ إِذَا جَاءَهُ مَنْ يُرِيدُ قَتْلَهُ أَنْ يَكُونَ مِثْلَ ابْنِ آدَمَ الْقَاتِلُ فِي النَّارِ وَالْمَقْتُولُ فِي الْجَنَّةِ

ترجمہ: عبدالرحمن بن سمیرہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک کٹا ہوا سر دیکھا تو فرمایا تم میں سے کسی آدمی کو" جب اسے کوئی قتل کرنے کے لئے آئے" ابن

آدم جیسا بننے سے کیا چیز روکتی ہے یاد رکھو! مقتول جنت میں جائے گا اور قاتل جہنم میں ۔(مسند احمد: ۵۷۵۴)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، فَكَسِّرُوا قِسِيَّكُمْ، وَقَطِّعُوا أَوْتَارَكُمْ، وَاضْرِبُوا بِسُيُوفِكُمُ الْحِجَارَةَ، فَإِنْ دُخِلَ عَلَى أَحَدٍ مِنْكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنَيْ آدَمَ ".

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے قریب ایسے فتنے ہوں گے جیسے اندھیری رات کے حصے، ان میں آدمی صبح کو مومن ہو گا، تو شام کو کافر ہو گا اور شام کو مومن ہو گا تو صبح کو کافر ہو گا، اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا، اور ان فتنوں میں تم اپنی کمانوں کو توڑ ڈالنا، کمان کے تانت کاٹ ڈالنا، اپنی تلواریں پتھر پر مار کر کند کر لینا، اور اگر تم میں سے کسی کے پاس کوئی گھس جائے تو آدم کے دونوں بیٹوں میں سے نیک بیٹے کی طرح ہو جانا“۔(سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۱)۔

یعنی جنہوں نے اپنے بھائی قابیل سے کہا: تو مجھے اگر مارے گا تب بھی تجھے نہیں ماروں گا، مطلب آپ کا یہ ہے کہ ان فتنوں میں لڑنا اور مسلمانوں کو مارنا گویا فتنہ کی تائید کرنا ہے، پس گھر میں

خاموشی سے بیٹھے رہنا مناسب ہے، اور جس قدر کوئی زیادہ حرکت کرے گا اتنا ہی وہ برا ہے۔

مذکورہ احادیث ان حالات کے بیان میں ہیں جب امور مشتبہ ہو جائیں اور حق و باطل کی پہچان مشکل ہو جائے، سوال یہ ہیکہ کیا سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا معاملہ مشتبہ تھا، کیا آپ خلیفہ راشد نہیں تھے؟! ایسا کوئی خارجی رافضی ہی کہہ سکتا ہے جسکی بصیرت کو اللہ نے سلب کرلیا ہو۔

دوسرے یہ کہ اہل علم نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گورنروں سے فوج کا مطالبہ کیا تھا تا کہ ان بلوائیوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں، چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شام، کوفہ اور بصرہ سے فوج کا مطالبہ کیا تھا تا کہ بلوائیوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں۔ اور سب نے اپنی اپنی فوج بھیج بھی دی تھی مگر وہ جیسے ہی مدینہ کے قریب پہونچے تو پتہ چلا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷ / ۱۸۰)۔

اور جن بلوائیوں نے خروج و بغاوت کیا تھا انکے کئی مطالبات تھے: یا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ معزول ہو جائیں، یا قصاص کیلئے تیار ہو جائیں یا پھر قتل ہونے کیلئے تیار ہو جائیں! ان کے تمام شبہات اور اعتراضات کا جواب دیا جا چکا ہے۔

ابن جریر، ابن کثیر اور دیگر مورخین نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو بلا کر پوچھا تھا کہ یہ کیا چاہتے ہیں؟ تو اشتر نے کہا کہ یہ چاہتے ہیں کہ یا تو آپ معزول ہو جائیں، یا قصاص کیلئے تیار ہو جائیں یا پھر قتل ہونے کیلئے تیار ہو جائیں!

اسی طرح بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے گورنروں کی معزولی کا بھی مطالبہ کیا تھا، اور یہ کہ اگر آپ خود معزول نہ ہوں تو مروان کو بن الحکم کو معزول کر کے انکے حوالے کر دیں تا کہ وہ انہیں سزا دیں، اسی طرح ان لوگوں نے آپ کے خلاف گورنر مصر کے نام ایک جھوٹا خط بھی بھیج دیا تھا، اسی

لئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ اگر وہ مروان کو حوالے کر دیں تو ممکن ہے یہ لوگ قتل کر دیں، اور آپ کسی مسلمان کے قتل کا سبب بننا نہیں چاہتے تھے۔(البدایہ والنہایہ: ۷ / ۱۸۰)۔

ابن کثیر مزید لکھتے ہیں کہ ابو ثور فہمی نے کہا کہ میں مدینہ ہی سے اندر تھا، ابن عدیس بلوی کو دیکھا کہ وہ منبر رسول پر خطبہ دے رہا ہے اور اس خطبے میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی برائی کر رہا ہے، میں نے آکر عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اسکی خبر کر دی تو آپ نے کہا کہ اللہ کی قسم! ابن عدیس نے جھوٹ کہا ہے، اگر اس نے میرا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی ذکر نہیں کرتا، میں اسلام میں داخل ہونے والا چوتھا انسان ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح کیا ہے، اللہ کی قسم! میں نے کبھی بھی نہ تو جاہلیت میں اور نہ ہی اسلام میں زنا کیا نہ چوری کی حتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں نے دائیں ہاتھ سے اب تک اپنی شرم گاہ کو چھوا تک نہیں ہے، میں نے عہد نبوی ہی میں قرآن کو جمع کر رکھا تھا، اور اسلام لانے کے بعد میرا یہ معمول رہا ہے کہ ہر جمعہ ایک غلام آزاد کرتا ہوں۔(البدایہ والنہایہ: ۷ / ۱۸۱)۔

مدینہ میں رہنے والے بہت سارے صحابہ آپ کے دفاع کیلئے آئے جیسے کہ ابن عمر، ابن زبیر، حسن وحسین مروان اور ابو ہریرہ وغیرہ، لیکن آپ نے کہا کہ میں قسم دیکر کہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے جائیں اور اپنے غلاموں سے کہا کہ جو اپنی تلوار میان میں رکھ لے وہ آزاد ہے، در اصل آپ نے ویسا، اس لئے فیصلہ لیا کیونکہ آپ نے جواب دیکھا تھا جس سے آپ کی موت کے قریب ہونے کا پتہ جلتا تھا اسی لئے آپ نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور صبر کر لیا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی شوق میں اور پیشین گوئی کے پورا ہونے کی چاہت ہیں، تا کہ آپ آدم کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر کی مثال بن جائیں، جبکہ اس نے اپنے قاتل بھائی سے کہا تھا جیسا کہ

منقول ہے: (إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ لے کر لوٹے، پھر تو آگ والوں میں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی جزا ہے۔ (المائدہ: ۲۹)۔

ابو جعفر رازی کہتے ہیں کہ ابن عمر سے مروی ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ شیخ صبح کھ وقت لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو مجھ سے کہہ رہے تھے کہ عثمان! آج تم میرے ساتھ افطاری کرنا۔ اسی لئے وہ اس دن روزے سے تھے اور اسی دن شہید کئے گئے۔ (مصدر سابق)۔ اللھم ارض عنہ، واجمعنا بہ فی الجنۃ یاارحم الراحمین۔



مصنف کا صحابہ پر ظالمانہ جسارت اور طعن وتشنیع

مصنف نے آگے ص ۶۰ / پر کہا:

(شاید اس مسئلے میں سب سے اہم خلیفہ کا انتخاب، اقتدار کی منتقلی اور وہ عام پراسیس ہے جو اپنے چار دورانیے میں پورا ہوا، اور یہ کہ اس میں امت کی رائے اور اسکے انتخاب پر اعتماد کیا گیا، اور جہاں تک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تزکیہ کی بات ہے تو وہ نصوص نبویہ کی روشنی میں تھا، سقیفہ بنی ساعدہ میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہوا تھا، کہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں یہ پہلا پارلیمنٹ تھا، پھر اسکے بعد لوگ آپ کی خلافت پر متفق ہو گئے، اور آپ نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وصیت کر دی تھی دراصل لوگوں کے آراء اور تجاویز پر بھروسہ کرتے ہوئے، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بطور انتخاب ایک کمیٹی تشکیل دی تھی یہاں تک کہ اس کمیٹی نے پردہ نشین خواتین سے بھی مشورہ لیا تھا، آخر میں اس کمیٹی نے دو سیدنا علی اور عثمان کا نام لیا، چنانچہ عثمان کی شہادت کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ منتخب کیا گیا)۔

تبصرہ:

دراصل یہ بھی مصنف کی طرف سے مغربی جمہوریت کی طرف ایک ناکام دعوت اور اسکی تشہیر کرنا ہے، اس بارے میں مصنف نے انہیں مغرب پرست قلم کاروں کی تقلید کی ہے جن کا گمان ہیکہ خلفائے اربعہ کا انتخاب مغربی جمہوریت کے طرز پر ہوا ہے، جس میں لوگوں کی اکثریت کی بنیاد پر حاکم چنا جاتا ہے، اور مصنف نے اس گمان اپنے اس قول کے ذریعے بیان کیا ہے: (اقتدار کی منتقلی اور وہ عام پراسیس ہے جو اپنے چار دورانیے میں پورا ہوا، اور یہ کہ اس میں امت کی رائے اور اسکے انتخاب

پر اعتماد کیا گیا)۔

جبکہ یہ مصنف کی طرف سے ایک ظالمانہ جسارت ہے۔

اس لئے اس بارے میں حقیقت حال سے واقف ہونا بہت ضروری ہے کہ خلفائے اربعہ کا انتخاب کیسے ہوا اور اور صحابہ نے انہیں کیسے چنا، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اہل حل وعقد کے اجماع کی روشنی میں منتخب کیا گیا تھا، بکر ابو زید کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے واضح نصوص کی روشنی میں اور اجماع کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا اور جن لوگوں نے اختلاف کیا تھا وہ سب دلیل اور اجماع کے سامنے مطمئن ہو گئے۔ (حکم الانتماء للاحزاب والفرق والجماعات، ص ۲۵)۔

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے وصیت کی بنیاد پر۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر مصنف کو کیسے یہ علم ہوا کہ آپ نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وصیت کر دی تھی دراصل لوگوں کے آراء اور تجاویز پر بھروسہ کرتے ہوئے؟!

بلکہ حقیقت اسکے بالکل برعکس ہے، اور یہ ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے صحابہ کی سیرے کا مطالعہ کیا ہے۔

صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قِيلَ لِعُمَرَ: أَلَا تَسْتَخْلِفُ، قَالَ: "إِنْ أَسْتَخْلِفْ، فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي أَبُو بَكْرٍ، وَإِنْ أَتْرُكْ، فَقَدْ تَرَكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ، فَقَالَ:

رَاغِبٌ رَاهِبٌ، وَدِدْتُ أَنِّي نَجَوْتُ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِي وَلَا عَلَيَّ لَا أَتَحَمَّلُهَا حَيًّا وَلَا مَيِّتًا".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنا خلیفہ کسی کو کیوں نہیں منتخب کر دیتے، آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کو خلیفہ منتخب کرتا ہوں (تو اس کی بھی مثال ہے کہ) اس شخص نے اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اگر میں اسے مسلمانوں کی رائے پر چھوڑتا ہوں تو (اس کی بھی مثال موجود ہے کہ) اس بزرگ نے (خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے لیے) چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر لوگوں نے آپ کی تعریف کی، پھر انہوں نے کہا کہ کوئی تو دل سے میری تعریف کرتا ہے کوئی ڈر کر۔ اب میں تو یہی غنیمت سمجھتا ہوں کہ خلافت کی ذمہ داریوں میں اللہ کے ہاں برابر برابر ہی چھوٹ جاؤں، نہ مجھے کچھ ثواب ملے اور نہ کوئی عذاب میں نے خلافت کا بوجھ اپنی زندگی بھر اٹھایا۔ اب مرنے پر میں اس بار کو نہیں اٹھاؤں گا۔ (صحیح بخاری: ۷۲۱۸)۔

یہ بالکل نص صریح ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیعت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے وصیت کی بنیاد پر تھی، کیا اسے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بیعت لوگوں کے آراء واقوال پر بھروسہ کر کے کی گئی ہے؟

اسکے بعد بھی مصنف سے یہی کہا جائے گا کہ مصنف کا یہ گمان کہ یہ لوگوں کے آراء واقوال پر بھروسہ کر کے ہوا یا پھر خلیفہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے وصیت کی بنیاد ہوا، ہر دو صورت میں جمہوری نظام کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس میں حاکم کی رائے اور اختیار کا کوئی شمار نہیں ہوتا ہے!! اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ جمہوریت کے دلدادوں کے شبہات کو

یہی چیز ختم کر دیتی ہے۔

اور جہاں تک سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا تعلق ہے تو چھ لوگوں کی کمیٹی کے اجماع سے عمل میں آیا ہے، اور جہاں تک مدینہ کے عام لوگوں سے مشورہ لینے کا تعلق ہے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ لوگوں سے یہ جاننا مقصود تھا کہ ممکن ہے کسی کے پاس عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے تعلق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی معلومات ہو، یہ حاکم وقت کے منتخب کرنے کیلئے کوئی مشورہ نہیں تھا، کیونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت کو انہیں چھ لوگوں میں محصور کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے کسی بھی دوسرے شہر میں مشورہ کیلئے کسی کو نہیں بھیجا اور نہ ہی کسی کو مکلف بنایا، اسی سے جمہوریت کے دلدادوں کے غبارے کی ہوا نکل جاتی ہے!

اور لوگوں نے تو باقاعدہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین بنا دیجئے، اور اگر ان خوارج، معتزلہ اور کمنسٹوں کے اصولوں کی طرح کوئی غلط بات ہوتی تو صحابہ ایسی بات نہ کہتے، بلکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان پر نکیر کرتے، چنانچہ اس انتخاب میں جمہوریت کے خلاف صحابہ کے منہج کی دلیل ہے کہ حاکم کی وصیت کی بنا پر جانشینی متعین ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے کہ لوگوں نے آخری وقت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا:

(أَوْصِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اسْتَخْلِفْ، قَالَ: مَا أَجِدُ أَحَدًا أَحَقَّ بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْ هَؤُلَاءِ النَّفَرِ أَوِ الرَّهْطِ الَّذِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ فَسَمَّى عَلِيًّا ، وَعُثْمَانَ ، وَالزُّبَيْرَ ، وَطَلْحَةَ ، وَسَعْدًا ، وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ، وَقَالَ: يَشْهَدُكُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَلَيْسَ لَهُ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ كَهَيْئَةِ التَّعْزِيَةِ لَهُ فَإِنْ أَصَابَتِ الْإِمْرَةُ سَعْدًا فَهُوَ ذَاكَ وَإِلَّا فَلْيَسْتَعِنْ بِهِ أَيُّكُمْ مَا أُمِّرَ فَإِنِّي لَمْ

أَعْزِلْهُ عَنْ عَجْزٍ وَلَا خِيَانَةٍ)

ترجمہ: امیر المؤمنین! خلافت کے لیے کوئی وصیت کر دیجئیے، فرمایا کہ خلافت کا میں ان حضرات سے زیادہ اور کسی کو مستحق نہیں پاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک جن سے راضی اور خوش تھے پھر آپ نے علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لیا اور یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن عمر کو بھی صرف مشورہ کی حد تک شریک رکھنا لیکن خلافت سے انہیں کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ جیسے آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تسکین کے لیے یہ فرمایا ہو۔ پھر اگر خلافت سعد کو مل جائے تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر وہ نہ ہوسکیں تو جو شخص بھی خلیفہ ہو وہ اپنے زمانہ خلافت میں ان کا تعاون حاصل کرتا رہے۔ کیونکہ میں نے ان کو (کوفہ کی گورنری سے) نا اہلی یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۷۰۰)۔

اسی روایت میں آگے وارد ہوا ہے:

فَلَمَّا فُرِغَ مِنْ دَفْنِهِ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ الرَّهْطُ، فَقَالَ: عَبْدُ الرَّحْمَنِ اجْعَلُوا أَمْرَكُمْ إِلَى ثَلَاثَةٍ مِنْكُمْ، فَقَالَ: الزُّبَيْرُ قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَلِيٍّ، فَقَالَ: طَلْحَةُ قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عُثْمَانَ، وَقَالَ سَعْدٌ: قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَيُّكُمَا تَبَرَّأَ مِنْ هَذَا الْأَمْرِ فَنَجْعَلُهُ إِلَيْهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ وَالْإِسْلَامُ لَيَنْظُرَنَّ أَفْضَلَهُمْ فِي نَفْسِهِ فَأُسْكِتَ الشَّيْخَانِ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَفَتَجْعَلُونَهُ إِلَيَّ وَاللَّهُ عَلَيَّ أَنْ لَا آلُ عَنْ أَفْضَلِكُمْ، قَالَا: نَعَمْ فَأَخَذَ بِيَدِ أَحَدِهِمَا، فَقَالَ: لَكَ قَرَابَةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَدَمُ فِي الْإِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ فَاللَّهُ عَلَيْكَ لَئِنْ أَمَّرْتُكَ لَتَعْدِلَنَّ وَلَئِنْ أَمَّرْتُ عُثْمَانَ

لَتَسْمَعَنَّ وَلَتُطِيعَنَّ ثُمَّ خَلَا بِالْآخَرِ، فَقَالَ لَهُ: مِثْلَ ذَلِكَ فَلَمَّا أَخَذَ الْمِيثَاقَ، قَالَ: ارْفَعْ يَدَكَ يَا عُثْمَانُ فَبَايَعَهُ فَبَايَعَ لَهُ عَلِيٌّ وَوَلَجَ أَهْلُ الدَّارِ فَبَايَعُوهُ.

ترجمہ: پھر جب لوگ دفن سے فارغ ہو چکے تو وہ جماعت (جن کے نام عمر رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے بتائے تھے) جمع ہوئی عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: تمہیں اپنا معاملہ اپنے ہی میں سے تین آدمیوں کے سپرد کر دینا چاہیے اس پر زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنا معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اپنا معاملہ عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتا ہوں اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنا معاملہ عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد کیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے) کہا کہ آپ دونوں حضرات میں سے جو بھی خلافت سے اپنی برات ظاہر کرے ہم اسی کو خلافت دیں گے اور اللہ اس کا نگراں ونگہبان ہو گا اور اسلام کے حقوق کی ذمہ داری اس پر لازم ہو گی۔ ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون افضل ہے، اس پر یہ دونوں حضرات خاموش ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ حضرات اس انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالتے ہیں، اللہ کی قسم کہ میں آپ حضرات میں سے اسی کو منتخب کروں گا جو سب میں افضل ہو گا۔ ان دونوں حضرات نے کہا کہ جی ہاں، پھر آپ نے ان دونوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ آپ کی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ابتداء میں اسلام لانے کا شرف بھی۔ جیسا کہ آپ کو خود ہی معلوم ہے، پس اللہ آپ کا نگران ہے کہ اگر میں آپ کو خلیفہ بنا دوں تو کیا آپ عدل وانصاف سے کام لیں گے اور اگر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دوں تو کیا آپ ان کے احکام سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے؟ اس کے بعد دوسرے صاحب کو تنہائی میں لے گئے اور ان سے بھی یہی کہا اور جب ان سے وعدہ لے لیا تو فرمایا:

اے عثمان! اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ چنانچہ انہوں نے ان سے بیعت کی اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے بیعت کی، پھر اہل مدینہ آئے اور سب نے بیعت کی۔ (صحیح بخاری: ۳۷۰۰)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ، أَنَّ الرَّهْطَ الَّذِينَ وَلَّاهُمْ عُمَرُ اجْتَمَعُوا، فَتَشَاوَرُوا، فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: لَسْتُ بِالَّذِي أُنَافِسُكُمْ عَلَى هَذَا الأَمْرِ، وَلَكِنَّكُمْ إِنْ شِئْتُمْ اخْتَرْتُ لَكُمْ مِنْكُمْ، فَجَعَلُوا ذَلِكَ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فَلَمَّا وَلَّوْا عَبْدَ الرَّحْمَنِ أَمْرَهُمْ، فَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَتَّى مَا أَرَى أَحَدًا مِنَ النَّاسِ يَتْبَعُ أُولَئِكَ الرَّهْطَ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ، وَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ يُشَاوِرُونَهُ تِلْكَ اللَّيَالِي حَتَّى إِذَا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أَصْبَحْنَا مِنْهَا فَبَايَعْنَا عُثْمَانَ، قَالَ الْمِسْوَرُ: طَرَقَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بَعْدَ هَجْعٍ مِنَ اللَّيْلِ، فَضَرَبَ الْبَابَ حَتَّى اسْتَيْقَظْتُ، فَقَالَ: أَرَاكَ نَائِمًا فَوَاللَّهِ مَا اكْتَحَلْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ بِكَبِيرِ نَوْمٍ، انْطَلِقْ فَادْعُ الزُّبَيْرَ، وَسَعْدًا، فَدَعَوْتُهُمَا لَهُ فَشَاوَرَهُمَا ثُمَّ دَعَانِي، فَقَالَ: ادْعُ لِي عَلِيًّا، فَدَعَوْتُهُ، فَنَاجَاهُ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ مِنْ عِنْدِهِ وَهُوَ عَلَى طَمَعٍ، وَقَدْ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَخْشَى مِنْ عَلِيٍّ شَيْئًا، ثُمَّ قَالَ: ادْعُ لِي عُثْمَانَ، فَدَعَوْتُهُ، فَنَاجَاهُ حَتَّى فَرَّقَ بَيْنَهُمَا الْمُؤَذِّنُ بِالصُّبْحِ، فَلَمَّا صَلَّى لِلنَّاسِ الصُّبْحَ، وَاجْتَمَعَ أُولَئِكَ الرَّهْطُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، فَأَرْسَلَ إِلَى مَنْ كَانَ حَاضِرًا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَأَرسل إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ، وَكَانُوا وَافَوْا تِلْكَ الْحَجَّةَ مَعَ عُمَرَ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوا، تَشَهَّدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، ثُمّ قَالَ: " أَمَّا بَعْدُ يَا عَلِيُّ، إِنِّي قَدْ

نَظَرْتُ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَرَهُمْ يَعْدِلُونَ بِعُثْمَانَ فَلَا تَجْعَلَنَّ عَلَى نَفْسِكَ سَبِيلًا، فَقَالَ: أُبَايِعُكَ عَلَى سُنَّةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ". فَبَايَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَبَايَعَهُ النَّاسُ الْمُهَاجِرُونَ، وَالْأَنْصَارُ وَأُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ، وَالْمُسْلِمُونَ.

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن نے خبر دی اور انہیں مسور بن مخرمہ نے خبر دی کہ وہ چھ آدمی جن کو عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے نامزد کر گئے تھے (یعنی علی، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کہ ان میں سے کسی ایک کو اتفاق سے خلیفہ بنا لیا جائے) یہ سب جمع ہوئے اور مشورہ کیا۔ ان سے عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا خلیفہ ہونے کے لیے میں آپ لوگوں سے کوئی مقابلہ نہیں کروں گا۔ البتہ اگر آپ لوگ چاہیں تو آپ لوگوں کے لیے کوئی خلیفہ آپ ہی میں سے میں چن دوں۔ چنانچہ سب نے مل کر اس کا اختیار عبدالرحمٰن بن عوف کو دے دیا۔ جب ان لوگوں نے انتخاب کی ذمہ داری عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تو سب لوگ ان کی طرف جھک گئے۔ جتنے لوگ بھی اس جماعت کے پیچھے چل رہے تھے، ان میں اب میں نے کسی کو بھی ایسا نہ دیکھا جو عبدالرحمٰن کے پیچھے نہ چل رہا ہو۔ سب لوگ ان ہی کی طرف مائل ہو گئے اور ان دنوں میں ان سے مشورہ کرتے رہے جب وہ رات آئی جس کی صبح کو ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

مسور رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رات گئے میرے یہاں آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا یہاں تک کہ میں بیدار ہو گیا۔ انہوں نے کہا میرا خیال ہے آپ سو رہے تھے، اللہ کی قسم میں ان راتوں میں بہت کم سو سکا ہوں۔ جائیے! زبیر اور سعد کو بلائیے۔ میں ان دونوں بزرگوں کو بلا لایا اور انہوں نے ان سے مشورہ کیا، پھر مجھے بلایا اور کہا کہ میرے لیے علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلا دیجئیے۔ میں

نے انہیں بھی بلایا اور انہوں نے ان سے بھی سرگوشی کی۔ یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ پھر علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے ہی لیے امید تھی۔ عبدالرحمٰن کے دل میں بھی ان کی طرف سے یہی ڈر تھا، پھر انہوں نے کہا کہ میرے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی بلا لائیے۔ میں نے انہیں بھی بلا لایا اور انہوں نے ان سے بھی سرگوشی کی۔ آخر صبح کے مؤذن نے ان کے درمیان جدائی کی۔ جب لوگوں نے صبح کی نماز پڑھ لی اور یہ سب لوگ منبر کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے موجود مہاجرین، انصار اور لشکروں کے قائدین کو بلایا۔ ان لوگوں نے اس سال حج عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا پھر کہا امابعد! اے علی! میں نے لوگوں کے خیالات معلوم کیئے اور میں نے دیکھا کہ وہ عثمان کو مقدم سمجھتے ہیں اور ان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، اس لیے آپ اپنے دل میں کوئی میل پیدا نہ کریں۔ پھر کہا میں آپ (عثمان رضی اللہ عنہ) سے اللہ کے دین اور اس کے رسول کی سنت اور آپ کے دو خلفاء کے طریق کے مطابق بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ پہلے ان سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر سب لوگوں نے اور مہاجرین، انصار اور فوجیوں کے سرداروں اور تمام مسلمانوں نے بیعت کی۔ (صحیح بخاری: ۷۲۰۷)۔

ان دلائل سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جمہوریت کے دلدادے کیسے کیسے صحابہ پر بہتان تراشی کرتے ہیں، اور یہ کہ یہ سب انہیں طرف سے ناکام کوشش ہے۔

اسی طرح یہ لوگ قرآن کی آیت (وامرھم شوری بینھم) سے بھی غلط استدلال کرتے ہیں، چنانچہ اس باطل استدلال پر علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ اپنے فتاوے میں کہتے ہیں کہ کچھ

لوگ اس آیت سے غلط اور باطل استدلال کرتے ہیں، آخر مغربی جمہوریت پر اس سے استدلال کا طرح کر سکتے ہیں؟!! امور سیاست میں اور جدید ٹیکنولوجی سے متعلق جن معاملات میں یہ استدلال کرتے ہیں وہ کبھی بھی مراد نہیں ہو سکتے۔

پھر اسکے بعد ووٹنگ اور انتخابات کے تعلق سے کہتے ہیں کہ اس نظام کے اندر اکثریت پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ان میں بھی لوگ اپنی خواہش اور مقصد سے ووٹنگ کرتے ہیں، اس طرح سب سے اغراض و مقاصد جدا ہوتے ہیں، اگر اکثریت کا امیدوار باطل پر ہے تو سب اسی کو ووٹنگ کریں گے اس طرح اس نظام کا باطل ہونا واضح ہے، اسی طرح کوئی ضروری نہیں کہ اکثریت اللہ کے نزدیک محبوب ہو۔ یورپ کی ایک بڑی تعداد اسی نظام پر عمل پیرا ہے اور وہ دین واخلاق سے کوسوں دور ہیں۔(مجموع فتاوی الشیخ محمد بن ابراہیم: ۱۲ / ۱۷۴)۔

امام بخاری نے کتاب الاحکام کے اندر باب باندھا ہے: بَابُ بِطَانَةِ الْإِمَامِ وَأَهْلِ مَشُورَتِهِ الْبِطَانَةُ الدُّخَلَاءُ، باب: امام کا خاص مشیر جسے (بطانہ) بھی کہتے ہیں یعنی حاکم کے راز دار دوست کا بیان۔

پھر اس باب کے تحت درج ذیل حدیث نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" مَا بَعَثَ اللَّهُ مِنْ نَبِيٍّ، وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، فَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللَّهُ تَعَالَى"۔

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ

نے جب بھی کوئی نبی بھیجا یا کسی کو خلیفہ بنایا تو اس کے ساتھ دو رفیق تھے ایک تو انہیں نیکی کے لیے کہتا اور اس پر ابھارتا اور دوسرا انہیں برائی کے لیے کہتا اور اس پر ابھارتا۔ پس معصوم وہ ہے جسے اللہ بچائے رکھے۔" (صحیح بخاری: ۱۹۸/۷)۔

چنانچہ اسلامی نظام کے اندر اہل شوری سے مراد حاکم کے خصوصی وزراء ہوتے ہیں، اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ کے قول (وشاورهم في الامر) ترجمہ: اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں۔ (آل عمران: ۱۵۹) کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مراد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اور اسی لئے جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ جانشینی کیلئے وصیت کر دیں تو آپ نے کہا کہ خلافت کا میں ان حضرات سے زیادہ اور کسی کو مستحق نہیں پاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک جن سے راضی اور خوش تھے پھر آپ نے علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لیا اور یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن عمر کو بھی صرف مشورہ کی حد تک شریک رکھنا لیکن خلافت سے انہیں کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ (صحیح بخاری)۔

اس طرح آپ نے امور خلافت کو صرف چھ لوگوں کے اندر محصور کر دیا نہ کہ پوری قوم کو یہ حق دیا جیسا کہ جمہوریت کے دلدادے کہتے ہیں۔

ابویعلی الفراء کہتے ہیں کہ حاکم وقت کیلئے یہ جائز ہیکہ وہ اہل حل وعقد کے مشورے کھ بغیر کسی کو اپنا ولی عہد بنا دے، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا تھا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ لوگوں کو جانشین بنایا تھا، اور دونوں خلیفہ نے اپنے انتخاب میں اہل حل وعقد سے کوئی مشورہ نہیں لیا تھا۔ (الاحکام السلطانیہ لابی یعلی، ص ۲۵)۔

امام ماوردی نے کہا کہ حاکم وقت کی طرف سے ولی عہدی کا تقرر کرنے کے جواز اور اسکی صحت پر اجماع ہے، کیونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کیا اور مسلمانوں نے اسے باقی رکھا، دوسرے یہ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ لوگوں کو جانشین بنایا اور سب نے اسے قبول کیا، جبکہ اس وقت بہت سے صحابہ موجود تھے، اور صحابہ کی طرف سے اجماع تھا۔ (الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص ۱۱)۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے حدیبیہ کے فوائد بتلاتے ہوئے کہا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم اپنی رعایا اور فوج سے مشورہ کرسکتا ہے تاکہ ان کی رائے لے سکے اور انہیں بھی اطمینان حاصل ہو جائے، اور تاکہ بعض ایسے امور اور مصالح سے بھی واقف ہو جائے جسے وہ نہیں جانتا ہے، اور ساتھ میں رب تعالی کے حکم کی فرمانبرداری بھی ہو جائے: (وشاورهم في الامر) ترجمہ: اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں۔ (آل عمران: ۱۵۹)۔

اور اللہ نے اپنے ان بندوں کی تعریف کی ہے جو مشورہ لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: (وامرهم شورى بينهم) ترجمہ: اور وہ اپنے معاملات آپسی مشورے سے حل کرتے ہیں۔ (الشوری: ۳۸)۔ (زاد المعاد: ۳/ ۳۰۲)۔

آگے مصنف نے کہا (چنانچہ عثمان کی شہادت کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ منتخب کیا گیا)۔

یہ بھی باطل استدلال ہے، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا انتخاب کسی جمہوری نظام کے طرز پر نہیں ہوا تھا کہ آپ کو بہت سارے امیدواروں کے بیچ اکثریت سے منتخب کیا گیا ہو، بلکہ صحابہ کا اس بات پر اتفاق تھا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی خلافت کے مستحق ہیں، اس میں کسی کو کوئی شبہہ نہیں

تھا اور نہ ہی خلافت کیلئے کوئی انتخاب ہوا تھا، ہاں کچھ لوگوں نے قاتلین عثمان کے بدلے کو لیکر اختلاف کیا تھا مگر بعد میں سب کا اتفاق ہوگیا تھا، اور پھر اسی مسئلے کو لیکر ان کے درمیان جو بھی اختلافات ہوئے وہ سب اختلاف پر مبنی تھے، لیکن یہاں پر مصنف نے خلفائے اربعہ کے تعلق سے قاری کو اس وہم اور گمان میں ڈالنا چاہا ہے کہ انکا انتخاب جمہوری طرز عمل پر ہوا تھا جب کہ یہ صریح جھوٹ، الزام اور مغالطہ ہے جو صحت سے کوسوں دور ہے۔

اسی طرح ابن کثیر نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی تمام لوگوں کے مشوروں کے منتخب نہیں ہوئے تھے جیسا کہ مصنف کا گمان ہے، بلکہ اس وقت کے انصار ومہاجرین صحابہ کے اتفاق سے خلیفہ بنے تھے۔(البدایہ والنہایہ: ۷ / ۲۲۵)۔

ابن العربی المالکی نے اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جب دیکھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے، اور ہڑبونگ کی کیفیت ہے تو انصار ومہاجرین نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو چوتھے خلیفہ کے طور پر سب سے بہتر پایا اور آپ کو خلیفہ منتخب کرلیا، اگر اس قدر جلدی نہ کرتے تو اوباشوں کس فتنہ مزید بڑھ جاتا اسی لئے انصار ومہاجرین نے اسے واجب سمجھ کر جلدی میں فیصلہ لیا اور سب نے اسے قبول کیا۔(العواصم من القواصم، ص ۱۴۲)۔



مصنف نے آگے ص ۶۰ / پر کہا:

(اقتدار کی منتقلی کے وسائل کو گزرے ہوئے طرز اور طریقے پر محدود کر دیں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ مجرد عمل اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، اور نہ ہی دوسرے طریقوں کی نفی ہو سکتی ہے، کیونکہ ممکن ہے کسی خاص ماحول اور علاقے کیلئے کوئی طریقہ بہتر ہو جو جغرافیائی اور تکنیکی اعتبار سے وہی طریقہ دوسرے علاقے کیلئے بہتر نہ ہو)۔

تبصرہ:

اس کا جواب درج ذیل کئی وجوہات سے دیا گیا ہے:

پہلی وجہ:

مصنف نے یہاں پر صحابہ کے طرز عمل اور طریقے کو کم تر بنا کر پیش کیا ہے، جبکہ دوسری جگہ پر جمہوری نظام کی تعریف کی ہے، قاری کو اسے دھیان میں رکھنا ہوگا، چنانچہ مصنف نے آٹھواں سبب گناتے ہوئے ص ۴۴ پر کہا: (اور نظام حکمرانی کیلئے جو نمونہ قابل تقلید ہے وہ جمہوری نظام ہے جو کہ اکثر ممالک میں پایا جاتا ہے، جس کے اندر اپڈیٹ ہونے کی صلاحیت اور ہر ملک کی خصوصیات کی رعایت کرنے کی صلاحیت موجود ہے)۔

آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے صرف صحابہ کے طریقے کی مذمت ہی نہیں کی ہے بلکہ اعدائے اسلام کے طریقے کی مدح وستائش بھی کی ہے، اور تعریف میں غلط کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اس کے اندر اپڈیٹ ہونے کی صلاحیت اور ہر ملک کی خصوصیات کی رعایت کرنے کی صلاحیت موجود ہے!

دوسری وجہ:

ہم تو چاہتے تھے کہ مصنف ان اسالیب کو یا بعض کو شرعی دلائل پر پیش کرتا جنہیں وہ جمہوری نظام کہتا ہے، بلکہ اکثر اسکی صراحت کی ہے، اور اس نظام کے اندر یہ لوگوں کو یہ وہم وگمان رکھتے ہیں کہ لوگ جسے چاہتے ہیں منتخب کرتے ہیں جبکہ حقیقت میں اسکے لئے پروپیگنڈوں، جھوٹے وعدوں اور فریبی میڈیا کا استعمال کرکے کسی خاص مہرے کا انتخاب کرتے ہیں۔

مصنف نے کہا کہ: (کیونکہ مجرد عمل اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، اور نہ ہی دوسرے طریقوں کی نفی ہو سکتی ہے)۔

اسکا جواب یہی ہے کہ اسلام کے اندر اہل حل وعقد کے ذریعے یا جانشین اور ولی عہد نامزد کر کے کسی کو منتخب کرنا ہی مشروع طریقہ ہے، جیسا کہ گزرا، اور جہاں تک غلبہ حاصل کر کے حاکم بننے کا تعلق ہے تو یہ اس کا مشروع نہیں ہے البتہ اگر کوئی اقتدار پر غلبہ اور طاقت کا استعمال کر کے قابض ہو جائے اور وہ زمام حکومت کا مالک بن جائے تو پھر اسکی اطاعت کو بھی واجب کیا گیا ہے، اور یہ معلوم ہیکہ غلبہ کی مختلف صورتیں ہیں، اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي مِنْ أَصْحَابِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ، وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ مَسْعُودٍ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے اصحاب میں سے میرے بعد ہوں گے یعنی ابو بکر و عمر کی، اور عمار کی روش پر چلو، اور ابن مسعود کے عہد (وصیت) کو مضبوطی سے تھامے رہو“۔ (سنن ترمذی: ۳۸۰۵)۔

(اس حدیث کے اول و آخر ٹکڑے میں خلافت صدیقی و فاروقی کی طرف اشارہ ہے، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالترتیب ان دونوں کی خلافت ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت سے مراد بھی یہی ہے کہ انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تائید کی تھی، یہی مراد ہے، ان کی وصیت مضبوطی سے تھامنے سے۔ مترجم)۔

اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے:

(فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ").

ترجمہ: تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی گزر چکا ہے، جیسا کہ صحیحین میں وارد ہوا ہے:

صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قِيلَ لِعُمَرَ: أَلَا تَسْتَخْلِفُ، قَالَ: "إِنْ أَسْتَخْلِفْ، فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي أَبُو بَكْرٍ، وَإِنْ أَتْرُكْ، فَقَدْ تَرَكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ، فَقَالَ: رَاغِبٌ رَاهِبٌ، وَدِدْتُ أَنِّي نَجَوْتُ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِي وَلَا عَلَيَّ لَا أَتَحَمَّلُهَا حَيًّا وَلَا مَيِّتًا".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنا خلیفہ کسی کو کیوں نہیں منتخب کر دیتے، آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کو خلیفہ منتخب کرتا ہوں (تو اس کی بھی مثال ہے کہ) اس شخص نے اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اگر میں اسے مسلمانوں کی رائے پر چھوڑتا ہوں تو (اس کی بھی مثال موجود ہے کہ) اس بزرگ نے (خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے لیے) چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر لوگوں نے آپ کی تعریف کی، پھر انہوں نے کہا کہ کوئی تو دل سے میری تعریف کرتا ہے کوئی ڈر کر۔ اب میں تو یہی غنیمت سمجھتا ہوں کہ خلافت کی ذمہ داریوں میں اللہ کے ہاں برابر برابر ہی چھوٹ جاؤں، نہ مجھے کچھ ثواب ملے اور نہ کوئی عذاب میں نے خلافت کا بوجھ اپنی زندگی بھر اٹھایا۔ اب مرنے پر میں اس بار کو نہیں اٹھاؤں گا۔ (صحیح بخاری: ۷۲۱۸)۔

اور صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ جب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا تو میں سمجھ گیا کہ اب آپ کسی کو اپنا جانشین نہیں بنائیں گے۔

سنت مطہرہ سے یہ واضح دلائل تھے جن سے پتہ چلتا ہے کہ امور حکومت میں بھی ہمیں سلف ہی کے طریقے کو اختیار کرنا چاہئے اور انہیں کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر لوگ کسی کی خلافت پر متفق ہو جائیں خواہ اسکی ضرورت کچھ بھی ہو، رضامندی کے ساتھ ہو یا پھر غلبہ کے ساتھ، اگر اسکے بعد کوئی خروج کرے تو وہ مسلمانوں کی جماعت کو توڑنے والا ہوگا اور اس تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد احادیث کی مخالفت کرنے والا ہوگا اور اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی: ۲/ ۱۶۱)۔

اور عبد اللہ بن عمرو کے قول (اطاعت الٰہی میں اسکی اطاعت کریں اور معصیت الٰہی میں اسکی نافرمانی کریں) کے بارے میں امام نووی نے کہا کہ اس میں اس بات کی دلیل ہیکہ اگر کوئی غلبہ اور تسلط کے ساتھ اقتدار پر قابض ہو جائے بغیر کسی جانشینی اور ولی عہدی کے تو اسکی بھی اطاعت واجب ہوگی۔(شرح صحیح مسلم: ۱۲/ ۲۳۴)۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا کہ اگر کوئی غلام بھی طاقت کے زور پر غالب آجائے تو اسکی بھی اطاعت واجب ہوگی جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دے، اور ایسا فتنوں سے بچنے کیلئے کہا گیا ہے۔(فتح الباری: ۱۳/ ۱۲۲)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) ترجمہ: اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔(البقرہ: ۳۰)۔

امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی غلبہ اور تسلط کے ساتھ اقتدار پر قابض ہو جائے تو کہا گیا ہیکہ یہ نظام حکمرانی کا چوتھا طریقہ ہوگا، سھل بن عبد اللہ تستری سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی غلبہ اور تسلط کے ساتھ اقتدار پر قابض ہو جائے تو ایسی صورت میں ہمارے اوپر کیا واجب ہے؟ تو کہا کہ اسکی بات سنو اور اسکا حق ادا کرو، اس پر نکیر نہ کرو، اور نہ ہی اس سے دور بھاگو، اور اگر وہ آپ کو دین کے امور میں امین بنائے تو اسے افشاء نہ کرو۔(تفسیر القرطبی: ۱/ ۲۶۹)۔

شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ نے کہا کہ جب مسلمانوں کا حاکم منتخب ہونے کیلئے امور طے ہو جائیں تو معلوم ہونا چاہئے کہ امامت کبری درج ذیل امور میں سے کسی ایک کے ذریعے منعقد ہوئی ہے:

پہلا:

اس بات کیلئے نص صریح ہو کہ فلاں ہی حاکم ہوگا، تو اسی نص کی روشنی میں اسکی امامت منعقد ہو جائے گی، بعض علماء نے کہا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت اسی قبیل سے تھی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز کی امامت کیلئے مقدم کیا تھا جو کہ بہت ہی اہم ہے، اور جس کے اندر یہ اشارہ ہیکہ امامت کبری کیلئے آپ ہی کو مقدم کیا جائے گا، اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

دوسرا:

اہل حل وعقد کے اتفاق سے کسی کی بیعت کرنا، بعض علماء نے کہا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت اسی قبیل سے تھی؛ کیونکہ اختلاف کے بعد انصار ومہاجرین کے اہل حل وعقد کی طرف سے آپ کی بیعت پر اجماع ہو گیا تھا۔

تیسرا:

ولی عہد نامزد کرنا، جیسے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کیلئے کیا، اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جو چھ لوگوں کی کمیٹی تشکیل دی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی۔

چوتھا:

طاعت اور غلبہ کے زور پر زمام حکومت پر قابض ہو جائے اور لوگ اسکے ماتحت ہو جائیں بایں طور کہ اگر بغاوت کریں گے تو اس سے مزید خون خرابہ اور فتنہ وفساد برپا ہوگا، بعض علماء نے کہا ہے کہ عبد اللہ بن الزبیر کے خلاف عبد الملک بن مروان کی چڑھائی اسی قبیل سے تھی کہ جس کے بعد زمام حکومت مکمل طور پر عبد الملک کے قبضے میں آ گیا، جیسا کہ ابن قدامہ نے المغنی میں کہا ہے۔

اور بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہیکہ کسی ایک بھی فرد کی بیعت سے امامت منعقد ہو جائے گی جیسا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی

تھی، اور امام قرطبی کا بھی اسی طرف میلان ہے، بلکہ امام الحرمین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، اور اسکے علاوہ ایک قول کے مطابق چار لوگوں کی بیعت ضروری ہے، اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ یہ ہیکہ اگر کوئی طاقت کے ذریعے غالب آجائے تو اسکی اسکے حق میں امامت کے احکام لاگو ہوں گے، اسلئے کہ عام انسان کی طرح جس کے پاس حکومت کیلئے طاقت نہ ہو وہ امام نہیں ہوسکتا۔ (اضواء البیان للشنقیطی: ۱/ ۲۲)۔

بہر حال معلوم یہی ہوا کہ ایک مسلم کو چاہئے کہ وہ مصنف کے بیانیے سے دھوکہ کھا کر مسلمانوں کے طریقے سے خروج نہیں کرنا چاہئے، واللہ المستعان۔

تیسری وجہ:

یہ جسے انتخابات کا نیا اسلوب اور نیا طریقہ بولتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دھوکہ، جھوٹے پروپیگنڈوں، مکر و فریب، اقتدار پر قابض ہونے کیلئے مختلف پارٹیوں میں رسہ کشی اور اسکے لئے زبردست مال و دولت اور میڈیا کا استعمال کیا جاتا ہے، اسی کو یہ انتخابات کہتے ہیں۔

چوتھی وجہ:

مصنف نے کہا کہ: (کیونکہ ممکن ہے کسی خاص ماحول اور علاقے کیلئے کوئی طریقہ بہتر ہو جو جغرافیائی اور تکنیکی اعتبار سے وہی طریقہ دوسرے علاقے کیلئے بہتر نہ ہو)۔

یہ قول باطل اور مردود ہے، کیونکہ امامت کبری دین کے اہم امور میں شمار ہوتی ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السیاسۃ الشرعیہ کے اندر کہا ہے کہ یہ واجبات دین میں سے ہے، بلکہ اقامت دین کیلئے یہ ضروری ہے، کیونکہ بنی آدم کی بہت ساری مصلحتیں اسی سے پوری ہوتی ہیں، لوگوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے لئے اجتماعیت بہت ضروری ہے، اور

یہ بغیر سر براہ کے ممکن نہیں ہے حتی کہ عارضی سفر میں بھی سر براہ متعین کرنے کا حکم آیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تین افراد کسی سفر میں ہوں تو ہوئے کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لیں"۔(سنن ابی داود: ۲۶۰۸)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ أَنْ يَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِطَلَاقِ أُخْرَى وَلَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَبِيعَ عَلَى بَيْعِ صَاحِبِهِ حَتَّى يَذَرَهُ وَلَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِأَرْضِ فَلَاةٍ إِلَّا أَمَّرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ وَلَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِأَرْضِ فَلَاةٍ يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ صَاحِبِهِمَا۔

ترجمہ: سیدنا ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کسی عورت سے دوسری کو طلاق ہونے کی وجہ سے نکاح کرنا حلال نہیں کسی شخص کے لئے اپنے ساتھی کے بیع پر بیع کرنا حلال نہیں جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے اور ایسے تین آدمیوں کے لئے جو کسی اجنبی علاقے (جنگل) میں ہوں ضروری ہے کہ اپنے اوپر کسی ایک کو امیر مقرر کرلیں اور ایسے تین آدمیوں کے لئے جو کسی جنگل میں ہوں حلال نہیں ہے کہ ان میں سے دو آدمی اپنے تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر سرگوشی کرنے لگیں۔(مسند احمد: ۶۶۴۷)۔

ایک عارضی اور مختصر اجتماعیت پر امیر متعین کرنے کا حکم آیا ہے جو اس جانب اشارہ ہیکہ بتی اجتماعیت پر بدرجہ اولی امیر متعین واجب ہے، اور اسی طرح اللہ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ واجب کیا ہے جو کہ بغیر طاقت اور امارت کے ممکن نہیں ہے، اسی طرح دیگر فرائض جیسے جہاد، عدل و انصاف کا قیام، جمع و جماعت اور حج وعیدین کی ادائیگی، نیز مظلوم کی مدد اور حدود و قصاص کی تنفیذ کرنا سب کیلئے طاقت اور امارت کی ضرورت ہے۔(السیاسہ الشرعیہ، ص ۲۱۷)۔

اور بلاشبہ جب امارت و اقتدار کا یہ مقام ہے تو اس تعلق سے شریعت اور سلف صالح کے منہج سے اعراض کر کے اہل کفر وضلالت کے طریقے کو اپنانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوگا۔



مصنف نے آگے ص ۶۱/ پر کہا:

(آغاز اسلام میں خلافت کی شکل میں اسلامی حکومت ایک استثنائی صورت ہے جو بار بار نہیں ہوگا، اسی لئے شرعی احکام کی تنفیذ اسی دور کے لئے تھا جو دوسری حکومتوں کیلئے نہیں ہے، اور اسکے کچھ اسباب ہیں: ۱- انہیں میں سے ایک یہ ہیکہ وہ زمن نبوت سے قریب تھے، اور دین کو بلا واسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا، اس طرح انکا عہد ایک نمونہ ہے جس سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، البتہ کوئی یہ نہ سوچے کہ اس تجربہ کو دوبارہ کوئی دہرا سکتا ہے، کیونکہ وہ خلافت نبوی منہج پر تھی)۔

تبصرہ:

مصنف سے کہا جائے گا کہ سیاست شرعیہ، اسکے ضوابط اور اصول نیز اسکا منہج یہ سب استثنائی نہیں بلکہ ایک منہج ہے جسکی اقتداء واجب ہے، اور خلفائے راشدین کا یہ منہج برحق ہے، وہ بعد والوں کیلئے اسوہ اور نمونہ ہیں، اور جہاں تک شرعی احکام کے تنفیذ یا تعلق ہے تو یہ تمام مسلم حکام کی ذمیداری ہے، یہ صرف خلفائے اربعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، چنانچہ مصنف کا یہ کہنا کہ (اسی لئے شرعی احکام کی تنفیذ اسی دور کے لئے تھا جو دوسری حکومتوں کیلئے نہیں ہے) بالکل صریح اور باطل کلام ہے، مزید انتہائی جسارت کرتے ہوئے اپنی غلطی کی تاکید میں یہاں تک کہہ دیا کہ (کوئی یہ نہ سوچے کہ اس تجربہ کو دوبارہ کوئی دہرا سکتا ہے؛ کیونکہ وہ خلافت نبوی منہج پر تھی)۔

مصنف نے یہاں پر اجمال اور تلبیس سے کام لیا ہے، آخر مصنف نے تجربہ دہرانے سے کیا مراد لیا ہے، اور کیا خلافت راشدہ کو تجربہ کہہ سکتے ہیں؟ اور کیا خلفائے راشدین امور دین اور حکومت وخلافت میں تجربہ کر رہے تھے؟ چنانچہ مصنف کے اس کلام کے اندر اجمال اور دھوکہ ہے:

اگر اس کا مطلب یہ ہیکہ خلافت راشدہ جیسا دور اب واپس نہیں آئے گا تو پھر یہ ٹھیک ہے، کیونکہ اس تعلق سے ایسی حدیثیں وارد ہیں جن سے یہی پتہ چلتا ہے، جیسے کہ یہ حدیث:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ". قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے اور اس کے بعد ایسے لوگوں کا زمانہ آئے گا جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔" ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہمارے بڑے بزرگ شہادت اور عہد کا لفظ زبان سے نکالنے پر ہمیں مارتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۵۲)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو۔ اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مدغلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔" (صحیح بخاری:

۳۶۷۳)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:(النُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ)

ترجمہ: تارے بچاؤ ہیں آسمان کے، جب تارے مٹ جائیں گے تو آسمان پر بھی جس بات کا وعدہ ہے وہ آجائے گی (یعنی قیامت آجائے گی اور آسمان بھی پھٹ کر خراب ہو جائے گا) اور میں بچاؤ ہوں اپنے اصحاب کا جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر بھی وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے (یعنی فتنہ اور فساد اور لڑائیاں) اور میرے اصحاب بچاؤ ہیں میری امت کے جب اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے۔(صحیح مسلم:۲۵۳۱)۔

اسی طرح مسند احمد میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ سَيِّئٌ۔

ترجمہ: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو قلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے بہتر پایا اس لئے اللہ نے ان ہی کو اپنے لئے منتخب فرمالیا اور انہیں پیغمبری کا شرف عطاء کر کے مبعوث فرمایا: پھر قلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نکال کر

دوبارہ اپنے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل کو سب سے بہترین پایا، چنانچہ اللہ نے انہیں اپنے نبی کا وزیر بنا دیا، جو ان کے دین کی بقاء کے لئے اللہ کے راستہ میں قتال کرتے ہیں، اس لئے مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جو چیز مسلمانوں کی نگاہوں میں بری ہو، وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ (مسند احمد: ۳۶۰۰)۔

مفہوم یہی ہے کہ صحابہ جیسا دور واپس نہیں آسکتا۔

لیکن اگر مصنف کی مراد یہ ہو کہ حکومت وسیاست اور عبادت واتباع نیز علم وہدایت اور جہاد جیسے دیگر امور دین میں اب کوئی انہیں اپنا اسوہ اور نمونہ نہیں بنا سکتا تو یہ باطل ہے، کیونکہ انکی اقتداء کرنا اور انکے منہج پر چلنا واجب ہے، اور اسی منہج میں حاکم کا انتخاب بھی شامل ہے۔

ایسی صورت میں مصنف سے کہا جائے گا کہ ایک مسلمان ہی ایسا سوچے گا اور انکے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا)

ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ (النساء: ۱۱۵)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عمیر قال سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللَّهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ ".

ترجمہ: عمیر بن ہانی سے روایت ہے، میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا منبر پر، وہ کہتے تھے میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "ہمیشہ ایک گروہ میری امت کا اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گا جو کوئی ان کو بگاڑنا چاہے وہ کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آن پہنچے اور وہ غالب رہیں گے لوگوں پر۔" (صحیح مسلم: ۷۱۰۳)۔

اس معنی میں آیات واحادیث بہت زیادہ ہیں۔

پھر یہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اگر اقتداء اور نمونہ کے طور پر بھی اسے دہرایا نہیں جاسکتا تو پھر اس حدیث کا مطلب رہ جائے گا جس میں وارد ہوا ہے کہ میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کا حکم دے رہے ہیں جسکا وقوع ممکن نہیں ہے؟!

یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ جب مصنف نے اہل باطل کی تائید میں انتقال اقتدار کے تعلق سے

سلفی طریقے کی مخالفت کردی ہے اور آر جمہوری نظام کی موافقت کرتے ہوئے سلفی منہج کو مشکوک بنانے اور اس سے خروج کرنے کی ناروا کوشش کی ہے۔ اور یہاں تک کہہ دیا کہ انکے منہج اور طریقے پر چلنا اب کسی کیلئے ممکن نہیں ہے۔

اور یہ کہنا کہ صحابہ کا دور ختم ہونے کے ساتھ اس امت کی خیریت ختم ہو چکی ہے، یہ اس حدیث رسول کی تکذیب ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ ایک گروہ میری امت کا اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گا جو کوئی ان کو بگاڑنا چاہے وہ کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آن پہنچے اور وہ غالب رہیں گے لوگوں پر۔



مصنف نے آگے ص ۶۲ / پر کہا:

(اسی لئے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر خلفاء کی سنت سے مراد سیاسی اور حکومتی امور بدرجہ اولی ہوں گے، اسی لئے انکی خلافت کی صراحت آئی ہے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف نے خلفائے راشدین کی اقتداء کی نفی عمومی پیمانے پر نہیں کی ہے البتہ اسے امور حکومت میں مقصد اول بتایا ہے، تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہاں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر خلفاء کی سنت کو عطف کیا گیا ہے، لہذا امور حکومت کو بدرجہ اولی اور مقصود اول بتانے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے، ورنہ یہی کہا جائے گا کہ سب سے پہلے امور دین میں، علم وایمان اور توحید نیز دیگر شرائع میں انہیں اسوہ سب سے پہلے بنایا جائے گا۔

اور مصنف کا یہ کہنا کہ (اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر خلفاء کی سنت سے مراد سیاسی اور حکومتی امور بدرجہ اولی ہوں گے)۔ یہ فہم علماء کے خلاف ہے۔

چنانچہ اس حدیث کے بارے میں ابن رجب حنبلی نے کہا کہ اس سے پتہ چلا کہ اختلاف کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی واجب ہے، اور یہ اعتقادات اور اقوال واعمال سب میں مراد ہے، اور یہی کامل سنت ہے، بلکہ ایک طرف اگر حکام کی اطاعت

عمومی طور پر وارد ہوئی ہے تو خلفائے راشدین کی اطاعت خصوصی طور پر وارد ہوئی ہے جیسے کہ اس کے علاوہ مسند احمد کے اندر بھی وارد ہوا ہے:

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَسْتُ أَدْرِي مَا قَدْرُ بَقَائِي فِيكُمْ فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَ وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ

ترجمہ: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں تمہارے درمیان کتنا عرصہ رہوں گا اس لئے ان دو آدمیوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اور عمار کے طریقے کو مضبوطی سے تھامو اور ابن مسعود تم سے جو بات بیان کریں اس کی تصدیق کیا کرو۔ (مسند احمد)۔

اسی لئے تاریخ سے ثابت ہیکہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی اقتداء کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرنا کتاب اللہ مضبوطی سے تھامنا ہے اور اسی سے اللہ کا دین مضبوط ہوگا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا، جو اس کے مطابق چلے گا وہی راہ ہدایت پر ہوگا اور اور جو اسے چھوڑ کر غیر مسلموں کی راہ پر چلے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ (جامع العلوم والحکم: ۱/ ۲۶۴)۔



مصنف نے آگے ص ۶۲ / پر کہا:

(انکی سنت میں سے عدل وانصاف کو قائم کرنا ہے،حق تلفی نہ کرنا اورخوف و ہراس پیدا نہ کرنا ہے،لائق وفائق لوگوں کو امورحکومت میں شریک کرنا گرچہ وہ رشتہ دار نہ ہوں اور شورائیت پر عمل کرنا حتی کہ حاکم کے چننے میں بھی)۔

تبصرہ:

مصنف نے جن امور کا ذکر کیا ہے بلا شبہ یہ چیزیں اس کی شامل ہیں گرچہ شورائیت الزامی نہیں ہے،لیکن سوال یہ ہیکہ دیگر اہم امور کا ذکر مصنف نے کیوں نہیں کیا جو کہ خلفاء کی سنت میں بدرجہ اولی شامل ہیں، جیسے کہ حدود وقصاص کی تنفیذ کرنا،مرتد پر حد قائم کرنا،شریعت کو نافذ کرنا،اہل بدعت اور اہل ضلالت نیز فاسق وفاجر کو سزائیں دینا، اقامت دین، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیناوغیرہ؟! دراصل یہ سب مصنف جیسے جمہوریت کے دلدادوں کی آزادی کے خلاف ہے!



مصنف نے آگے ص ۶۲ / پر کہا:

(انکے پاس شریعت کا علم اور قوت ادار یہ دونوں جمع تھے، اس طرح وہ ایک ساتھ فقہاء بھی تھے اور حکام بھی، یعنی وہ سیاسی اور فقہی مرجع کی حیثیت دونوں رکھتے تھے، اور یہی وجہ ہیکہ ان کے زمانے کے بعد فقہی مذاہب اور سیاسی آراء سب مختلف ہو گئے)۔

تبصرہ:

فعلی اختلاف کوئی مذموم شیء نہیں ہے الا یہ کہ کوئی اس میں غلو کرے، اور یہ ۱۰۰ ھ کے آخر میں پیش بھی آیا، لیکن جہاں تک سیاسی اختلاف کی بات ہے تو یہ اقتدار کا اختلاف ہے، جس میں بعض کے یہاں اجتہادی غلطی پائی گئی ہے اور بعض کے یہاں ظلم اور نفس پرستی جبکہ بعض کے یہاں جہالت پائی گئی ہے۔

تعجب کی بات یہ ہیکہ مصنف نے اس اختلاف کا ذکر ہی نہیں کیا جسکی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میرے بعد تم لوگ بہت زیادہ اختلاف پاؤ گے، یعنی دین میں بدعات کی کثرت ہو گی، چنانچہ اسی اختلاف کے نتیجے میں خوارج اور شیعہ پیدا ہوئے، پھر قدریہ اور مرجئہ پیدا ہوئے، پھر جہمیہ کا فتنہ آیا، جو کہ سب سے زیادہ خبیث تھا، پھر باطنی ملاحدہ کا فتنہ آیا، پھر بد دین فلاسفہ کا فتنہ آیا، پھر مغرب پرست لبرل طبقے کا فتنہ آیا۔

مصنف نے کہا کہ پھر سیاسی امور میں اختلاف پیدا ہوا۔

اس میں اجمال ہیکہ، کوئی ضروری نہیں کہ ہر اختلاف درست ہی ہو، چنانچہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آنے والے اختلافات آپسی اختلافات تھے اور جسے سیدنا حسن کے ہاتھ پر ختم کیا

گیا، جس اختلاف کو حدیث میں اسلامی کہا گیا ہے۔ جبکہ بعض اختلاف ایسے ہوتے ہیں جنکی گنجائش نہیں ہوتی ہے جیسے خوارج کا اختلاف، کہ جنہیں قتل کتنے کا حکم دیا گیا ہے، انکے سیاسی اختلاف کو بالکل برداشت نہیں کیا گیا ہے، بلکہ انہیں کلاب النار کہہ کر انہیں مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔



مصنف نے آگے ص ۶۳/ پر کہا:

(اس طرح یہ ایک معیاری مرحلہ اور ایک اعلی نمونہ ہے جسے ہر زمانے کے لوگوں پر لاگو کرنا ممکن نہیں ہے، اس دور کو ہم حقیقت پر مبنی ایک وضاحتی نوٹ سمجھتے ہیں جس نے نص شرعی کو اسکے مجرد سادے دائرے سے تمام مشکلات، تناقضات اور خطاوصواب کے ساتھ زندگی کی حقیقی صورت حال کی طرف منتقل کیا ہے)۔

تبصرہ:

اس کلام کا ہم دو وجوہات سے جواب سے سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

نص شرعی کا کوئی ایسا مجرد سادہ دائرہ نہیں ہے جسے زندگی کے حقیقی صورت حال کی طرف منتقل کرنے کی ضرورت پڑے، بلکہ پوری شریعت ہی ہر زمان ومکان کیلئے صالح اور لائق ہے، اور اس تعلق سے سلف صالح کا عمل اور نصوص شرعیہ کے بارے میں انکا فہم ہی برحق طریقہ ہے، جو بہت ہی واضح ہے، اسی کی پیروی کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں

ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۰۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا) ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا(کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔(النساء:۱۱۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔(الحشر:۱۰)۔

دوسرے یہ کہ مصنف کی طرف سے نص شرعی کو مجرد سادہ دائرہ سے تعبیر کرنا ایک باطل اور گمراہ کن بات ہے، بلکہ اہل ضلالت اور ملحدین کے نظریہ کے مشابہ ہے جن کا گمان ہیکہ صرف شرعی نصوص سے کسی برحق چیز کو جج نہیں کرسکتے۔

دوسری وجہ:

مصنف کا یہ کہنا کہ (خلفائے راشدین کے دور کو ہر زمانے کے لوگوں پر لاگو کرنا ممکن نہیں ہے)۔ یہ بھی ایک باطل قول ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت کے مخالف ہے۔

یہ بھی انہیں جگہوں میں سے ایک ہے جہاں پر مصنف نے سلف صالح کے تئیں اپنے موقف کا کھل کر اظہار کیا ہے، اسی طرح اس سے پہلے کہا تھا کہ احکام شریعت کا نفاذ خلفائے راشدین کے دور سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ دوسرے ادوار کیلئے ہے۔ مصنف کا یہ نظریہ انہیں لوگوں کی طرح ہے جو یہ تمدن رکھتے ہیں کہ شریعت کا نفاذ عہد اول کیلئے تھا، بعد والوں کیلئے نہیں ہے، اس سے انکا مقصد یہ ہیکہ بعد والوں کا تعلق سلف سے کاٹ دیں۔

اس تعلق سے مصنف کنفیوژن کا شکار ہے، چنانچہ اگلے ہی ص ۶۳ پر اسی دور کو بنیادی مرجع کے طور پر نقل کیا ہے۔ یعنی اسی دور کے بارے میں کبھی یہ کہا کہ اسے ہر زمانے کے لوگوں پر لاگو کرنا ممکن نہیں، اور کبھی اسے بنیادی مرجع بنا دیا، جس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بعض ان وسائل میں اس دور کو بنیادی مرجع کی حیثیت دی ہے جنہیں یہ مغربی جمہوریت کے موافق سمجھتے ہیں، جبکہ وہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے، اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مصنف کنفیوژن کا شکار ہے اور خلفائے راشدین کے منہج سے دور ہے۔

سوال یہ ہیکہ مصنف اس دور سے صرف عدل و انصاف، جمہوری شورائیت اور حقوق کے تحفظ ہی کو کیوں بار بار ذکر کرتا ہے؟! حدود و قصاص کی تنفیذ کرنا اور شریعت کو مکمل طور پر لاگو کرنے کی بات کیوں نہیں کرتا؟ کیا شریعت کے اندر عدل و انصاف اور حقوق کے تحفظ کیلئے جگہ نہیں ہے؟! مکمل طور پر شریعت کے لاگو کرنے کی بات کیوں نہیں کرتا؟!

دراصل مصنف اپنے مغربی جمہوریت کا دفاع کرتا ہے جس کے اندر نفاذ شریعت کی گنجائش نہیں ہے، اسی لئے اسے اسلامی رنگ دینے کیلئے کچھ مغربی جمہوریت کے موافق کچھ چیزیں لینی پڑ رہی ہیں جن کا مصنف نے اپنی کتاب میں مختلف جگہوں پر بار بار ذکر کیا ہے۔

جبکہ مصنف پر واجب تھا کہ حکام ہوں یا رعایا اس تعلق سے کتاب وسنت اور منہج سلف سے جو باتیں صحیح ہیں ان کا ذکر کر دیتا کیونکہ وہی برحق ہے، اسکے علاوہ سب باطل ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا یہی تقاضہ بھی ہے، لیکن مصنف نے مسلمانوں کو دور اول سے متنفر کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور سلف کے منہج کو گڈ مڈ کر کے رکھ دیا ہے۔



مصنف نے آگے ص ٦٣ / پر کہا:

(اسکے علاوہ خلیفہ اور ایک عام حاکم کے مقام کے درمیان فرق ہے، اسی طرح ایک عام حاکم اور دوسرے امراء وحکام کے مقام کے درمیان بھی فرق ہے جو غور وفکر کے لائق اور بحث طلب ہے)۔

تبصرہ:

مصنف کے اس قول اور دیگر سابق اقوال کے اندر تناقض نظر آتا ہے، جیسے کہ پیچھے ص ٥٦ پر کہا کہ: (قرآن اترا ہے وحی کی روشنی میں فیصلے (حکومت) کرنے کیلئے، نیز عام قواعد کو ثابت کرنے کیلئے جیسے کہ معروف میں سمع وطاعت، عدل وانصاف، امانت داری، ذمیداری، احسان اور شورائیت کے ساتھ فیصلہ کرنا، ظلم وزیادتی، سرکشی اور استبداد سے روکنا، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قرآن کے اندر عبادت اور ایمان کے مسائل کی طرح سیاسی امور میں تفصیلی گفتگو نہیں کی گئی ہے، بلکہ زبان ومکان اور حالات وظروف کی رعایت کرتے ہوئے مقاصدی اور بنیادی گفتگو کی گئی ہے، اسی لئے ضروری ہیکہ ہم سیاست شرعیہ کے نفاذ اور تحکیم وحی میں عام قواعد کی روشنی میں ایک معیار قائم کریں)۔

اسی طرح مصنف نے آگے ص ٥٧ پر کہا: (کتاب وسنت کے اندر آپ حکومت کی حقیقت اور اس کی منتقلی اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلقات کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں پائیں گے، جس طرح کہ کتاب وسنت کے اندر فن طب، تجارت اور ادارہ جاتی امور سے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ہیں)۔

اسی طرح مصنف نے آگے ص ٥٨ پر کہا: (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل اور شہروں کو فتح

کرنے کے بعد انہیں حکومت واقتدار میں اسی طرح باقی رکھتے تھے جیسے وہ پہلے تھے، صرف ان کا اسلام میں داخل ہونا کافی ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی طرف زکاۃ وصول کرنے یا تعلیم کی غرض سے صحابہ کو بھیجا کرتے تھے)۔

اسی طرح مصنف نے آگے ص ۶۰ پر کہا: (اقتدار کی منتقلی کے وسائل کو گزرے ہوئے طرز اور طریقے پر محدود کر دیں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ مجرد عمل اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، اور نہ ہی دوسرے طریقوں کی نفی ہو سکتی ہے، کیونکہ ممکن ہے کسی خاص ماحول اور علاقے کیلئے کوئی طریقہ بہتر ہو جو جغرافیائی اور تکنیکی اعتبار سے وہی طریقہ دوسرے علاقے کیلئے بہتر نہ ہو)۔

پھر اسکے بعد مصنف کا بیچ میں یہ کہنا کہ (اسکے علاوہ خلیفہ اور ایک عام حاکم کے مقام کے درمیان فرق ہے، اسی طرح ایک عام حاکم اور دوسرے امراء وحکام کے مقام کے درمیان بھی فرق ہے جو غور وفکر کے لائق اور بحث طلب ہے)۔

یہاں پر مصنف کو اسے کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اہل بدعت حکام کی اطاعت کے تعلق سے نصوص کو نہیں مانتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ سارے نصوص ایسے حاکم کے ساتھ خاص ہیں جو تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہو، اور جہاں تک مختلف علاقوں اور ملکوں کے حکام کی بات ہے تو ان پر اطاعت کے یہ نصوص لاگو نہیں ہوں گے، اس سے شریعت کو معطل کرنا لازم آتا ہے، اور شیعوں کے امام منتظر کا عقیدہ بھی اسی جنس سے ہے، جو کہ آ کر سب پر شریعت نافذ کرے گا، یہ دراصل ایک گمراہی ہے جو عباسی دور کے خاتمے کے بعد پھیلائی گئی ہے۔

مصنف نے بھی اسی شبہے کو اٹھایا ہے اور اسے مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اسکا کوئی جواب نہیں دیا ہے، بلکہ مصنف جیسے لوگوں کا کام ہی یہی ہے کہ ان امور پر قرآنی آیات واضح طور پر

دلالت کرتی ہوں انہیں مشکوک بنا کر پیش کیا جائے، لیکن علمائے امت نے ان شبہات پر رد کر کے انہیں باطل ٹھہرا دیا ہے:

* چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ سنت یہی ہیکہ تمام مسلمانوں کا ایک ہی خلیفہ ہو اور باقی اسکے نائب ہوں، لیکن اگر معصیت و نافرمانی یا عاجزی وغیرہ کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو اور ایک ساتھ کئی حکام ہوں تو بھی تمام حکام پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں شرعی حدود کو نافذ کریں اور لوگوں کے حقوق پورا کریں۔ (مجموع الفتاوی: ۳۵ / ۱۷۵)۔

* شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے کہا کہ تمام ائمہ امت کا اجماع ہیکہ اگر کوئی حاکم کسی علاقے پر غالب آجائے تو اسکی اطاعت اس علاقے کے لوگوں پر واجب ہے، کیونکہ امام احمد کے بعد ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں کا صرف ایک حاکم ہو، اور ائمہ دین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ اسلامی حکومت اسی وقت معتبر ہوگی جب سارے مسلمانوں کا ایک ہی حاکم ہو۔ (الدرر السنیۃ: ۷ / ۲۳۹)۔

* اسی طرح علامہ صنعانی نے بھی اطاعت حاکم کی حدیث کی تشریح میں کہا کہ اس سے مراد ہر علاقے کا حاکم ہے۔ (سبل السلام: ۳ / ۴۹۹)۔

* اسی طرح علامہ شوکانی نے بھی کہا کہ بعد میں جب اسلامی قلمرو کا دائرہ وسیع ہوا اور ایک حاکم کا اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا اور مختلف علاقوں میں الگ الگ حاکم بن گئے تو ایسی صورت میں یہ ضروری ہوگیا کہ تمام حکام کی اطاعت واجب ہو اور اس پر بھی وہی حکم لاگو ہو جو حاکم عام کیلئے ہے، یہی شریعت کا تقاضہ ہے۔ (السیل الجرار: ۴ / ۵۱۲)۔



علمائے امت پر مصنف کا الزام اور انکی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا

مصنف نے آگے ص ۶۳/ پر کہا:

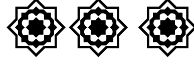
(ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نظریاتی اعتبار سے خلافت گرچہ افضل ترین طرز حکمرانی ہے مگر یہ تمام (مختلف) حالات کیلئے مناسب نہیں ہے، اور بسا اوقات کچھ خاص ظروف کی وجہ سے بادشاہت یا کوئی دوسرا طرز حکمرانی لوگوں کیلئے زیادہ مناسب ہوتا ہے بشرطیکہ عدل وانصاف پایا جائے)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا کہ: (بسا اوقات کچھ خاص ظروف کی وجہ سے بادشاہت یا کوئی دوسرا طرز حکمرانی لوگوں کیلئے زیادہ مناسب ہوتا ہے)۔ جبکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے خلافت اور بادشاہت کے علاوہ کسی تیسرے طرز حکمرانی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، لیکن مصنف نے بادشاہت کے ساتھ دوسرے نظام کی بھی نسبت ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف کردی ہے، جس سے نقل معلومات میں مصنف کی امانت داری کی حقیقت اور اسکے لیول کا پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی: ۳۵/ ۲۴ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر گفتگو کرتے وقت تفصیل سے گفتگو کی ہے خلافت علی منہاج النبوہ کے بعد بادشاہت کو بھی جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ شریعت کی روشنی میں ہو۔ لیکن آپ نے کہیں بھی خلافت اور بادشاہت کے علاوہ کسی اور نظام کا ذکر نہیں کیا ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں نظاموں کے بعد تیسرا نظام مغربی کافرانہ جمہوری حکومت ہے جسکے لئے اسلام کے اندر کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور اسی نظام کی گنجائش نکالنے کیلئے مصنف نے مذکورہ

دجل وفریب سے کام لیا ہے۔



مصنف نے آگے ص ٦٣ / پر کہا:

(بنی امیہ کے بعض نیک خلفاء نے لوگوں کو جادہ حق اور مثالی طرز پر لانے کی کوشش کی تھی، اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ایسا کر کے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے طریقے پر گامزن ہیں، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اسکے خلاف بغاوت کردی، حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا کہ لوگوں نے اسکا خون تک پی لیا، اور اس کی وجہ اسکا اخلاص نہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس نے بدلتے حالات اور ظروف کا ٹھیک ڈھنگ سے جائزہ نہیں لیا تھا)۔

تبصرہ:

مصنف نے جا خلیفہ کے بارے میں خون پینے کی بات کہی ہے اس کی وضاحت نہیں کی کہ وہ شخص کون ہے حالانکہ اس طرح تاریخی باتوں کو بلا تحقیق پیش نہیں کی جاتی ؟!

دوسرے یہ کہ مصنف کا یہ کلام خود اسکے سابق کلام سے متعارض ہے، کیونکہ اس سے پہلے مصنف نے یہ دعوی کیا کہ خلفائے راشدین کے نظام حکمرانی کو لوگوں پر لاگو کرنا ممکن نہیں ہے، اور یہاں پر اسے جادہ حق اور مثالی طرز کہا جارہا ہے، اسی طرح عمر بن عبد العزیز کو مثالی نمونہ بتایا ہے جبکہ وہ خلفائے اربعہ میں شمار نہیں ہوتے، گرچہ آپ نے ان کا منہج اختیار کیا تھا۔



سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور مصنف کی جسارت!

مصنف نے آگے ص ۶۴ / پر کہا:

(خلافت کے بعد جبری حکومت قائم ہوئی فتنوں کے سد باب کے نام پر، پھر بنی امیہ کے خلفاء کے ذریعے پھر عباسی خلفاء کے ہاتھوں معاملہ مزید آگے بڑھا یہاں تک کہ حق تلفی اور شخصی حکمرانی تک نوبت جا پہونچی، جو تین بنیادوں پر قائم تھی: ۱- تقدیر، جسے شریعت کا مصدر مان لیا گیا تھا، جس سے لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ربانی تقدیر ہے جسے کوئی پھیر نہیں سکتا، اس پر اعتراض کرنا خالق پر اعتراض کرنے جیسا ہوگا۔ ۲- عطیہ اور مال کا استعمال کرنا، مقبولیت کو بڑھانے کی خاطر۔ ۳- طاقت اور غلبے کا حصول، جسے حکومت کے استقرار اور تسلیم کے لئے مصدر مانا گیا تھا)۔

تبصرہ:

مصنف کا یہ کہنا کہ (جبری حکومت قائم ہوئی فتنوں کے سد باب کے نام پر) ا بہت سارے ان نیک اور صالح مسلم بادشاہوں کے ساتھ مذاق اور استہزاء ہے جنہوں نے اسلام کے قلعے کی حفاظت کی اور جنہوں نے خوارج اور باغیوں کی سرکشی سے مسلمانوں کو بچایا، نیز فتنوں کا سد باب کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی مذاق ہے جیسا کہ مصنف سمجھ رہا ہے۔

اور وہ خلفاء جنکی مصنف نے مذمت کی ہے حدیث کے اندر انہیں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ دین اسلام ان کے دور میں مضبوط اور طاقتور رہے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمُ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، ثُمَّ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِكَلِمَةٍ خَفِيَتْ عَلَيَّ، فَسَأَلْتُ أَبِي مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟، فَقَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ "،

ترجمہ: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "ہمیشہ لوگوں کا کام چلتا رہے گا یہاں تک کہ ان کی حکومت کریں گے بارہ آدمی۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات کہی چپکے سے جو میں نے نہیں سنی۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا: کیا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ سب آدمی قریش سے ہوں گے۔" (صحیح مسلم: ۱۸۲۱)۔

یہاں پر مصنف پر رد ہے کیوں کہ اس حدیث سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ خلفاء تک اسلام غالب رہے گا۔

اسلئے مصنف نے جو فتنوں کے سد باب کی قید لگائی ہے یہ بہت ہی خطرناک ہے اس سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ فتنوں کا خوف دلا کر قتل وخونریزی کا ماحول بنانا چاہتا ہے تاکہ بغاوت اور انقلاب کیلئے راہ ہموار ہوسکے!

پھر مصنف نے یہ دعوی کیا کہ (جبری حکومت تین بنیادوں پر قائم ہوتی ہے: ۱-تقدیر، جسے شریعت کا مصدر مان لیا گیا تھا۔ ۲-عطیہ اور مال کا استعمال کرنا، مقبولیت کو بڑھانے کی خاطر۔ ۳-طاقت اور غلبے کا حصول، جسے حکومت کے استقرار اور تسلیم کے لئے مصدر مانا گیا تھا)۔

یہ دعوی سرے سے ہی درست نہیں ہے، بلکہ ایسی حکومتیں صرف طاقت اور غلبے کی بنیاد پر قائم رہتی ہیں۔

اور جہاں تک یہ کہنا کہ جبری حکومت کے حکمران تقدیر کو بنیاد بناتے ہیں بایں طور کہ اسے شرعی

مصدر سمجھتے ہیں گویا اس پر اعتراض کرنا خالق پر اعتراض کرنے جیسا ہوگا۔تو یہ بھی مصنف کی یاوہ گوئی اور ہذیان ہے،جسکا کوئی مطلب نہیں ہے۔

بلکہ یہ چیز خود مصنف پر فٹ آتی ہے کہ ایک جگہ مصنف نے بغاوتوں اور انقلابوں کو مقدر مانا ہے اور ایک جگہ کہا کہ یہ کائناتی سنت ہے،سوال یہ ہیکہ مصنف نے بغاوت اور خروج کا دفاع کرتے ہوئے اسے تقدیر کا حصہ کیوں قرار دیا کہ جس کا واقع ہونا ضروری ہوتا ہے اور جسے کوئی ٹال نہیں سکتا، کیونکہ اس کیلئے تقدیر اور کائناتی مظاہر سے استدلال کیا ہے،گویا اسکی مشروعیت کو ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس پر کسی کو اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔

اس طرح مصنف اپنے مسئلے میں تقدیر کو دلیل بناتا ہے لیکن اسکے دعوے کے مطابق جبری حکومت کے حکمران کیلئے تقدیر کو بطور دلیل باطل ٹھہرا رہا ہے! اس طرح مصنف کا تناقض واضح ہو رہا ہے۔

دراصل یہاں بھی مصنف نے کمنسٹ اسکالر محمد عابد جابری کی تقلید کی ہے جس نے اپنی کتاب "الدین والدولۃ وتطبیق الشریعہ" کے اندر کہا ہے کہ اموی خلفاء نے اپنی حکومت کی مشروعیت کیلئے تقدیر کو دلیل بنایا ہے اور عباسی خلفاء نے جبری عقیدے کو دلیل بنایا ہے۔

مگر دونوں کی طرف سے یہ سب محض دعوے ہیں، اس پر کوئی دلیل اور برہان نہیں ہے۔



مصنف نے آگے ص ۶۴ / پر کہا:

(اسی لئے فکر اسلامی پر جبری عقیدہ غالب آگیا بایں طور کہ یہ بات عام کی گئی کہ حکومت مقدر اور جبری محض ہوتی ہے، اس میں لوگوں کیلئے، اداروں کیلئے اور سماج کے کسی بھی فرد کیلئے تبدیلی، کسی تحویل یا اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

تبصرہ:

یہ بھی فضول کلام ہے جس میں کچھ بھی محقق امر نہیں ہے، اس سے مصنف کا اپنی باطل فکر کی ترویج کرنا مقصد ہے، اگر مصنف سے اس پر دلائل کا مطالبہ کرلیا جائے تو ایک بھی دلیل پیش نہیں کرسکے گا کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے؛ کیونکہ ہر وہ شخص اسکی حقیقت جانتا ہے جس نے فرقوں اور اختلاف کرنے والی جماعتوں کا مطالعہ کیا ہے کہ یہ واضح غلط ہے، اس لئے کہ جبریہ کا وجود قدریہ کی بنا پر ہوا ہے، اور جہم بن صفوان سے پہلے جبری کلام کسی نے نہیں کیا ہے جسکی ہلاکت اموی خلافت کے آخری ایام میں ۱۲۸ھ کے اندر ہوئی ہے، پھر آخر اموی خلافت کیسے جبری حکومت ہوسکتی ہے جیسا کہ مصنف نے دعوی کیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کو بدعات کی تاریخ سے کتنی دلچسپی اور جانکاری ہے، ساتھ ہی یہ بھی پتہ چلا کہ مصنف گمراہ اور منحرف مصنفین کی تقلید کر رہا ہے جیسے جابری وغیرہ۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد کاٹ کھانے والی حکومت ہونے کا ذکر حدیث میں وارد ہوا ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس سے مراد جبری عقیدہ نہیں ہے جسے مصنف نے مراد لیا ہے بلکہ اس سے مراد ظلم و جبر ہے جیسا کہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد تقدیر نہیں ہے جیسا کہ غالی صوفیہ سمجھتے ہیں اور تقدیر سے استدلال کرتے ہیں۔(النھایۃ فی غریب الحدیث: ۱/ ۲۳۶)۔

مصنف نے آگے ص ۶۴ / پر کہا:

(۲-عطیہ اور مال کا استعمال کرنا، تا کہ لوگوں میں صلاحیت مندوں اور ضرورت مندوں کو نہ دیکر صرف مقبولیت، ولاء اور اعوان ومددگار حاصل کی جائے، اسی لئے عطیوں کی کثرت ہوگئی تھی، اور حکومتی مال کو عطیہ اور ہبہ کے نام دینے سے بالکل واضح ہیکہ حاکم اس کا مالک ہے، اور یہ کہ اسے یہ حق ہیکہ وہ کچھ خاص لوگوں میں اس مال کو تقسیم کرے جبکہ یہ غنائم کی تقسیم میں شرعی اصولوں کے خلاف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (كَيۡ لَا يَكُونَ دُولَةَۢ بَيۡنَ ٱلۡأَغۡنِيَآءِ مِنكُمۡ) ترجمہ: تا کہ وہ تم میں سے مال داروں کے درمیان ہی گردش کرنے والا نہ ہو۔(الحشر: ۷)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف کا یہ کلام بھی محل نظر اور قابل گرفت ہے، کیونکہ عطیات اور تقسیم اموال پر جبری حکومتوں نے کبھی بھی اعتماد نہیں کیا ہے، جیسا کہ مصنف نے دعوی کیا ہے، اور مال کو عطیہ اور ہبہ کا نام دینے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حاکم اس کا مالک ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین بھی عطیہ اور ہدیہ دیتے تھے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنۡ سَالِمٍ، أَنَّ عَبۡدَ اللَّهِ بۡنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنۡهُمَا ، قَالَ: سَمِعۡتُ عُمَرَ ، يَقُولُ:" كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يُعۡطِينِي الۡعَطَاءَ، فَأَقُولُ أَعۡطِهِ مَنۡ هُوَ أَفۡقَرُ إِلَيۡهِ مِنِّي، فَقَالَ: خُذۡهُ إِذَا جَاءَكَ مِنۡ هَذَا الۡمَالِ شَيۡءٌ وَأَنۡتَ غَيۡرُ مُشۡرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذۡهُ، وَمَا لَا فَلَا تُتۡبِعۡهُ نَفۡسَكَ".

ترجمہ: سالم سے مروی ہیکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی چیز عطا فرماتے تو میں عرض کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زیادہ محتاج کو دے دیجئیے۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ لے لو' اگر تمہیں کوئی ایسا مال ملے جس پر تمہارا خیال نہ لگا ہوا ہو اور نہ تم نے اسے مانگا ہو تو اسے قبول کرلیا کرو۔اور جو نہ ملے تو اس کی پرواہ نہ کرو اور اس کے پیچھے نہ پڑو۔(صحیح بخاری: ۱۴۷۳)۔

جبکہ ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بعض حکام کی طرف سے حق تلفی کرنے کے سبب صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت اور خمس وغیرہ سے لوگوں کو تالیف قلب کیلئے عطیہ دیتے تھے جیسا کہ امام بخاری نے اسی پر باب باندھا ہے۔

اور ہبہ کا ذکر صحیح مسلم کے اندر بھی وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ: " لَمَّا أَتَى عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَعْيَا بَعِيرِي، قَالَ: فَنَخَسَهُ، فَوَثَبَ فَكُنْتُ بَعْدَ ذَلِكَ أَحْبِسُ خِطَامَهُ لِأَسْمَعَ حَدِيثَهُ، فَمَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ، فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: بِعْنِيهِ، فَبِعْتُهُ مِنْهُ بِخَمْسِ أَوَاقٍ، قَالَ: قُلْتُ: عَلَى أَنَّ لِي ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِهِ، فَزَادَنِي وُقِيَّةً ثُمَّ وَهَبَهُ لِي ".

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میرا اونٹ خستہ ہو گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹھونسا دیا وہ کودنے لگا، اس کے بعد میں اس کی نکیل کھینچتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنوں، لیکن اس کو تھام نہ سکتا (ایسا تیز چلنے لگا) آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آ کر ملے اور فرمایا: "اس کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔" میں نے اسے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ہاتھ بیچ ڈالا پانچ اوقیہ پر اور میں نے یہ شرط کر لی کہ مدینہ منورہ تک میں اس پر سواری کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ تک تو سوار رہ۔" جب میں مدینہ پہنچا تو وہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اوقیہ اور زیادہ دیا، اور اونٹ بھی مجھ کو بخش دیا۔ (صحیح مسلم: ۷۱۵)۔

اسی طرح سنن کے اندر وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خدمت گزاری کیلئے ایک غلام ہبہ کیا تھا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ: " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى فَاطِمَةَ بِعَبْدٍ كَانَ قَدْ وَهَبَهُ لَهَا، قَالَ: وَعَلَى فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ثَوْبٌ إِذَا قَنَّعَتْ بِهِ رَأْسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رِجْلَيْهَا، وَإِذَا غَطَّتْ بِهِ رِجْلَيْهَا لَمْ يَبْلُغْ رَأْسَهَا، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلْقَى قَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكِ بَأْسٌ إِنَّمَا هُوَ أَبُوكِ وَغُلَامُكِ ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک غلام لے کر آئے جس کو آپ نے انہیں ہبہ کیا تھا، اس وقت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ایسا کپڑا پہنے تھیں کہ جب اس سے سر ڈھانکتیں تو پاؤں کھل جاتا اور جب پاؤں ڈھانکتیں تو سر کھل جاتا، فاطمہ رضی اللہ عنہا جن صورت حال سے دو چار تھیں اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: "تم پر کوئی مضائقہ نہیں، یہاں صرف تمہارے والد ہیں یا تمہارا غلام ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۱۰۶)۔

پتہ چلا کہ عطیات کی کئی شکلیں ہیں: کچھ تو تالیف قلب کیلئے ہوتی ہیں، کچھ ایسی ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو چھوڑ کر بعض کو دیا تاکہ انکے دین میں مضبوطی پیدا ہو، جس طرح کہ فتح مکہ کے موقع پر انصار کو نہیں دیا اور اہل مکہ کو خوب نوازا، اسی طرح خلفائے اربعہ کے دور میں بھی

عطیات مختلف طرح کی ہوتی تھیں، اور انکے بعد بھی خلفاء عطیات دیتے رہے ہیں، کچھ تو شرعی مصلحتوں کی بنا پر اور کچھ اپنے اجتہاد پر دیتے تھے جن میں کچھ برحق ہوتی تھیں اور کچھ ناحق بھی ہوتی تھیں۔

اس سے مصنف کا یہ دعوی بالکل جھوٹا ثابت ہوتا ہے کہ مال کو عطیہ اور ہبہ کا نام دینے سے حاکم اس کا مالک بن جاتا ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مصنف دراصل مال و دولت کا بار بار مختلف انداز میں ذکر کر کے لوگوں کو بھڑکانا اور حکام کے خلاف انکے دلوں میں بغض وعناد بھرنا چاہتا ہے تاکہ بغاوت اور انقلاب کیلئے راہ ہموار ہو سکے۔



مصنف نے آگے ص ٦٥ / پر کہا:

مصنف نے آگے ص ٦٥ پر پہلے یہ حدیث نقل کی ہیکہ خلافت تیس سال ہوگی، پھر اللہ جسے چاہے گا اپنی بادشاہت عطا کرے گا، پھر اسکے بعد کہا: (اس سے واضح ہوا کہ اصل مسئلہ سیاسی نظام کا نہیں ہے خواہ وہ خلافت ہو یا بادشاہت، جمہوریت ہو یا امارت، بلکہ اصل مسئلہ عدل و انصاف اور اصلاح کی پابندی ہے، اقتدار کی تقسیم ہے نہ کہ ایک ہی شخص تک ساری ذمہ داری محدود کر دی جائے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ الحمدللہ اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ بادشاہت اور اقتدار امر کونی اور مقدر ہے اللہ کے اختیار میں ہے وہی جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اسکے مختلف اسباب ہیں جنہیں اللہ عزوجل ہی مقدر کرتا ہے۔

ہاں، بعد میں کچھ مسائل پیدا ہوتے ہیں جب انسان کے اندر اختلاف پیدا ہوتا ہے یا اسکے اندر اقتدار کی بھوک جنم لیتی ہے اور وہ زبردستی اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اپنے مقصد تک پہونچنے کیلئے نصوص کے ذریعے غلط استدلال کر کے مقتدر حاکم کی شبیہ بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

مصنف نے کہا: (بلکہ اصل مسئلہ عدل و انصاف اور اصلاح کی پابندی ہے)۔ حالانکہ اصل مسئلہ شریعت کا نفاذ ہے جس کے اندر عدل و انصاف اور اصلاح کی ساری چیزیں موجود ہیں اسی مطابق جو اللہ کو پسند ہو۔

مصنف نے کہا: (نہ کہ ایک ہی شخص تک ساری ذمہ داری محدود کردی جائے)۔

مصنف کی طرف سے یہ بات بہت ہی عجیب وغریب ہے، کوئی بھی شرعی علوم کا طالب یہ جانتا ہے کہ ریاست شرعیہ کے اندر اصل ذمیدار ایک ہی ہوتا ہے خواہ وہ بادشاہ ہو کہ خلیفہ ہو یا امیر ہو، پھر وہی حاکم لوگوں میں انکی صلاحیتوں کے حساب سے مختلف عہدے اور ذمیداری تقسیم کرتا ہے کسی کو کسی علاقے کا امیر منتخب کرتا ہے کسی کو گورنر، کسی کو قاضی، اور کسی کو ملکی سفیر، اور یہ سب اسی حاکم عام کی طرف سے نائب کا درجہ رکھتے ہیں، اور یہ سب ضرورت کے تحت ضرورت کے بقدر ہوتا ہے، یہی وجہ ہیکہ ابتداء میں خلفاء اکثر امور خود ہی سنبھالتے تھے جیسے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تمام معاملات خود ہی دیکھتے تھے، اس وقت کوئی وزارت نہیں تھی، بلکہ ایک ہی مشیر اور وزیر ہوتا تھا، بلکہ آپ اللہ کے نبی داود علیہ السلام کو دیکھیں تنہا پوری سلطنت کو سنبھالتے تھے۔

ہاں ایک حاکم اور بادشاہ ان اختیارات اور امور کی تقسیم میں بلکہ اموال کی توزیع میں غلطی کرسکتا ہے اور اس سے حق تلفی بھی ہوسکتی ہے، ایسے موقع کیلئے حدیثوں کے اندر رہنمائی موجود ہے۔

اور اگر ایسا مان بھی لیا جائے کہ کوئی حاکم تنہا تمام کا ذمیدار ہے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے مگر اسی وقت جب وہ جان بوجھ کر شریعت کی مخالفت کرے، اس طرح مجرد تمام ذمیداریوں کا مالک ہونے میں کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے دکھائے کی کوشش کی ہے۔

اور مصنف نے نظام حکمرانی کی شکلیں گناتے ہوئے خلافت، امارت اور بادشاہت کے ساتھ جمہوریت کا بھی ذکر کیا ہے، جو کہ اسلامی نظام حکمرانی کے اندر نقب زنی ہے، دراصل مصنف مغربی جمہوریت کی ترویج کرنا چاہتا ہے اور اسے اسلامی بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے جب کہ اس کافرانہ نظام کا اسلامی طرز حکمرانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مصنف نے آگے ص ٦٥ / پر کہا:

(اور یہ بالکل مناسب نہیں ہے کہ آپ عمومی طور پر تاریخ اسلام کے ساتھ اور خصوصی طور پر سیاسی تاریخ کے ساتھ مقدس مرجع کا برتاؤ کریں بلکہ اسکے ساتھ ایک انسانی تجرگاہ کی طرح برتاؤ کریں جسکے خطاوصواب دونوں سے استفادہ کریں)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ تاریخ اسلام سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لیکر دورحاضر تک کی تاریخ ہے، سوال یہ ہیکہ کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی پیروی سے نکل سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حکمرانی کا طریقہ بتایا ہے، صحابہ نے کرکے دکھایا ہے، مصالح اور مفاسد کے اعتبار سے ہمیں برتاؤ کا طریقہ بھی سکھایا، کہیں بھی اپنی امت کو تجربہ کرنے کی ہدایت نہیں کی ہے۔

اور کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیاست وحکمرانی میں خطا کار ہو سکتے ہیں کہ کہا جائے کہ تاریخ اسلام کے خطاوصواب دونوں سے استفادہ حاصل کریں؟!

پھر آخر شرعی دستور اور وضعی دستور میں کیا فرق رہ جائے گا! اور شاید مغربی جمہوریت کی تقدیس میں مصنف نے ایسی بات کہہ ماری ہے!

اور یہ بھی گزرچکا ہے کہ مصنف منہج سلف کو امامت کبری یعنی حکمرانی کے باب میں مسلمانوں کیلئے اسوہ اور نمونہ نہیں مانتا، اور یہ بھی انہیں جگہوں میں سے ایک ہے جہاں پر مصنف نے اپنا عقیدہ واضح کردیا ہے، جبکہ ایک مومن پر واجب ہیکہ وہ کتاب وسنت کے سامنے رک جائے اور اپنے تمام دینی

و دنیاوی امور میں سلف صالح کے منہج کو بنیاد بنائے۔

اور مصنف کی طرف سے تاریخ اسلام کو انسانی تجربہ کہہ کر اسے خطاوصواب کہنا بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ سلف صالح خطا پر اتفاق نہیں کر سکتے ،اور یہ متواتر حدیث ہیکہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی ،ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا جو حق پر قائم ہو گا۔اس سے مصنف کے کلام کی غلطی اور اسکی سنگینی کا پتہ چلتا ہے۔۔



مصنف نے آگے ص ۶۵ / پر کہا:

(عمومی پیمانے پر سیاست کے اندر گرچہ طاقت کا استعمال استقرار کا ایک وسیلہ ہے مگر یہ حقیقت میں باطنی اور ظاہری پر اعتبار سے رعایا کو لاشعوری بنانے کا کام کرتا ہے، لیکن ساتھ میں یہ بھی اسکا فائدہ ہیکہ اقتدار کی منتقلی اور عدل و انصاف نیز اصلاح کا کام بھی اسی طاقت سے ممکن ہے، جیسا کہ بعض انقلابی تجربات نے حاصل کیا ہے، لیکن یہ خطروں سے گھرا ہوا کام ہے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ یہی حقیقت ہے خواہ مصنف اسکا اظہار کرے یا نہ کرے، کیونکہ طاقت کا سیاست میں اہم کردار ہے حتی کہ جمہوری نظام کے اندر بھی طاقت ایک رول پلے کرتا ہے۔

مصنف کا یہ کہنا کہ (جیسا کہ بعض انقلابی تجربات نے حاصل کیا ہے) درست نہیں ہے بلکہ تمام انقلاب و بغاوت میں ایسا ہی ہوتا ہے، وہ خطرات سے گھرا ہوتا ہے، ان میں ہلاکتیں ہوتی ہیں اور خون کی ندیاں بہتی ہیں، جیسا کہ اس پر تفصیل گزر چکی ہے۔



مصنف نے آگے ص ٦٥ / پر کہا:

(فقہ احکام سلطانی: ان (ابتدائی) مراحل میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں سب واقع حال سے یا پڑوسی تہذیب سے بالخصوص فارسی تہذیب سے متاثر ہیں، جیسا کہ نظام حکمرانی پر لکھنے والے مصنفین نے فارسی نظام حکمرانی کی آئیڈیالوجی اور اقوال کو نقل کیا ہے، جس سے حاکم کو ایک طرح کا تقدس حاصل ہو جاتا ہے، اور انہیں بھاری بھرکم القاب اور پروٹوکول سے نوازا جاتا ہے، انکے آمد و رفت کیلئے خصوصی انتظام کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض نے لکھ دیا کہ اگر حاکم کو چھینک آئے تو وہ اس پر الحمد للہ نہیں کہے گا، بلکہ کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ آخرت میں حاکم پر کوئی حساب کتاب نہیں ہے، جیسا کہ جاحظ وغیرہ نے ذکر کیا ہے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف نے اپنے اس خبیث کلام کے اندر جس قدر اہل علم کی مذمت اور ان کی کتابوں سے متنفر کیا ہے اس طرح سے تک کسی نے نہیں کیا ہوگا، بلکہ ان پر اندھا دھند باطل اتہامات بھی لگائے ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے تو مصنف نے خلفائے راشدین کے منہج سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا تھا اور اب یہاں پر تمام علمائے امت سے بغاوت مول لیکر مستشرقین کا طریقہ اختیار کیا ہے جو فقہائے اسلام اور مورخین پر جھوٹے الزامات لگاتے رہے ہیں یہ کہہ کر کہ انھوں نے حکام خو خوش کرنے کیلئے خاص فقہ اور دستور مرتب کئے ہیں!

یہاں یہ سوال ہیکہ آخر وہ کون ہے جس نے لکھا ہیکہ جس نے یہ لکھا ہیکہ چھینک آنے پر حاکم الحمد للہ نہیں کہے گا؟ اور وہ کون ہے جس نے یہ بات کہی ہے کہ آخرت میں حاکم پر کوئی حساب کتاب نہیں

ہے؟

انکا نام آخر کیوں نہیں بتلایا اور یہ کہ اسکی استنادی حیثیت کیا ہے؟!

کیا اس طرح کے مجہول کلام کے ذریعے تمام علمائے امت کو بدنام کرنا صحیح ہے؟ اور کیا معتزلی جاحظ کی بات پر بھروسہ کر کے اتنی بڑی بات کہہ سکتے ہیں؟ جب کہ یہ معلوم ہیکہ معتزلہ حکام کے خلاف خروج و بغاوت کے قائل ہیں؟!

کیا جاحظ کو مصنف اپنا سلف مانتا ہے یا اس کی تائید میں کسی معتبر عالم کا کوئی قول بھی موجود ہے؟

آخر اہل ایمان اور سلف امت کے تعلق سے شیعہ بھونڈی اور غلط بات ایک گمراہ معتزلی شخص کو بنیاد بنا کر کہہ دی جن کے یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرنا ہوتا ہے!

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کچھ جاہل قسم کے لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں تو بھی یہ جہالت اور فساد ان معتزلہ اور خوارج کی گمراہی اور فساد سے کم تر ہی ہوگا جو امت محمدیہ پر تلوار اٹھانے کے قائل ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ: ۴ / ۵۲۱ کے اندر نقل کیا ہے، اور ایسے جہلاء کا موازنہ روافض اور خوارج کے عقیدے سے کیا ہے۔ اسی طرح یہ ان لوگوں کے فساد اور گمراہی سے بھی کم تر ہیں جو مغربی جمہوریت اور وضعی دستور کا مطالبہ کرتے ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اہل علم کا اتفاق ہیکہ امت کو سب سے زیادہ خود اہل قبلہ ہی سے ملی ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۲۸ / ۴۷۹)۔



مصنف نے آگے ص ۲۸ / پر کہا:

(جہاں تک سیاست شرعیہ اور احکام سلطانی کے فقہ کا تعلق ہے تو فقہی ناحیے سے اسے واقع حال کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں تک کہ تمام امور اور ذمیداری یا اکثر ذمیداری حاکم وقت تک محدود کر دیا گیا، جس سے اسکی پکڑ سخت اور طاقت مضبوط ہوتی گئی، اور احکام سلطانی کے باب میں سب سے مشہور مصنف ماوردی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب کے اندر ایک بڑا حصہ فارسی تہذیب سے لے رکھا ہے، اسی لئے آپ پر اطاعت کی فکر غالب ہے، اسی منہج پر قاضی ابو یعلی اور بعد میں جوینی اور غزالی بھی چل پڑے ہیں، اور اس اصول سے ذرا بھی خروج نہیں کیا ہے، مگر یہ سب ایک خاص تاریخی ماحول اور ظروف نیز اس وقت کی رائج نظام حکمرانی اور تہذیب کے پیش نظر مجتہد مانے جائیں گے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف کے اس یاوہ گوئی اور فضول کلام پر درج ذیل کئی وجوہات سے رد کر سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

مصنف نے حاکم کی اطاعت کے وجوب کو فارسی تہذیب کا اثر بتلایا ہے نہ اسلام کا حکم، اور یہ بڑی خیز امر ہیکہ امور شریعت کو جاہلی امور سے جوڑا جائے، بلکہ اس فضول کلام نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کلام یاد دلادیا ہے، چنانچہ مروی ہے:

عن ابنِ مسعودٍ رضىَ اللّٰهُ عنهُ أنَّهُ قالَ: كيفَ بكُم إذا لبِستكُم فتنةٌ

يربوا فيها الصغيرُ ويهرمُ فيها الكبيرُ وتُتخَذُ سنةٌ فإنَّ غُيِّرت يومًا قيلَ هذا منكرٌ قالَ ومتى ذلكَ قالَ إذا قلَّتْ أمناؤُكم وكثُرَتْ أمراؤُكم وقلَّتْ فقهاؤُكم وكثُرَتْ قراؤُكم وتُفِقِّه لغيرِ الدِّينِ والتُمِسَت الدُّنيا بعملِ الآخرةِ۔

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب فتنے سر اٹھائیں گے جس میں بوڑھے بچے نظر آئیں گے اور بچے بوڑھے، اسی کو لوگ سنت بنالیں گے، ان میں جب کسی کے اندر تبدیلی آئے گی تو کہیں گے کہ سنت میں تبدیلی آئی ہے، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کب ہوگا؟ تو آپ نے کہا کہ جب تمہارے علماء کم ہو جائیں گے، تمہارے امانت دار کم ہو جائیں گے، تمہارے امراء کی کثرت ہو جائے گی، اور تمہارے فقہاء کم ہو جائیں گے، اور آخرت کے عوض دنیا طلب کی جائے گی۔ (مصنف بن ابی شیبہ: ۳۷۳۱۱)۔

آپ دیکھیں کہ کتاب وسنت کے اندر حکام کی اطاعت واجب ہے مگر اسے مصنف نے فارسی تہذیب وفکر کا حصہ بتلا دیا ہے، جبکہ فارسی تہذیب اسلامی نہیں کفریہ جہالت ہے، ایسے گمراہی پھیلانے والوں کے بارے میں سچ ہی کہا گیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ ".

ترجمہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنی امت پر گمراہ کن اماموں (حاکموں) سے ڈرتا ہوں"۔ (سنن ترمذی: ۲۲۲۹)۔

یہ گمراہ داعیوں کے بارے میں ہے پھر کیا حال ہوگا گمراہ جاہلوں کے بارے میں؟!

کتاب وسنت کے اندر حکام کی اطاعت واجب ہے اس پر متواتر حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر اسے مصنف نے فارسی تہذیب کا اثر بتلایا ہے، کس قدر تعجب کی بات ہے!

مصنف کیسے اپنے اسلوب کلام سے قاری کے جذبات سے کھلواڑ کر رہا ہے کہ علمائے امت کو جنہوں نے سیاست شرعیہ پر گراں قدر خدمات انجام دی ہیں انہیں فارسی تہذیب سے متاثر بتلا کر انکی ثقاہت مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، پھر دوبارہ انہیں کو کیسے بڑے ہی عیاری کے ساتھ مجتہد جیسے لقب سے متصف کر دیا ہے باوجودیکہ انہوں نے (مصنف کی نظر میں) اسلامی شریعت کو ترک کر کے فارسی شریعت کو اخذ کیا ہے؟!

دوسری وجہ:

اس کلام کے ذریعے علمائے امت کو خائن بتلایا گیا ہے اور یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا ہے، چنانچہ ایک لمبی مدت تک امت اسلامیہ کو حق سے محروم رکھا گیا، چنانچہ مصنف نے علامہ ماوردی اور دیگر علمائے امت کے بارے میں کہا کہ (ماوردی نے اپنی کتاب کے اندر ایک بڑا حصہ فارسی تہذیب سے لے رکھا ہے، اسی لئے آپ پر اطاعت کی فکر غالب ہے، اسی منہج پر قاضی ابویعلی اور بعد میں جوینی اور غزالی بھی چل پڑے ہیں)۔

یہ علمائے امت پر طعن وتشنیع ہے جس کا تکرار ۶۹ پر بھی ہوا ہے۔

تیسری وجہ:

مصنف سے کہا جائے گا کہ آخر فارسی تہذیب کا وہ کون سا حصہ ہے جسے علمائے امت نے نقل کیا ہے؟ کیا بغیر دلیل اور حجت کے اس قدر بھیانک اور سنگین الزام لگانا مناسب ہے؟!

چوتھی وجہ:

مصنف سے یہ بھی کہیں گے کہ ایک طرف تم علمائے امت پر الزام لگاتے ہو کہ انکی کتابوں میں فارسی تہذیب کا اثر ہے اور دوسری طرف تم ملحدین اور اعدائے اسلام مستشرقین کے اقوال کو مستند سمجھ کر نقل کرتے ہو!!



مصنف نے آگے ص ۶۵/ پر کہا:

(ضروری ہیکہ تاریخ کا سیاسی مطالعہ ہمیں کہیں ان قرآنی اور نبوی اقدار پر غور وفکر کرنے سے بھٹکا نہ دے جو عادلانہ سیاست پر مبنی ہے)۔

تبصرہ:

قرآنی اور نبوی اقدار نیز فقہ مقاصدی جیسے مجمل الفاظ کا استعمال کر کے مصنف جیسے منحرف مصنفین کا وتیرہ رہا ہے کیونکہ ان الفاظ کے ذریعے یہ شریعت اور اسکے نفاذ سے بھٹکانا چاہتے ہیں، حدود وقصاص اور مکمل شریعت کے نفاذ کے یہ قائل نہیں ہیں۔



مصنف نے آگے ص ٦٧/ پر کہا:

(تاریخ اسلام کے اندر حکومت میں دینی نمائندگی کی دوری نے ایک طرف جبر واستبداد کو عام کیا تو دوسری طرف حکومت کے اندر اخلاقی اور بنیادی روح کو کمزور کیا، لیکن ساتھ ہی اس میں یہ مثبت پہلو بھی رہا ہے کہ اسی اسلامی تاریخ نے ہمیں اس تسلط سے محفوظ رکھا جو یورپ کے اندر کلیسا اور اسکے جاگیردارانہ نظام کے ذریعے پایا گیا ہے)۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کے اندر واضح طور پر تناقض اور اضطراب پایا جاتا ہے، ایک طرف مصنف نے (حکومت میں دینی نمائندگی کی دوری) کہا جس کا واضح مطلب یہ ہیکہ امور زندگی سے دین کو الگ کر دیا جائے، اور ملحدین اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں، جب کہ اسلامی تاریخ کے اندر ایسا کبھی نہیں پایا گیا ہے۔

اور آخر دینی نمائندگی کو حکومت سے دور کرنے سے جبر واستبداد کیسے عام ہوگا اور اخلاقی روح کیسے کمزور پڑے گی جب کہ مصنف نے دوسری طرف کہا کہ اسی دوری نے ہمیں اس تسلط سے محفوظ رکھا جو یورپ کے اندر کلیسا اور اسکے جاگیردارانہ نظام کے ذریعے پایا گیا ہے؟!

کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ہی چیز دو متناقض امور کا سبب بنے؟!

پھر مصنف سے یہ بھی کہا جائے گا کہ کیا یہی وہ علمائے امت نہیں ہیں جن پر تم نے فارسی تہذیب لینے کا الزام لگایا ہے اور انہیں درباری علماء کہا ہے؟ اگر وہ تمہارے بقول ایسا تھے تو پھر حکومت کا دین سے دوری کیسے ہوئی؟ اور اگر وہ درباری علماء تھے تو پھر انہوں نے ان احادیث اور نصوص کو نقل

کیوں کیا جو حکام کی خواہشات کے خلاف ہیں؟ کیا اس طرح تاریخ محفوظ رہے گی جیسا کہ مصنف کا گمان ہے؟!

دوسرے یہ کہ مصنف کا یہ کہنا کہ تاریخ اسلام کے اندر دینی نمائندگی کو حکومت سے دور رکھا گیا ہے، یہ بالکل مطلق کلام ہے جو تمام تاریخ اسلام کو عام ہے جبکہ یہ بالکل مناسب نہیں ہے کہ اس طرح عام حکم لگایا جائے کیونکہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ سب اسکی زد میں آجائیں گے۔

پھر مزید مصنف سے پوچھا جائے گا کہ کیا تاریخ اسلام کی اس طویل مدت میں کوئی ایسا گروہ بھی رہا ہے جو ہمیشہ حق پر قائم تھا!! یہ سب لوگ گمراہ اور بھٹکے ہوئے تھے نیز درباری علماء تھے؟!



سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر مصنف کی طرف سے دوسرا الزام!

مصنف نے آگے ص ۶۹ / پر کہا:

مصنف نے ص ۶۹ پر" تاریخی بدلاؤ" کے عنوان سے کہا: (معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملک شام کے گورنر تھے، آپ کے اندر سرداری، سخاوت اور بردباری جیسے اوصاف پائے جاتے تھے، انہیں اوصاف سے آپ لوگوں کے دل جیتتے تھے۔اور بظاہر یہی لگتا ہے کہ اسلامی معاشرہ اس وقت ایک ایسے المناک فتنے سے دوررہ سکتا تھا جس میں پاکیزہ خون بہائے گئے اور جس نے لوگوں کو ایک اضطراب اور صدمے کی حالت سے دوچار کردیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اموی سلطنت کے قیام کیلئے بطور تمہید استعمال کیا اور خلافت راشدہ کے زریں دور کا صفحہ لپیٹ دیا)۔

پھر آگے کہا: (معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ وافر تعداد میں پائے جاتے تھے، اور سب کا محاسبہ ہوتا تھا، لیکن بعد میں مرور زمانہ کے ساتھ جس طرح یکے بعد دیگرے خلیفہ آتے گئے دین سے دوری بڑھتی گئی)۔

تبصرہ:

آخر کیا وجہ ہے کہ مصنف نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس قدر سنگین الزامات لگا دیئے ہیں یہاں تک کہ ان پر بدنیتی کا الزام لگا دیا، بایں طور کہ آپ نے المناک حالات کو اموی سلطنت کے قیام کیلئے بطور تمہید استعمال کیا، کیا معاویہ رضی اللہ عنہ غیب کا علم رکھتے تھے؟ اور کیا وہ انجام کار سے واقف تھے؟ اور کیا اموی سلطنت آپ کی کاریگری اور تدبیر کا نتیجہ ہے؟ جیسا کہ مصنف نے الزام لگایا ہے کہ (معاویہ

رضی اللہ عنہ نے بعض حالات وظروف کو اموی سلطنت کے قیام کیلئے بطور تمہید استعمال کیا اور خلافت راشدہ کے زریں دور کا صفحہ لپیٹ دیا)۔

مصنف کی طرح ایسے بہت سے منحرف مصنفین ہائے جاتے ہیں جو یہ بدترین مسلک اختیار کر کے صحابہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے کہتے ہیں کہ" آپ نے ظلم و جور کا ارتکاب کیا"،" معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سیاسی جور و استبداد عروج پر پہونچا ہوا تھا"، "ظلم و استبداد کا آغاز امت کے اندر بہت پہلے ہو چکا تھا، اور اسکا سلسلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہوتا ہے، جنہوں نے اپنے بعد اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کر دیا"،" معاویہ رضی اللہ عنہ نے لائق و فائق کی جانشینی ختم کر کے امت سے حق انتخاب کو چھین لیا اور شر کا دروازہ کھول دیا، یہاں تک کہ امت بدترین حالت میں پہونچ گئی"۔

(ان بدترین اقوال کیلئے دیکھیں کتاب"حقیقۃ اللبر الیۃ وموقف الاسلام منھا،ص ۳۵۹،کتاب الحریۃ او الطوفان،ص ۱۰۸")۔

یہ اقوال ایسے ہیں جن کے ذریعے صحابہ پر طعن و تشنیع کیا گیا ہے، انکے مقام کو گھٹایا گیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اہل سنت والجماعہ کے دشمن روافض کرتے ہیں۔

مصنف نے جس معاملات کو لیکر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے انکا تعلق اجتہاد سے ہے جس پر کبھی دو یا ایک اجر ملتا ہے اور غلطی معاف ہوتی ہے، یہی اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے کہ آپ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائیں گے، جس کی بنیاد پر آپ خلافت سے دستبردار ہوں گے اور

معاویہ رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے، اور فی الواقع وہی ہوا، آپ کے دور میں مسلمان بہت خوشحال اور مستحکم رہے، یقیناً اس میں حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ پر اللہ نے مسلمانوں کو دوبارہ متحد کیا اسی لئے اس سال کو عام الجماعہ کہتے ہیں، اسلئے کہ اس سال اللہ نے تمام مسلمانوں کو متحد کیا تھا، اور اس کے بعد مسلمانوں کے اندر نئے سرے سے خوشحالی کے ساتھ عادلانہ اور حکیمانہ طور پر حکمرانی شروع ہوئی۔

اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہیکہ صحابہ کے اندر پیش آنے والے اختلافات کے بارے میں خاموش رہنا ہے، اہل بدعت کی طرح انہیں ہر جگہ اچھالا نہیں جائے گا، مگر مصنف نے ایسا نہیں کیا اس طرح شعوری یا غیر شعوری طور پر مصنف بھی دشمنان صحابہ کی فہرست میں شامل ہوگیا جو صحابہ کرام کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جتنے مشائخ سے ملاقات کی ہے ان میں سے کسی نے صحابہ پر نقد نہیں کیا ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمائی ہیں کہ لوگوں کو حکم ہوا ہے کہ وہ صحابہ کیلئے استغفار کریں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔ (الحشر: ۱۰)۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین اور خیر ملوک المسلمین جیسے القاب سے پکارا جاتا تھا۔

* ابوتوبہ ربیع بن نافع حلبی کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے لئے پردہ ہیں، جب آدمی اس پردہ کو کھول دیتا ہے تو پھر اسکے بعد دیگر صحابہ پر بھی جسارت کرنے لگتا ہے۔(تاریخ بغداد:١/٢٠٩)۔

* محمد بن عبد اللہ بن عمار موصلی کہتے ہیں کہ معافی بن عمران سے پوچھا گیا کہ معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں افضل کون ہے؟ تو یہ سن کر وہ غضبناک ہو گئے اور کہا: کیا تم ایک صحابی کا موازنہ ایک تابعی سے کر رہے ہو! معاویہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، رشتے دار، منشی اور کاتب وحی تھے۔(مصدر سابق)۔

* عبد اللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تو آپ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر کسی جنگ میں اڑتا ہوا غبار معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں داخل ہونے والا عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔(الشریعہ للآجری:٥/٢٤٦٦)۔

* امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی ہیں، یہ سب خلفائے راشدین ہیں، پھر دیگر صحابہ سب سے افضل ہیں، کسی کیلئے جائز نہیں ہے کہ ان میں سے کسی پر تنقید کرے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو حاکم کو چاہئے کہ وہ اسے سزا دے، اسے قطعا معاف نہ کیا جائے، بلکہ توبہ کرایا جائے اور سزا دی جائے، اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ پھر سزا دی جائے، اور ہمیشہ کیلئے قید میں ڈال دیا جائے پھر وہ یا تو توبہ کر لے یا پھر وہیں پت موت تک باقی رہے۔(طبقات الحنابلہ:١/٣٠)۔

* میمونی نے کہا کہ مجھ سے امام احمد نے کہا کہ اے ابوالحسن! اگر کسی کو دیکھو کہ وہ صحابہ کی بدگوئی کر رہا ہے تو اسکے اسلام کو متہم کرو۔(کتاب السنہ للامام خلال:٢/٤٣٢)۔

* ابن العماد حنبلی نے معاویہ کے بارے میں کہا کہ آپ عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے ملک شام کے بیس سال تک گورنر رہے، پھر علی رضی اللہ عنہ کے بعد بیس سال تک خلیفہ رہے، اور بہتر حکومت کی، آپ عربوں میں حکیم اور حلیم مانے جاتے تھے، آپ کی مثال دی جاتی تھی، آپ کاتب وحی تھے، حب صحابہ اور مفتاح صحابہ میں آپ معیار تھے۔ (شذرات الذھب: ۱/ ٦۵)۔

یہاں مصنف سے یہ پوچھا جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنانا کیا یہ موروثی حکومت تھی؟ اور کیا معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ بعد میں کیا ہونے والا ہے جسے بنیاد بنا کر آپ کی مذمت کی جارہی ہے؟

بعد کے حالات وظروف سے پتہ چلتا ہے کہ یزید اور معاویہ بن یزید کے بعد قلیل مدت ہی میں حکومت موروثی نہیں رہ گئی، اور معاویہ بن یزید نے اپنا جانشین بھی کسی کو نہیں بنایا تھا، اسی لئے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے حکومت کا دعوی کر دیا، پھر بہت سارے شہروں کی طرف سے آپ کی اطاعت قبول کرلی سوائے شام کے، ملک شام میں مروان بن حکم کو امیر چنا گیا، پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد عبدالملک بن مروان کو منتخب کیا گیا۔

مصنف کو دراصل اعتراض یہ ہیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمہوری نظام کو چھوڑ کر جانشینی کا طریقہ اختیار کیا، اسی بنیاد پر مصنف نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ آپ نے امت کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ اپنا حاکم خود منتخب کرتے، اس پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رد کرتے ہوئے کہا کہ اس تعلق سے بہت سارے لوگ اپنی اپنی رائے دیتے ہیں کوئی معصوم کی شرط لگاتا ہے تو کوئی معصوم کی طرح ہونے کی بات کرتا ہے گرچہ اسکا نام معصوم نہیں رکھتا مثلاً وہ عالم، شیخ، امیر یا ملک وغیرہ ہو، ساتھ ہی اسکے پاس علم دین اور نیکیوں کی کثرت ہو اور اسکے ہاتھ سے اللہ نے بہت سارے نیک کام لئے ہوں، گویا اس

سے کبھی کوئی غلطی نہ ہوئی ہو اور نہ ہی کوئی چیز اس سے اوجھل ہو، بلکہ کچھ لوگ تو ایسی رائے دیتے ہیں جو انبیاء میں بھی نہ پائے جاتے ہوں، جبکہ اللہ نے نوح علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نقل کیا ہے: (قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کی اتباع کرتا ہوں۔ (الانعام: ۵۰)۔

چنانچہ جس طرح جہال اپنے متبوع امام کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے جو بھی پوچھو اسکی جانکاری رکھتے ہیں، ان سے جو بھی طلب کیا جائے اس پر وہ قادر ہوتے ہیں، فرشتوں کی طرح بشری ضرورتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں! حکام کے بارے میں بھی انکا مشورہ بالکل خوارج جیسا ہے جو امت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو، جو مرتکب کبیرہ ہوگا وہ کافر اور مخلد فی النار ہوگا، جبکہ دونوں عقیدہ باطل ہے اور یہ جان لیں کہ بدعت کفر کا فرع ہے۔ (منہاج السنہ: ۳/ ۳۶۷)۔



مصنف نے آگے ص ٦٩ / پر کہا:

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیکہ سب سے پہلے جو شخص میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ سے ہوگا۔ اگر یہ صحیح ہے تو اسے محمول کیا جائے گا خلیفہ چننے کے نظام کو تبدیل کرنے اور اسے موروثی بنانے پر)۔

تبصرہ:

جب یہ حدیث صحیح ہی نہیں ہے اور نہ ہی ثابت ہے تو پھر مصنف نے اس سے استدلال کیوں کیا؟

ابن کثیر اور ابن معین نے اسے منقطع کہا ہے۔

اس حدیث کے عدم صحت کے باوجود کچھ علماء اسے یزید بن معاویہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں، جیسا کہ بیہقی نے نول کیا ہے۔

* ابن کثیر نے نقل کیا ہے: عن مكحول عن أبي عبيدة عامر بن الجراح ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يزالُ أمرُ هذه الأُمَّةِ قائمًا بالقسطِ حتى يكونَ أولَ من يَثْلِمَه رجلٌ من بني أُميَّةَ يقالُ له يزيدُ۔

ترجمہ: مکحول شامی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کا معاملہ عدل و انصاف کے ساتھ چلتا رہے گا یہاں تک کہ سب سے پہلے جو اس میں دراڑ پیدا کرے گا وہ بنی امیہ سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا۔ (البدایہ والنہایہ: ٨ / ٢٣١)۔

یہ حدیث مکحول اور ابوعبیدہ کے درمیان منقطع ہی نہیں بلکہ معضل بھی ہے، ابن عساکر نے کہا کہ یزید بن معاویہ کی مذمت میں جتنی روایتیں مروی ہیں سب موضوع ہیں، ان میں کوئی صحیح نہیں

ہے۔ان میں سب سے اچھی یہی مذکورہ روایت ہے جوکہ منقطع اور معضل ہے۔

مصنف کا حال یہ ہیکہ ایک طرف صحیح مسلم کی روایت کوضعیف کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے جیسا کہ اس کا ذکر آئے گا،مگر یہاں پر ضعیف اور موضوع روایت تک سے استدلال کر رہا ہے کیونکہ یہ روایت مصنف کی خواہش نفس کے موافق ہے!

دوسرے مصنف پر رد ان حدیثوں سے کیا جا سکتا ہے جن میں عمومی طور پر بنی امیہ کی مدح وستائش ہوتی ہے جیسے کہ درج ذیل بارہ خلیفہ والی روایت:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِي أَبِي، فَسَمِعْتُهُ، يَقُولُ: " لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً، فَقَالَ كَلِمَةً صَمَّنِيهَا النَّاسُ، فَقُلْتُ لِأَبِي: مَا قَالَ؟، قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ ".

ترجمہ: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میرے ساتھ میرے باپ بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ”یہ دین ہمیشہ غالب اور مضبوط رہے گا بارہ خلیفوں کی خلافت تک۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا جو لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا (یعنی ان کی باتوں نے مجھے سننے نہ دیا بہرا کر دیا اس کے سننے سے) میں نے اپنے باپ سے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب قریش سے ہوں گے۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۲۱)۔

اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ خلفاء تک اسلام طاقتور رہے گا، اور یہ دور بنی امیہ کا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو نقل کرنے

کے بعد کہا ہے کہ معاملہ اسی طرح پایا گیا ہے، چنانچہ ان بارہ خلفاء میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ ہیں، پھر وہ تمام خلفاء ہیں جن پر لوگ متفق ہوئے اور اسے سربلندی اور طاقت حاصل رہی جیسے معاویہ رضی اللہ عنہ، پھر آپ کے لڑکے یزید بن معاویہ، پھر عبد الملک بن مروان اور آپ کے چار لڑکے، انہیں میں عمر بن عبد العزیز بھی شامل ہیں، پھر اسکے بعد اسلامی سلطنت میں دھیرے دھیرے نقص پایا جاتا رہا جو آج تک باقی ہے، بنی امیہ نے تمام بلاد اسلامیہ پر حکومت کی ہے، سلطنت انکے دور میں سربلند تھی، انہیں انکے سیدھے سادے ناموں سے پکارا جاتا تھا جیسے عبد الملک اور سلیمان وغیرہ، سارے پرکشش القاب بعد میں شامل کئے گئے ہیں جیسے عز الدولہ، عضد الدولہ، بھاء الدین اور رکن الدولہ وغیرہ۔

بنی امیہ کے دور میں خلیفہ اور گورنر خود لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، وہی مساجد میں جھنڈے باندھتے تھے، وہی فوج کی قیادت کرتے تھے، وہ اپنے سادہ مکانوں میں رہتے تھے، محلوں اور قلعوں میں نہیں رہتے تھے، اور نہ ہی رعایا سے دور رہتے تھے۔ (منہاج السنہ: ۸/ ۲۳۸)۔



مصنف نے آگے ص ۷۰ / پر کہا:

(معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ وافر تعداد میں پائے جاتے تھے، اور سب کا محاسبہ ہوتا تھا لیکن بعد میں مرور زمانہ کے ساتھ جس طرح یکے بعد دیگرے خلیفہ آتے گئے دین سے دوری بڑھتی گئی سوائے تین عادل خلفاء کے: معاویہ بن یزید، عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن الولید کے)۔

تبصرہ:

مصنف کے اس کلام پر کئی وجوہات سے رد کر سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

یہاں پر مصنف نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا ہے بایں طور کہ آپ کے دور میں عدل و انصاف نہیں پایا جاتا تھا، آپ کے دور میں آپسی دوری پائی جاتی تھی، ہاں صحابہ کے وجود اور محاسبہ کے احساس نے اس دوری کو کچھ کم کر رکھا تھا، مصنف نے اس پہلے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کیا ہے آپ پر جور و ظلم اور استبداد کا الزام لگا کر، جبکہ آپ دیکھیں گے کہ صحابہ کرام آپ کو فقیہ اور عادل کہتے تھے اور ہمارے لئے صحابہ کی گواہی کافی ہے مصنف کی دشمنی کی تردید میں۔

دوسری وجہ:

مصنف نے عمر بن عبدالعزیز کی تعریف کی ہے جبکہ بغاوت کی چنگاری آپ ہی کے دور میں پھوٹی تھی جسکی قیادت عباسیوں نے کی تھی جسکے بارے میں مصنف نے کہا ہے کہ یہ کامیاب انقلاب تھا جو مدتوں باقی رہا۔

اسی طرح مصنف نے دعوی کیا ہے کہ خلافت راشدہ ایک استثنائی دور ہے جس کا دوبارہ تجربہ ممکن

نہیں ہے، لیکن یہاں پر اپنے ہی اصول کی مخالفت کر ڈالی ہے عمر بن عبدالعزیز، معاویہ بن یزید اور یزید بن الولید کے دور کی تعریف کر کے!



مصنف نے آگے ص ۱۷/ پر کہا:

(معرکہ حرہ اور دیر جماجم میں قراء کی ہزیمت کے بعد ہی تابعداری اور ارجاء کی فکر مسلمانوں میں عام ہوئی ہے، اسی لئے قتادہ نے کہا تھا کہ ارجاء کا ظہور قراء کی ہزیمت کے بعد ہوا ہے)۔

تبصرہ:

یہ حقیقت حال کے خلاف ہے، یعنی مصنف کا یہ دعوی کہ ارجاء کی فکر کا ظہور باغیوں کی ہزیمت اور انکی کمزوری کے بعد ہوا یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ارجاء کی فکر خود تلوار اور انقلاب و بغاوت سے مربوط ہے، جیسا کہ علمائے اہل سنت نے اسکی تصریح کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ نفس پرستی کا انجام تلوار اٹھانا ہے:

* امام لالکائی کہتے ہیں کہ سفیان ثوری نے مرجئہ کے بارے میں کہا کہ یہ گمراہ کن نفس پرست بدعتی ہیں۔ پھر کہا کہ یہ اہل قبلہ پر تلوار اٹھانے کے قائل ہیں۔ (شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی: ۱۸۳۴)۔

* ابن المبارک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ارجاء کے قائل ہیں؟! کہا کہ میں کیسے مرجی ہوسکتا ہوں؟! میں تو تلوار اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔ (الکتاب اللطیف لابن شاھین، ص ۱۷)۔

* عبداللہ بن احمد سے مروی ہیکہ ابو اسحق فزاری نے کہا کہ میں نے سفیان اور اوزاعی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مرجئہ کا عقیدہ تلوار اٹھانے کا ہے۔ (کتاب السنہ لعبداللہ بن احمد: ۱/ ۲۱۷)۔

* ابوقلابہ نے کہا کہ جس نے بدعت ایجاد کی ہے اس نے تلوار اٹھانے کو جائز ٹھہرایا ہے۔ (سنن دارمی: ۱۰۰)۔

مزید آپ نے کہا جیسا کہ سنن دارمی میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: "إِنَّ أَهْلَ الْأَهْوَاءِ أَهْلُ الضَّلَالَةِ، وَلَا أَرَى مَصِيرَهُمْ إِلَّا إِلَى النَّارِ، فَجَرِّبْهُمْ فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْهُمْ يَنْتَحِلُ قَوْلًا أَوْ قَالَ: حَدِيثًا فَيَتَنَاهَى بِهِ الْأَمْرُ دُونَ السَّيْفِ، وَإِنَّ النِّفَاقَ كَانَ ضُرُوبًا. ثُمَّ تَلَا: وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ سورة التوبة آية ٧٥، وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ سورة التوبة آية ٥٨، وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ سورة التوبة آية ٦١، فَاخْتَلَفَ قَوْلُهُمْ وَاجْتَمَعُوا، فِي الشَّكِّ وَالتَّكْذِيبِ، وَإِنَّ هَؤُلَاءِ اخْتَلَفَ قَوْلُهُمْ وَاجْتَمَعُوا فِي السَّيْفِ، وَلَا أَرَى مَصِيرَهُمْ إِلَّا إِلَى النَّارِ". قَالَ حَمَّادٌ: ثُمَّ قَالَ أَيُّوبُ عِنْدَ ذَا الْحَدِيثِ أَوْ عِنْدَ الْأَوَّلِ: وَكَانَ وَاللَّهِ مِنَ الْفُقَهَاءِ ذَوِي الْأَلْبَابِ: يَعْنِي أَبَا قِلَابَةَ.

ترجمہ: ابو قلابہ نے کہا کہ خواہشات کی پیروی کرنے والے گمراہ ہیں، میری رائے میں ان کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ نہیں، تجربے کے طور پر دیکھ لو جس نے بھی کوئی (نیا) قول یا بات اپنائی اس کا معاملہ قتل تک پہنچا ہے۔ بیشک نفاق کی بہت سی صورتیں ہیں، پھر انہوں نے یہ آیات تلاوت کیں: "ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم صدقہ وخیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے۔" (التوبہ: ۷۵)۔ ترجمہ: "اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو خیرات کے مال کی تقسیم میں آپ پر عیب جوئی کرتے ہیں اگر انہیں اس میں سے کچھ مل جائے تو خوش اور نہ ملے تو فوراً ہی ناراض ہو جاتے ہیں۔" (التوبہ: ۵۸) ترجمہ: "اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ ہلکے کان کا ہے آپ کہہ دیجئے کہ وہ کان

تمہارے بھلے کے لئے ہے۔"(التوبہ:٦١)۔

سوان کی بات میں اختلاف ہوگیااور شک وتکذیب پر انہوں نے اجتماع کرلیا،ان کا قول مختلف ہے اور یہ قتل کے مستحق ہیں، مجھے ان کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کچھ نہیں لگتا۔حماد نے کہا: پھر ایوب نے اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم وہ (یعنی ابوقلابہ) بڑے ہوشیار سمجھدار فقہاء میں سے تھے۔(سنن دارمی:۱۰۱)۔

٭سلام بن ابی مطیع سے روایت ہیکہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ اہل بدعت کو خوارج کہہ کر پکارتے تھے اور کہتے تھے: خوارج کے نام مختلف ہیں مگر سب تلوار اٹھانے کے جواز میں متفق ہیں۔(شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی:۱/ ۱۶۲)۔

٭ امام بربہاری رحمہ اللہ نے کہا کہ جان لوکہ ہرطرح کی نفس پرستی بری ہے،سب کے یہاں تلوار اٹھانا جائز ہے۔(شرح السنہ،ص ۱۴۶)۔

٭عنبسہ ابن سعید کلاعی سے روایت ہیکہ جس نے بھی بدعت ایجاد کی ہے اسکے دل میں مسلمانوں سے دشمنی پیدا ہوجاتی ہے،اور امانت اسکے دل دے رخصت ہوجاتی ہے۔نعیم نے کہا: اوزاعی نے یہ بات مجھ سے سنی تو پوچھا کہ کیا تم نے اسے عنبسہ سے سنا ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں،تو کہا کہ یقینا انھوں نے سچ کہا ہے،ہم بھی یہی کہتے تھے کہ جس نے بھی بدعت ایجاد کی ہے اسکے دل سے تقوی اور ورع سلب کرلیا گیا ہے۔(ذم الکلام واھلہ للھروی:۵/ ۱۲۶)۔



مصنف نے آگے ص ۲۷ / پر کہا:

(اموی اور بعد کے خلفاء نے تغلب اور تسلط کے اصول کو اپنا رکھا تھا، چنانچہ اموی دور میں یہ وصف غالب رہی جو پھر کبھی ختم نہ ہوسکی)۔

تبصرہ:

مصنف کے اس کلام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، جب کہ آپ کی خلافت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی دستبرداری سے شروع ہوتی ہے، اس میں کوئی تغلب اور تسلط نہیں پایا جاتا ہے جیسا کہ مصنف نے گمان کیا ہے۔

مصنف نے کہا: (چنانچہ اموی دور میں یہ وصف غالب رہی جو پھر کبھی ختم نہ ہوسکی)۔

اس سے مصنف کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے کہ مصنف کس قدر بنی امیہ سے دشمنی اور بغض رکھتا ہے، کیونکہ بنی امیہ کے دور میں جو خیر وبھلائی ظاہر ہوئی اور اس دور میں کتاب وسنت کا جس طرح بول بالا رہا وہ پھر بعد میں کبھی نہیں رہا ہے!



مصنف نے آگے ص ۲۷ / پر کہا:

(یہاں پر گفتگو طاقت کے زور پر بننے والے حاکم کی قانونی حیثیت پر ہوگی؛ جو دراصل ایسے معاشرتی اور شہری اداروں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا جو سیاسی توازن کو برقرار رکھتے ہیں، اسی طرح ایک ایسے واضح دستور کے نہ ہونے کی وجہ سے جس میں حقوق و واجبات کی وضاحت ہوتی ہے، اسی طرح اختیارات محدود ہونے کی وجہ سے علماء کا موقف بھی کمزور ہوتا تھا، ساتھ ہی کچھ لوگوں نے اصلاح کی کوشش بھی کی مگر وہ ناکام تجربات ثابت ہوئے، اسی لئے وحدت امت کی خاطر خانہ جنگی اور انتشار سے بچتے ہوئے مزید مخالفت سے باز آگئے حتیٰ کہ ظالم حاکم کو بھی برداشت کرنا پڑا، یہی حالات وظروف کا تقاضہ تھا، یہ مطلق طور پر کوئی شرعی حکمرانی نہیں تھی، بلکہ تناقض پر قائم تھی جسے بے جا جواز کی سند دے دی گئی تھی، اسی لئے جب بھی کوئی لڑ کر غالب آجاتا تو اسی طاقت کی منطق سے لوگ اسکی اطاعت قبول کر لیتے، پھر اگر کوئی دوسرا آ کر پہلے حاکم پر غالب آجاتا تو پھر لوگ اس کی اطاعت قبول کر لیتے، اور اگر پہلا اپنی حکومت واپسی کیلئے کوشش کرتا تو اسے خروج و بغاوت کے نام قتل کر دیتے خواہ وہ کوئی بھی ہو، اسی لئے عباسیوں نے خفیہ دعوت شروع کی اور ایک کامیاب بغاوت کھڑی کر دی تاکہ کسی طرح غلبہ حاصل ہو جائے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ غالب آنے کی صورت میں انہیں سند جواز حاصل ہو جائے گا بصورت دیگر وہ باغی کہلائیں گے اس اصول کی بنیاد پر کہ جسکے پاس طاقت ہوگی اسی کی اطاعت ہوگی۔

چنانچہ اسی اصول کی بنیاد پر اگر اموی بھی بغاوت کریں گے تو انہیں بھی خارجی کہا جائے گا جب تک کہ وہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

یہی وجہ ہیکہ بغاوت اور انقلاب جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو فقہائے وقت ان کا ساتھ دیتے

ہیں، اور جب ناکام ہوجاتے ہیں تو انکی مذمت کرتے ہیں، اسلئے باغیوں اور انقلابیوں کو کب خائن مان لیا جائے اور کب ان کی امامت تسلیم کرلی جائے کچھ پتہ نہیں)۔

تبصرہ:

آغاز میں ہم قرآن کی یہ آیت پڑھتے ہیں: (أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ) ترجمہ: تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور منصف تلاش کروں، حالانکہ اسی نے تمھاری طرف یہ کتاب مفصل نازل کی ہے اور وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی ہوئی ہے، پس تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ (الانعام: ۱۱۴)۔

اسکے بعد مصنف کے باطل کلام کا درج ذیل وجوہات سے جواب دیا گیا ہے:

پہلی وجہ:

جہاں تک غلبہ اور تسلط کا تعلق ہے جس میں طاقت کی بنیاد پر اقتدار پر قابض ہوتے ہیں تو اس پر تفصیلی کلام دلائل کی روشنی میں گزر چکا ہے۔

ہم یہاں صرف یہی کہیں گے طاقت اور مال کا استعمال مغربی میں بھی ہوتا ہے مصنف جسکی تائید کرتا ہے، بلکہ اسکے لئے جس قدر جھوٹ، پروپیگنڈے اور ایجنٹوں کی خرید وفروخت اور پارٹی سازی نیز ارکان کا توڑ جوڑ کیا جاتا ہے اتنا اور کسی جگہ نہیں ہوتا ہے، پھر آخر طاقت کے زور پر شرعی حکومت مصنف کی نظر میں بری کیوں ہے جبکہ مغربی جمہوریت جو کہ اسلام مخالف کافرانہ نظام پر قائم

ہے اچھا کیوں ہے؟!

اسی طرح مصنف کا کلام علمائے اہل سنت والجماعہ کے اس اجماع کے خلاف ہے کہ تلوار کے زور پر اقتدار پر قابض حاکم کی اطاعت بھی واجب ہے، تاکہ مزید قتل وخونریزی اور فتنہ وفساد سے بچا جا سکے، اور امن وامان اور استقرار باقی رہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ حاکم مسلمان ہو۔

دوسری وجہ:

مصنف کا گمان ہیکہ طاقت کے زور پر مسلط حاکم کو شرعی حیثیت اس وجہ سے مل جاتی تھی کیونکہ اس وقت معاشرتی اور شہری اداروں نیز کسی واضح دستور کا وجود نہیں تھا!!

اس پر یہی کہا جائے گا کہ قرون مفضلہ کو اس طرح کے بدبختانہ اور گستاخانہ کلام سے متصف کرنا بالکل درست نہیں ہے، بلکہ یہ واضح الزام ہے، معتزلہ اور خوارج کے مذہب کی ترویج ہے، واضح رہے کہ یہ سب اللہ کی مرضی کے تحت ہوتا ہے یہی اللہ کی سنت رہی ہے، ایسے امور میں شرعی احکام واضح ہیں، جن کے اندر کوئی تغیر اور رد وبدل ممکن نہیں، بلکہ اس کا تعلق اشخاص اور ناموں سے بالکل نہیں ہے۔

اور مصنف کا یہ کہنا کہ: (جو دراصل ایسے معاشرتی اور شہری اداروں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا جو سیاسی توازن کو برقرار رکھتے ہیں، اسی طرح ایک ایسے واضح دستور کے نہ ہونے کی وجہ سے جس میں حقوق وواجبات کی وضاحت ہوتی ہے)۔

اسکا مطلب یہ ہوا کہ مصنف کے نزدیک کتاب وسنت اور منہج سلف کوئی دستور نہیں ہے بلکہ اسکے نزدیک دستور وہی ہے جسے انقلابیوں اور باغیوں نے وضع کیا ہے۔

اور اس کا مطلب یہ بھی ہیکہ ترقی یافتہ اسلامی دور بھی معاشرتی اور شہری اداروں کے نہ ہونے

نیز ایک ایسے واضح دستور کے نہ ہونے کی وجہ سے جس میں حقوق وواجبات کی وضاحت ہوتی ہے، ناکام رہا ہے!!

یقیناً یہی جملہ گمراہی اور ضلالت کیلئے کافی ہے، بلکہ کتاب وسنت اور اس امت کے افضل ترین دور اور سلف امت پر صریح الزام ہے، علمائے ربانیین پر صریح بہتان ہے کہ وہ خوف اور عاجزی کا شکار تھے نعوذ باللہ۔

گویا مصنف اپنے اس گمراہ کن بیانیے سے باغیوں کیلئے راہ ہموار کر رہا ہے کہ چونکہ کوئی واضح دستور نہیں ہے اور نہ ہی کوئی معاشرتی اور شہری اداروں کا وجود ہے جو سیاسی توازن کو برقرار رکھ سکیں اس لئے اس صورت حال کا استغلا ل کرو یقیناً تمہاری بغاوت کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

ساتھ ہی مصنف نے اپنے اس گمراہ کن بیانیے سے اہل سنت والجماعہ کے اس مذہب کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے جسکی بنیاد پر وہ ایسے حاکم کی اطاعت واجب مانتے ہیں جو طاقت کے زور پر کوئی تسلط حاصل کرتا ہے۔ بلکہ مصنف اپنے اس کلام کے ذریعے خود اپنا بھی موقف واضح کر دیا اور وہ معتزلہ اور خوارج کا گمراہ مذہب ہے۔

اہل سنت والجماعہ اس طرح کے فضول اور گمراہ کن کلام سے دور رہتے ہیں ان کا دستور کتاب وسنت اور منہج سلف ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ) ترجمہ: اور کیا انھیں یہ کافی نہیں ہوا کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ (العنکبوت: ۵۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ) ترجمہ: ہم نے کتاب

میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی ہے۔(الانعام:۳۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ) ترجمہ: پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔(المائدہ:۵۰)۔

مصنف نے کہا:(یہ مطلق طور پر کوئی شرعی حکمرانی نہیں تھی، بلکہ تناقض پر قائم تھی جسے بے جا جواز کی سند دے دی گئی تھی، اسی لئے جب بھی کوئی لڑ کر غالب آجاتا تو اسی طاقت کی منطق سے لوگ اسکی اطاعت قبول کر لیتے، پھر اگر کوئی دوسرا آ کر پہلے حاکم پر غالب آجاتا تو پھر لوگ اس کی اطاعت قبول کر لیتے، اور اگر پہلا اپنی حکومت واپسی کیلئے کوشش کرتا تو اسے خروج و بغاوت کے نام قتل کر دیتے خواہ وہ کوئی بھی ہو)۔

مصنف کی طرف سے یہ بالکل باطل استدلال ہے جس کے ذریعے لوگوں کو حق سے متنفر کرنا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(يَا أَيُّهَا النَّاسُ، اتَّقُوا اللَّهَ، وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ، فَاسْمَعُوا لَهُ، وَأَطِيعُوا) ترجمہ: لوگو! اللہ سے ڈرو، اور اگر کان کٹا ہوا حبشی غلام بھی تمہارا حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بات مانو اور اس کی اطاعت کرو۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری کہتے ہیں کہ خواہ تمہارا حاکم سب سے کمتر اور معمولی شخص ہی کیوں نہ ہو پھر بھی تم اس کی نافرمانی نہ کرو، حتی کہ کان کٹا ہوا حبشی غلام بھی تمہارا حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بات مانو اور اس کی اطاعت کرو تا کہ فتنہ وفساد مزید بڑھنے نہ پائے، ایسے حالات میں صبر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ کوئی سبیل نکال دے، اور یہ بھی کہا گیا ہیکہ اطاعت حاکم پر ابھارا گیا

ہے کسی حقیقی صورت حال کی وضاحت مطلوب نہیں ہے جس طرح کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ".

ترجمہ: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے پرندے کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی مسجد اللہ کے لیے بنوائی، تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا"۔ (سنن ابن ماجہ: ۷۳۸)۔

اور یہ بھی کہا گیا ہیکہ یہاں آپ نے یک بات بطور مثال کہی ہے کیونکہ اسکی حکمرانی صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خلافت قریش میں ہوگی۔ انتہی۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ۲ / ۴۴)۔

میں کہتا ہوں کہ اہل علم کے کلام میں کوئی تناقض نہیں ہے جیسا کہ مصنف کا گمان ہے، بلکہ سلف امت اور فقہائے عظام اللہ اور اسکے رسول کے مطیع وفرمانبردار تھے، اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی خاطر طاقت کے زور پر غالب آنے والے حاکم کی بھی اطاعت کرتے تھے، کیونکہ وہ اسی میں مسلمانوں کا اتحاد سمجھتے تھے اور یہ کہ اسی میں مصلحت ہے، فتنہ وفساد سے بچا جا سکتا ہے۔

چنانچہ مصنف کا فقہائے امت اور سلف صالح کی مذمت کرنا درحقیقت شریعت کی مذمت ہے، اور تناقض تو باغیوں اور خوارج کے مذہب میں ہے جو کسی ایک حال اور عقیدے پر باقی نہیں رہتے، بلکہ کرسی اقتدار کی خاطر اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی میں قتل وخونریزی کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتے ہیں!

مصنف نے کہا کہ: (یہی وجہ ہیکہ بغاوت اور انقلاب جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو فقہائے وقت ان کا ساتھ دیتے ہیں، اور جب ناکام ہو جاتے ہیں تو انکی مذمت کرتے ہیں، اسلئے باغیوں اور انقلابیوں کو کب خائن مان لیا جائے اور کب ان کی امامت تسلیم کرلی جائے کچھ پتہ نہیں)۔

خیانت تو یہی ہے کہ ایک حاکم کی بیعت کو توڑ کرکسی دوسرے سے بیعت کرلی جائے اور پھر اسی کی قیادت میں خروج و بغاوت کیا جائے یہی عہد و پیمان اور بیعت کی خیانت ہے، جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کے ہی ان پائی جاتی ہے۔

اور مصنف کا یہ کہنا کہ (باغیوں اور انقلابیوں کو کب خائن مان لیا جائے اور کب ان کی امامت تسلیم کرلی جائے کچھ پتہ نہیں)۔

تو یہ حقیقت ہے، کیونکہ انکی کوئی مستقبل اور مثبت سوچ نہیں ہوتی، شریعت جن امور سے منع کرتی ہے انہیں میں یہ ملوث ہوتے ہیں، جور وظلم کا بہانہ بنا کر حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرتے ہیں اور پھر انکا انجام کبھی بھی بہتر نہیں ہوتا، کیونکہ انکا مقصد نیک نہیں ہوتا، اگر نیک ہوتا تو شرعی دائرے میں رہ کر صبر کرتے، ارشاد باری تعالی ہے: (الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ) ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔(الحج:۴۱)۔

مصنف نے کہا: (بغاوت اور انقلاب جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو فقہائے وقت ان کا ساتھ دیتے ہیں)۔

یہ علمائے امت پر الزام اور جھوٹی تہمت ہے، کیوں کہ یہ بغاوتوں کا ساتھ کبھی بھی نہیں دیتے ہیں کسی ایسے حاکم کے خلاف جس کی حکمرانی پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہو، خروج و بغاوت کی تائید خوارج اور معتزلہ کے فقہاء دیتے ہیں جن کا اہل سنت والجماعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔



مصنف نے آگے ص ۷۴ / پر کہا:

(آپ ان باتوں کو کتب فقہ کے اندر صراحت کے ساتھ نہیں پاؤ گے، بلکہ ایسی کتابوں میں پاؤ گے جن کے اندر معاشرتی دراسہ اور تجزیہ ہوتا ہے)۔

تبصرہ:

مصنف ان باتوں سے اشارہ بغاوت اور انقلاب کی تاریخ اور اسکی تیاری کی طرف کرنا چاہتا ہے کہ بغاوتیں کب کامیاب اور کب ناکام ہوتی ہیں، ان کے کیا اسباب ہوتے ہیں، ان سب امور پر گفتگو کتب فقہ کے اندر صراحت کے ساتھ نہیں ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بالکل آپ صراحت کے ساتھ ان کتابوں میں ایسا کچھ نہیں پاؤ گے، کیونکہ یہ کتابیں دلیلوں پر مبنی ہیں، ایسی باتیں آپ ان مفلس مفکرین کی کتابوں میں پاؤ گے جو علم و دلیل سے تہی دامن ہوتے ہیں، جیسے کہ یہی مصنف کی یہ کتاب، اسی طرح ان معتزلہ کی کتابوں میں پاؤ گے جن کی پیروی اس مسئلے میں مصنف نے کر رکھی ہے، اور علمائے اہل سنت والجماعہ سے اعراض کر رکھا ہے، اسی طرح خوارج کی کتابوں میں پاؤ گے، اسی طرح ان خفیہ اجتماعات میں پاؤ گے جہاں پر دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوتی ہیں، النھضۃ نامی کانفرنس میں پاؤ گے جسے تین بار منعقد کیا جا چکا ہے، ایک بار قطر میں، ایک بار بحرین میں اور ایک بار کویت میں، مگر تیسری بار میں یہ ایکسپوز ہو گئے اور انکی سازش واضح ہو گئی، پھر چوتھی بار یہ ایسی ہمت نہ کر سکے۔

گویا مصنف اپنے اس کلام سے انہیں خفیہ کانفرنسوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے جہاں پر ملک وملت کے خلاف سازشیں کی جاتی ہیں؛ اسی لئے اس سے پہلے ص ۷۳ پر کہا کہ (یہ طاقت کے

توازن اور منصوبہ بندی studied work کے بعد فیصلہ کیا جاتا ہے، جیسا کی عباسیوں نے کیا جو بڑے ہی صبر وتحمل اور چالاکی کے ساتھ تیس سالوں سے زیر زمین کام کرتے رہے)۔

آخر اس طرح کی باتوں سے مصنف کہنا کیا چاہتا ہے؟! کیا اس طرح کی خفیہ سرگرمیاں اور حکومت مخالف سازشوں کو قانونی درجہ دے دیا جائے اور خوارج کی فکر کیلئے کتب فقہ میں بھی جگہ دی جائے تا کہ باغیوں کو سند جواز مل سکے؟!

کیا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے انہیں امور سے آگاہ نہیں کیا تھا جب یہ کہا تھا کہ جب کچھ لوگوں کو دیکھو کہ وہ دین کے نام پر لوگوں سے کٹ کر خفیہ باتیں کرتے ہیں تو جان لو کہ وہ گمراہی کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔(شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ للالکائی:۱/ ۱۵۳)۔

اسکی تصدیق درج ذیل اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

عن عبدالله بن عمر قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسولَ اللَّهِ أوصِني قالَ: اعبُدِ اللَّهَ ولا تُشرِكْ بهِ شيئًا وأقِمِ الصَّلاةَ وآتِ الزَّكاةَ وصُم رمضانَ وحُجَّ البيتَ واعتَمِرْ واسمَعْ وأطِعْ وعلَيكَ بالعَلانيةِ وإيّاكَ والسِّرَّ۔

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھ نصیحت کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کہ عبادت کرو، اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، حج اور عمرہ کرو، حاکم کی اطاعت کرو، علانیہ کام کرو، خفیہ کاموں سے دور رہو۔(کتاب السنہ لابن ابی عاصم:۱۰۷۰)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ".

ترجمہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا کوئی ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آئے (یعنی قیامت) اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔" (صحیح مسلم: ۱۹۲۰)۔

چونکہ مصنف نے علمائے امت پر الزام لگایا ہے کہ ان کی کتابوں میں انقلاب و بغاوت کا تذکرہ نہیں پایا جاتا ہے اس لیے ضروری ہیکہ اس کا بھی جواب دیا جائے چنانچہ ذیل میں شیخ عبد السلام آل عبد الکریم رحمہ اللہ کی کتاب" معاملۃ الحکام فی ضوء الکتاب والسنۃ" سے کچھ اقوال نقل کئے جا رہے ہیں:

* امام امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر کوئی طاقت کے ذریعے اقتدار پر قابض ہو جائے یہاں تک کہ وہ خلیفہ بن جائے اور لوگ اسے امیر المومنین مان لیں، تو کسی بھی مومن کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اسے اپنا امام و حاکم مانے بغیر ایک رات بھی بتائے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ (الاحکام السلطانیہ لابی یعلی، ص ۲۳)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ بات ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے کہی ہے کہ میں اس حاکم کے پیچھے بھی نماز پڑھتا ہوں جو طاقت کے زور پر غالب آجائے۔ (مصدر سابق)۔

اور امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب الاحکام کے اندر" کیف یبایع الامام الناس" باب

کے تحت درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

عَنْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: شَهِدْتُ ابْنَ عُمَرَ حَيْثُ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ:" كَتَبَ أني أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللَّهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ على سُنَّةِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ مَا اسْتَطَعْتُ، وَإِنَّ بَنِيَّ قَدْ أَقَرُّوا بِمِثْلِ ذَلِكَ".

ترجمہ: عبداللہ بن دینار نے بیان کیا کہا کہ میں اس وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا جب سب لوگ عبدالملک بن مروان سے بیعت کے لیے جمع ہو گئے۔ بیان کیا کہ انہوں نے عبدالملک کو لکھا کہ "میں سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں عبداللہ عبدالملک امیر المؤمنین کے لیے اللہ کے دین اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق جتنی بھی مجھ میں قوت ہو گی اور یہ کہ میرے لڑکے بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔" (صحیح بخاری: ۷۲۰۳)۔

دراصل جس وقت اختلاف چل رہا تھا اور دو لوگوں نے خلافت کا دعوی کر رکھا تھا، ایک عبد الملک اور دوسرے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما، اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی سے بیعت نہیں کی تھی، لیکن جب عبدالملک بن مروان کا غلبہ ہو گیا اور حکومت کو استقرار حاصل ہو گیا تو آپ نے بیعت کا پیغام بھیجا۔ (فتح الباری: ۱۳ / ۱۹۴)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے طاقت کے زور پر غالب آنے والے حاکم کے ساتھ جو برتاؤ کیا یہی اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے، اسی پر فقہائے امت کا اجماع ہے، چنانچہ امام شاطبی نے نقل کیا ہے کہ یحی بن یحی سے کہا گیا کہ کیا ایسی بیعت مکروہ ہے؟ تو آپ نے کہا کہ نہیں، پوچھا گیا کہ اگرچہ ظالم ہوں؟ کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان سے بیعت کی تھی جب کہ اقتدار کو انہوں نے

طاقت کے زور پر حاصل کی تھی، مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ عبد الملک نے امام مالک کے پاس خبر لکھا تھا اور آپ نے عبد الملک کی اطاعت قبول کی تھی کتاب وسنت پر، اسکے بعد یحی بن یحی کہتے ہیں کہ بیعت اختلاف سے بہتر ہے۔(الاعتصام للشاطبی: ۳/ ۴۶)۔

* امام بیہقی نے کہا کہ حرملہ کہتے تھے کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو بھی طاقت کے زور پر غالب آجائے تو یہاں تک کہ وہ خلیفہ کہا جانے لگے اور لوگ اس پر متفق ہو جائیں تو وہ خلیفہ مانا جائے گا۔(مناقب الشافعی: ۱/ ۴۴۸)۔

ابن حجر نے فتح الباری میں ایسے حاکم کی اطاعت پر اجماع نقل کیا ہے اور مقصد مفاسد کا دفعیہ بتلایا ہے۔

اسی طرح شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے بھی اس پر اجماع نقل کرتے ہوئے کہا کہ تمام ائمہ امت کا اس بات پر اجماع ہیکہ جو بھی طاقت کے زور پر غالب آجائے تو اسے حاکم مطاع تسلیم کیا جائے گا۔

اسی طرح شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن آل شیخ نے بھی اجماع نقل کیا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: (مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیۃ: ۳/ ۱۶۸)۔



مصنف نے آگے ص ۷۵ / پر کہا:

(گویا فقہاء کے موقف کے مطابق اگروہ (باغی اور انقلابی) کمزور ہے اور اسکے اندر مذکورہ تمام شروط نہیں پائے جاتے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اپنی جلد بازی، طیش اور ہزیمت کے انجام کو خود بھگتے)۔

تبصرہ:

اس کلام کے اندر بھی علماء اور فقہاء پر الزام ہے، آخر وہ ایسا کیونکر سوچ سکتے ہیں جبکہ وہ خروج و بغاوت سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں اور اسے خوارج اور معتزلہ کا طریقہ اور روش مانتے ہیں؟!

بلکہ کتب سنہ میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہوگی جس میں اس مسئلے کو بیان نہ کیا گیا ہو، چنانچہ پہلے کی طرح یہ بھی علمائے اہل سنت والجماعہ پر ایک بھونڈا اور سنگین الزام ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف ان کے طریقے سے ہٹ کر ہے۔

عمر بن یزید سے مروی ہیکہ میں نے حسن بصری رحمہ اللہ سے یزید بن المہلب کی بغاوت کے ایام میں کچھ لوگوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سنا کہ اپنے گھروں کو لازم پکڑ لو، اور اپنے گھروں کے دروازوں کو بند کرلو۔ اللہ کی قسم! جب لوگوں کو انکے حکام کے ذریعے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو اللہ تعالی اسے جلد ہی ہٹا دیتا ہے، اور جو لوگ جا کر تلوار اٹھا لیتے ہیں تو اللہ ان سے اپنی ذمیداری کھینچ لیتا ہے، اللہ کی قسم! ایسے لوگوں سے خیر کی امید کبھی نہیں ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: (وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ) ترجمہ: اور تمہارے رب کی

بہترین بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی، اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا اور ہم نے برباد کر دیا جو کچھ فرعون اور اس کے لوگ بناتے تھے اور جو عمارتیں وہ بلند کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۳۷)۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے مزید کہا کہ حکام کی طرف سے جور وظلم اللہ کی طرف سے ایک عذاب ہے، اور اللہ کے عذاب کو تلواروں سے نہیں دعاء وانابت اور توبہ سے ہٹایا جاتا ہے، اور جب عذاب الہی کا مقابلہ تلواروں سے کیا جاتا ہے تو اس وقت شکست ہی مقدر ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بار حسن بصری رحمہ اللہ نے سنا کہ ایک شخص حجاج بن یوسف پر بد دعا کر رہا ہے تو آپ نے کہا کہ ایسا مت کرو، یہ تمہارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے لایا گیا ہے، ہمیں ڈر ہیکہ اگر حجاج کو ہٹا دیا گیا یا مر گیا تو تمہارے اوپر کہیں بندر اور خنزیر نہ مسلط ہو جائیں۔ (آداب الحسن البصری لابن الجوزی، ص ۱۱۹)۔

سوال یہ ہیکہ کیا کبھی حسن بصری رحمہ اللہ نے باغیوں سے یہ کہا کہ اگر تم کمزور پڑ جاؤ گے تو اپنی جلد بازی، طیش اور ہزیمت کے انجام کو خود بھگتو گے؟!



مصنف نے آگے ص ۷۵ / پر کہا:

(صرف فقہاء کو ہم ہدف ملامت نہیں بنا سکتے، بلکہ اسکی زمہ داری اس سماج کی بھی ہے جو سیاسی اداروں کے بنانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکا، اور جسکی بنیاد پر حاکم کے ارادے بڑھتے اور وہ قوم کو بیوقوف بناتا رہا یہاں تک کہ کمسن بچوں کو بھی ولی عہد بنایا جانے لگا)۔

تبصرہ:

یہاں پر مصنف نے صرف علمائے امت اور فقہائے ملت ہی کو ہدف تنقید نہیں بنایا ہے بلکہ خیر القرون کے مسلم سماج کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے جو کہ امت مسلمہ کا زریں دور مانا جاتا ہے!!

اس طرح کی گستاخی اور یاوہ گوئی مصنف کی طرف سے بار بار ہو چکی ہے، کیا ان لوگوں نے اللہ کا یہ کلام نہیں سنا ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے: (وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔ (الحشر: ۱۰)۔

دراصل فقہائے ملت نے اطاعت حکام کیلئے خواہشات نفسانی کو دلیل نہیں بنایا ہے بلکہ کتاب وسنت سے واضح اور محکم نصوص کو بنیاد بنایا ہے، اس لئے مصنف کی یہ ملامت اور اعتراض صرف فقہاء اور مسلم سماج ہی نہیں بلکہ بلا واسطہ شریعت پر بھی ہے، نسال اللہ العافیہ والسلامۃ۔